بانو قدسیہ
لگن اپنی اپنی
The New York Public Library
The Branch Libraries
DONNELL LIBRARY CENTER
WORLD LANGUAGE COLLECTION
20 West 53rd Street
New York, NY 10019
DF
UrduPhoto.com

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 1

کردار

ڈاکٹر عبداللہ: طبیعت کا نرم۔ محبت کرنے والا۔ عمر پچیس برس کے لگ بھگ

اباجی: مولوی عبدالصمد۔ باتونی۔ جھوٹی عزت پر اترانے والا۔ شیخی خورا۔ جھکی۔ عمر پچپن برس

امی: رشوت لینے والی۔ احساسِ جرم میں مبتلا۔ عمر پچاس کے قریب

لبنٰی: عمر بائیس برس۔ افسانہ نویس۔ خیالات کی دنیا میں رہنے والی

شازی: عمر بیس برس۔ موسیقی اور ماں کی عاشق

جمی: تیرہ چودہ برس کا لڑکا

بیگم بخاری: ہمسائی۔ بھڑکیلی خاتون

("لگن اپنی اپنی" میں ہم ایسی منفرد شخصیتوں کا گھرانہ بسا رہے ہیں جن کے اپنے اپنے محور ہیں اور وہ ایک بڑے گھرانے میں رہنے کے باوجود اپنے اپنے محور پر بڑی شدت سے گھومتے رہتے ہیں۔ یہ محبتوں کی نقاب کشائی کی کوشش کے ساتھ ساتھ ان کرداروں کی وساطت سے کبھی کبھی ہم کچھ اجنبی ماحولوں میں بھی چلے جائیں گے اور وہاں کی محبتوں کا جائزہ بھی لیں گے' لیکن زیادہ تر ہماری توجہ اسی گھرانے پر رہے گی۔ اس پہلے سکرپٹ میں نوکرانی، ملازم اور اختر بھائی موجود نہیں ہیں جو اس سیریل میں آئیں گے۔ ان کرداروں کے علاوہ چھوٹے موٹے اور کردار بھی آتے جاتے رہیں گے۔)

سین 1 شام اِن ڈور (لونگ روم)

(اس وقت ہم اس امیر گھرانے کے لونگ روم میں موجود ہیں۔ یہاں ایک بڑی خوبصورت لمبی سی کھڑکی ہے جس کے سامنے جالی دار پردے آویزاں ہیں جو ہوا سے اڑے جاتے ہیں۔ اس کھڑکی کے سامنے سڑک پار ایک اور گھر کی کھڑکی نظر آتی ہے۔ باقی کھڑکیوں کے آگے درخت کے پتوں کی چھاؤں ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا [illegible] سے کوئی گذرتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ یہاں غالباً ایک روش ہے۔ کمرہ آراستہ ہے۔ جس وقت منظر کھلتا ہے کیمرہ طوطے کے پنجرے پر مرکوز ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اباجی کی آواز شروع

ہو جاتی ہے۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے تو نظر آتا ہے کہ اباجی بڑے غصے میں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں جمی کی رپورٹ ہے۔ سامنے جمی کھڑا ہے۔)

ابا: دو ایم اے کئے ہیں میں نے۔ ایک مرتبہ فیل نہیں ہوا۔ سالانہ امتحان تو در کنار کسی نو ماہی، سہ ماہی میں بھی فیل نہیں ہوا۔ تم لوگوں کو اچھا کھانے کو، اچھا پہننے کو ملنا چاہیے۔ ٹیلی ویژن کے آگے تمہارے تین تین گھنٹے صرف ہوں، ہر شادی بیاہ پر تم جاؤ۔ Cones کھائے بغیر تمہیں ٹھنڈ نہیں پڑتی اور نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ دینیات میں اکتیس نمبر۔ دینیات میں OH My God دینیات میں......؟

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ باپ اُدھر جاتا ہے۔ جمی اپنی آستین سے آنکھیں پونچھتا ہے)

ابا: (جاتے ہوئے) پڑھ نہیں سکتے تو صاف کہو، ہم تمہیں مربعوں پر بھیج دیں۔ مونگ پھلی بیچنا، پونجی کم کرنا۔ اچھا وقت نکل جائے گا تمہارا۔ (فون اٹھا کر محبت سے) ہیلو...... جی میں عبدالصمد بول رہا ہوں۔ جی ہاں۔ جی جی۔ ہرگز نہیں، مجھے تو کوئی انویٹیشن نہیں ملا بلکہ کل میں نے حمید صاحب کی ٹیبل پر کارڈ دیکھا تو بڑا حیران ہوا میں۔ جی جی۔ دیکھئے شہر کے Elites کی پارٹی ہو اور مجھے نہ بلایا جائے...... جی جی۔ ٹھیک ہے جی۔ میں خود دفتر جاتے وقت آپ سے کارڈ لے لوں گا۔ (ہنس کر) میرا ایک Suggestion ہے ناچیز سا۔ اگر آپ مجھے اناؤنسمنٹ کرنے دیں تو بہتر ہوگا۔ دیکھئے کسی ایسے شخص کو یہ ڈیوٹی سونپنی چاہیے جو معزز مہمانوں کی بیک گراؤنڈ سے واقف ہو۔ جی جی جی۔ بخدا مجھے تو وقت ہی نہیں ملتا' لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کا فنکشن Successful ہو۔ قطعی...... بندہ حاضر ہے۔ ہرگز نہیں جی، کوئی تکلیف نہیں...... ہرگز نہیں جناب عالی۔ قطعی نہیں۔ وعلیکم السلام حضور۔ (فون رکھتا ہے)

ہم یہ سب جھکیں کس کے لیے مارتے پھرتے ہیں۔ ہمیں لوگوں سے بنا کر رکھنا پڑتی ہے۔ کس لیے؟ کہ ہماری اولاد کے کام آئے۔ پر اولاد کو خبر بھی ہو۔ سوشل سٹڈیز میں 25 نمبر...... میاں ہسٹری جانے بغیر کوئی آدمی اپنے ملک کے پس منظر سے واقف نہیں ہو سکتا۔

جمی: سوشل سٹڈیز میں تو میں پاس ہوں ابا جی۔ 35 نمبر ہیں میرے۔

ابا: 35 کونسی سوغات ہیں۔ دراصل تم کو شوق ہی نہیں پڑھائی کا۔ کبھی کتا پال لیا، کبھی کبوتروں کے دڑبے بنوالیے۔ کبھی حضرت خرگوش پال رہے ہیں۔

جمی: میں تو ابا جی ...... میرے پاس تو صرف یہ ......

ابا: چپ رہو جی تم۔ ایک چور دوسرے چتر۔ ہم لوگوں سے کچھ غلطی ہو جاتی تھی تو ہم خاموش رہا کرتے تھے۔ والدین کے سامنے بولتے نہیں تھے، آج کل کے بچوں کی طرح۔

جمی: ابا جی آپ مجھے صرف مضمون لکھادیں۔

ابا: کونسا مضمون؟

جمی: ہمارا گھر۔

ابا: میں تمہارا سارا نفسِ مضمون درست کر کے رہوں گا بیٹا! ایک مضمون کو کیا کرنا ہے۔

(اس وقت ڈاکٹر عبداللہ ڈاکٹری سفید کوٹ پہنے ہاتھ میں بیگ لیے آتے ہیں۔ اس نوجوان کی پیشانی کشادہ اور چہرے پر سکون اور اطمینان کے آثار ہیں۔ بات میں ٹھہراؤ اور چہرے پر ایک خوشگوار مسکراہٹ رہتی ہے)

ڈاکٹر: السلام علیکم ابا جی۔

جمی: وعلیکم السلام بھیا۔

ابا: ادھر آؤ عبداللہ۔ ذرا اپنے بھائی کے کرتوت دیکھو۔ یہ دیکھو اس کی رپورٹ۔ حساب میں 55، انگریزی 42، دینیات میں فیل، اردو میں 22 فیل، سوشل سٹڈیز Barely Passed، ڈرائنگ 75 ۔ یہ ڈرائنگ کے نمبر لے کر ہم چاٹیں۔

ڈاکٹر: (جمی کے کندھے پہ خوشی سے ہاتھ رکھ کر) شاباش بھئی ڈرائنگ میں تم نے کمال کر دی۔

ابا: اور باقی ...... باقی جو پھر چاہے ہو گیا ہے ...... وہ

ڈاکٹر: جمی بیٹا جس طرح تم ڈرائنگ میں دل لگاتے ہو، ایک بار یہ سوشل سٹڈیز وغیرہ کو

بھی لتاڑ دو۔

جمی: اچھا بھیا۔

(ڈاکٹر چلنے لگتا ہے)

ابا: کہاں جا رہے ہیں آپ؟

ڈاکٹر: کلینک ابا جی۔

ابا: یہاں کوئی مرجائے، تمہیں کوئی پروا نہیں۔ جیسا عشق تم کو کلینک کا ہے مجنوں کو لیلیٰ کا نہ ہو گا۔

ڈاکٹر: کیا کریں ابا جی، مجبوری ہے۔ کلینک چلتا نہیں ڈاکٹر کے بغیر۔

ابا: تم کو اتنا پڑھا لکھا کر لائق کیا کس لیے، بولو؟

ڈاکٹر: مریضوں کی خدمت کے لیے ابا جی۔

ابا: ہرگز نہیں۔ جاؤ پانی لاؤ میرے لیے اور یہ (جمی سے) جو تم بالکل گھگھو بنے ہوئے ہو میں جانتا ہوں۔

(جمی پانی کا گلاس لینے جاتا ہے)

ابا: بتاؤ کیا Suggestion ہے تمہارا جمی کے سلسلے میں۔

ڈاکٹر: بات یہ ہے ابا جی کہ اس عمر کا بچہ بڑا Vulnerable ہوتا ہے۔ وہ ایک خطرناک Stage میں داخل ہو رہا ہے۔ اس سٹیج کو ہم Adolescence کہتے ہیں۔

ابا: مجھ پر اپنی علمیت بگھارنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی بچے جوان ہوتے رہے ہیں۔ کوئی خاص سینگ تو نہیں نکل آتے تھے ان کے۔

ڈاکٹر: میرے کلینک پر بہت بچے آتے ہیں اس عمر کے۔ دراصل یہ لوگ پڑھائی سے بددل نہیں ہوتے۔ اپنے اردگرد کے لوگوں کی انہیں سمجھ نہیں آتی۔

ابا: اب جب تک تم مجھ سے بات کرو گے اپنے کلینک کا ذکر نہیں کرو گے۔
I am also Big Boss in my Department.

ڈاکٹر: سوری ابا جی۔

ابا: نہیں نہیں تمہیں پوری اجازت ہے جو مرضی کہو۔

ڈاکٹر: اس عمر میں بچوں کے پیٹ میں عموماً کیڑے ہوتے ہیں۔ Out Door Exercise کی ضرورت ہوتی ہے۔ Expansion کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر طرح سے ان میں خود اعتمادی پیدا کرنی چاہیے۔

ابا: مجھے Side Tracking سے نفرت ہے۔ جو بات کہنی ہے، تمہید کے بغیر کہو۔

ڈاکٹر: آپ اپنا سوال ذرا پھر سے دہرایئے۔

ابا: میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ اس گدھے کے بچے جمیل کی پڑھائی کا کیا ہوگا۔ 651 نمبر لیے تھے کرنل غفار کے بیٹے نے اس سال اور داخلہ نہیں ملا اسے میڈیکل میں، ان حضرت کا کیا بنے گا؟

ڈاکٹر: جمی کو Individual Attention کی ضرورت ہے ابا جی۔

ابا: What do you mean?

ڈاکٹر: کسی کو اسے پڑھانا چاہیے۔ اس میں دلچسپی لینے کی ضرورت ہے۔

ابا: تم کس چیز کا علاج ہو، تمہارا بھی کچھ لگتا ہے۔

ڈاکٹر: اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں بسر و چشم پڑھاتا۔

ابا: جی ہاں اس گھر میں میرے سوا کسے فرصت ہے، میں ناکارہ ہوں ایک۔

ڈاکٹر: (زچ ہو کر) ابا جی آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ صبح آٹھ سے دو بجے تک کلینک، شام کو چھ سے گیارہ تک کلینک۔

ابا: کھلہ پڑھواؤ کلینک سے، جاؤ میاں جاؤ۔ تمہیں کیا پروا۔ بہنوں کے بر کہاں سے آئیں گے۔ بھائی کی تعلیم کیسے ہوگی، شہر میں پوزیشن کیسے ہوگی (فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ ابا جاتا ہے۔ جمی پانی کا گلاس پلیٹ میں لے کر آتا ہے۔ اس بار ابا عقب میں فون کرتا رہتا ہے۔ اس کی آواز نہیں آتی۔ سامنے فرنٹ میں جمی پانی [illegible] پکڑ کر کھڑا ہے)

ڈاکٹر: بھیا مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ہمارے گھر میں ایک آرٹسٹ ہے۔

جمی: (دل شکستہ) میں نے تو اپنی طرف سے پرچے اچھے کیے تھے بھیا جی! پر وہ جو

ڈاکٹر: Never mind next time better luck

جمی: بھیا میرے چار سوال بالکل ٹھیک تھے۔ مغل بادشاہوں کے اصلی نام پوچھے تھے، سر منظور نے۔ میں نے لکھا تھا۔ ظہیر الدین محمد بابر، نصیر الدین محمد ہمایوں، جلال الدین محمد اکبر، نور الدین محمد جہانگیر، شاہجہاں اور محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر سب پر کانٹا پھیر دیا یوں اور 20 Out of.....0 سارے نمبر Spelling Mistake میں کاٹ لیے بھیا جی۔ میں جھوٹ نہیں بولتا، آپ میرا پرچہ دیکھ لیجیے۔ Zero Out of 20۔ سب نام لکھے ہیں میں نے، پر پھر بھی۔

ڈاکٹر: دیکھو جب ڈاکٹر آپریشن کرنے کے لیے اندر تھیٹر میں جاتا ہے ناں تو پہلے صابن سے ہاتھ دھوتا ہے، پھر منہ پر ماسک باندھتا ہے۔ سفید over all پہنتا ہے۔ چمڑے کے دستانے چڑھاتا ہے۔ سارے Instruments پہلے سے Boil کر کے رکھتے ہیں۔ کمرہ Disinjected ہوتا ہے۔

جمی: میں جانتا ہوں بھیا جی۔

ڈاکٹر: اتنی ساری Precautions کے باوجود کبھی کبھی مریض کو Infection ہو جاتا ہے اور آپریشن کامیاب ہونے کے باوجود مریض کی جان چلی جاتی ہے۔

جمی: اچھا جی؟

ڈاکٹر: تم نے ٹھیک جواب لکھا ہوگا۔ میں جانتا ہوں لیکن یہ جو تم نے Spellings والی Precaution نہیں لی ناں۔ اس سے Infection ہوا پرچے کو۔ Do you understand?

جمی: جی بھیا جی!

ڈاکٹر: میں تمہیں نصیحت نہیں کر رہا۔ بس دوستوں کی طرح بات کر رہا ہوں کہ ہر کام میں بھائی میرے ہر ممکن Precaution لینی چاہیے and never mind failure موت، ناکامی، برے حالات۔ یہ بھی زندگی کا اتنا ہی حصہ ہیں جتنا خوشی، کامیابی، راحت، آسائش (کندھے پر ہاتھ رکھ کر) کچھ Spellings

یاد رکھنا میں Dictations لکھواؤں گا، تمہیں شام کو اچھا؟

جی: اچھا جی۔

ڈاکٹر: Shake hand۔

جی: (ہاتھ نرمی سے بڑھا کر ملاتا ہے)

ڈاکٹر: (سختی کے ساتھ) Like a man

(جی مسکرا کر بھائی کی طرف دیکھتا ہے۔ بھائی بیگ اٹھا کر جاتا ہے۔ ابا جی آتے ہیں)

ابا: چلا گیا؟ کس کو پروا ہے اس گھر میں کسی کی۔ نکالو کاپی، میں پڑھاؤں گا بچو جی تمہیں۔ ہمارے گھرانے میں دینیات میں فیل ہو جائے بچہ (کتاب کھول کر) بتاؤ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کیا تھیں؟

جی: (جلدی سے رٹے ہوئے انداز میں) صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے قریش اور مسلمانوں میں پورے دس سال تک کوئی جنگ نہ ہوگی۔ اگر کوئی قبیلہ مسلمانوں کا دوست بن جائے گا تو قریش کو اعتراض نہ ہوگا۔

ابا: آہستہ آہستہ۔ اس طرح جواب دیتے ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ حدیبیہ کہاں ہے؟

جی: مجھے پتہ نہیں جی، آپ بتا دیجیے ابا جی۔ (باپ گھبرا کر اٹھتا ہے اور فون کرتا ہے)

ابا: ہیلو...... عبدالصمد۔ جی ربانی صاحب حضور، میں عبدالصمد۔ جی بیٹے کو پڑھا رہا ہوں۔ نالائق فیل ہو گیا ہے دینیات میں۔ جی کیا کریں ہر قسم کا پاپڑ بیلنا پڑتا ہے ان کے لیے۔ جی جی حکم۔ ہاں ہاں...... جی...... جی۔ بروشر پر سامنے میری تصویر ہوگی۔ ٹھیک ہے کئی برس ہو گئے۔ تصویر کھنچوائے ہوئے، ہرگز نہیں۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں تصویر...... شرمندہ کرتے ہیں آپ۔

(اس وقت جب باپ فون کر رہا تھا جی طوطے کو مونگ پھلی چھیل کر کھلانے میں مصروف تھا)

ٹھیک ہے [illegible] یاد آ گیا۔ (آواز دیتے ہوئے) تابش۔ تابش...... بیگم۔

تابش: (اندر سے) آئی جی۔

ابا: بتاؤ۔ صلح نامہ حدیبیہ۔

جی: یہ ہجرت کے چھٹے سال کا ذکر ہے جس وقت رسول اللہ کچھ ساتھیوں کو لے کر مکہ حج کرنے کے لیے چلے تو (امی آتی ہے۔ اس نے سر پر کرلر لگا رکھے ہیں اور اس وقت منہ پر کولڈ کریم لگا رہی ہے)

تابش: آپ ذرا مجھے اطمینان سے کچھ کام تو کر لینے دیا کریں۔

ابا: میری تصویر لا دیجیے جلدی سے۔

تابش: کونسی تصویر؟

ابا: وہی بابا میرے کالج کے کانووکیشن کی۔

تابش: وہ۔ اس کی تو شاید ساری کاپیاں ختم ہو گئی تھیں۔

ابا: بیس کاپیاں بنوائی تھیں۔ آخر سب کی سب کہاں گئیں؟

تابش: ہر اخبار رسالے میں آخر وہی تصویر جاتی ہے۔

ابا: خدا کے لیے کوئی کاپی ڈھونڈو ربانی صاحب بروشر چھپوا رہے ہیں۔ سرورق پر Speakers میں سے میری تصویر ہوگی۔

تابش: لبنا نے شاید ایک تصویر اپنے فریم میں لگائی تو تھی دیکھتی ہوں۔

ابا: تلاش کرو، بابا تلاش کرو۔ لوگوں کو پتہ نہیں کیا کیا عشق ہوتے ہیں۔ کوئی مچھلیاں پکڑتا ہے۔ کوئی گالف کھیلتا ہے، ہم نے تو ساری زندگی اس گھر کو سنوارنے کے لیے وقف کر دی۔ تم کو کس نے کہا تھا بیٹھے رہو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر۔

جی: میں تو جی فتح مکہ پڑھ رہا ہوں ابا جی۔

ابا: اچھا دینیات بند کرو۔ یہ تو تم خود بھی پڑھ سکتے ہو۔ کھولو سوشل سٹڈیز کی کتاب (جی کتاب کھول کر باپ کو دیتا ہے)

ابا: قرارداد پاکستان کس سن میں کہاں پاس ہوئی؟

جی: جہاں اب یادگار پاکستان تعمیر کی جا رہی ہے۔ یہاں 1940ء میں قرارداد پاکستان کی تجویز پیش کی گئی اور قائداعظم نے کہا۔

ابا: سن چالیس میں نہیں، یہ سن 35ء کا واقعہ ہے۔ میں خود گیا تھا اس جلسے میں۔

جمی: ابا جی آپ کتاب کھول کر دیکھ لیں، اس میں 40ء لکھا ہے جی۔

ابا: آتا جاتا کچھ نہیں اور مجھے سکھانے چلے ہو۔ (کتاب کھول کر دیکھتا ہے) چلو اچھا 40ء ہی سہی۔ تاریخ سے کونسا فرق پڑتا ہے۔ Date is not important

(تابش تصویر لے کر آتی ہے)

تابش: ہائے کتنے Slim تھے آپ تب۔

ابا: (پیٹ کو ہاتھ لگا کر) بس ذرا یہاں گوشت چڑھ گیا ہے باقی تو میری Measurements وہی ہیں۔

تابش: صحیح۔ یہ تو Sedentary Habits کی وجہ سے ہے۔ ذرا آپ تھوڑی سی Excercise کرنے لگیں تو یہ پیٹ بھی نہ رہے۔

ابا: دیکھو تابش تمہارا صاحبزادہ فیل ہو گیا ہے تین Subjects میں۔

تابش: یہ ہمیشہ فیل ہو جاتا ہے سہ ماہی امتحان میں۔ شریر کہیں کا۔

ابا: تمہارے بڑے بیٹے عبداللہ کا خیال ہے کہ اس کے فیل ہونے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے یعنی اس نے صاف تو نہیں کہا لیکن Reading between lines یہی مطلب نکلتا تھا اس کا۔

تابش: عبداللہ تو جب سے ڈاکٹر بن گیا ہے، عجیب عجیب باتیں کرنے لگا ہے۔ (جمی منہ اٹھا کر دیکھتا ہے)

ابا: تمہیں ہماری باتوں سے غرض۔ پڑھو آرام سے یادگار پاکستان۔

تابش: پرسوں مجھے کہنے لگا امی جی آپ سارے گھرانے کو Neglect کرتی ہیں اور صرف اپنی ذات کو سنوارتی رہتی ہیں۔ .This is not fair گدھے کو میں کیا سمجھاتی کہ دوسرے آفیسر کی بیویاں کیا کچھ کرتی ہیں۔

ابا: اچھا، اچھا، میری بات سنو۔

تابش: کبھی کوئی میری بات بھی دلچسپی سے سن لیا کریں۔

ابا: شام کو ضرور سنوں گا ساری باتیں مع Detail کے۔ اب میں یہ تصویر دینے جا رہا

ہوں ربانی صاحب کو..... اور تابش

تابش: (Sing Song انداز میں) جی!

ابا: تم ذرا اسے بیٹھ کر پڑھاؤ۔ خدا قسم میں تمہاری طرح بی اے ہوتا تو میرا بیٹا یوں فیل نہ ہوتا تین مضمونوں میں۔ دراصل تمہارے خاندان کو (ابا جاتا ہے) شوق ہی نہیں پڑھائی کا۔ He's gone after your family (چلا جاتا ہے)

(جمی جو بیٹھا ہوا توجہ سے پڑھ رہا ہے، اس کے سر پر تھپڑ مارتی ہے)

تابش: تیری خاطر کتنی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ آرام سے بیٹھ کر پڑھا نہیں جاتا تجھ سے۔

جمی: میں پڑھ رہا ہوں امی جی!

تابش: کیا پڑھ رہے ہو بھلا؟

جمی: مضمون لکھ رہا ہوں جی۔

تابش: آسان کام ڈھونڈ لیا کرو۔ بند کرو یہ انگریزی کی کتاب۔ مضمون نگاری۔ ہم تمہیں سائنس کی تعلیم دلوا رہے ہیں اور تم افسانہ نویس بنتے جا رہے ہو۔ کیا کیا Home work ملا ہے تمہیں؟

جمی: سائنس کا کام ملا ہے امی جی۔ Notes on Periscope۔

تابش: سائنس تو خیر میں نے کبھی پڑھی ہی نہیں۔ لبنا۔ لبنا..... وہ پڑھائے گی تمہیں۔

(لبنا آتی ہے)

تابش: کیا کر رہی ہو؟

لبنا: اپنا کمرہ صاف کر رہی ہوں امی جی۔

تابش: چھٹی کے دن بھی۔ خدا نے تمہیں توفیق نہیں دی کہ اپنے بھائی کو پڑھا سکو۔

لبنا: یہ ہم سے نہیں پڑھتا امی جی۔

جمی: کب نہیں پڑھتا باجی؟

تابش: اچھا اچھا بڑی بہن کے آگے مت بولو۔

جمی: اچھا جی۔

لبنا: امی جی اسے شوق ہی نہیں پڑھائی کا۔

ہو گئے ہیں۔ ... بہت ناراض ہو گئے ہیں۔

تابش: تمہارے ابا جی ابھی بہت ناراض ہو کر گئے ہیں۔

لبنا: چ چ۔

تابش: چ۔

لبنا: Very sad

تابش: اے سائنس کا کام کرواؤ۔ میں ذرا یہ کریم صاف کر آؤں ٹیشو پیپر سے۔

لبنا: کھول کاپی۔

(جمی کاپی کھولتا ہے)

لبنا: یہ سائنس کی کاپی ہے۔ یہ لکیروں والی آٹھ آنے کی؟

جمی: وہ ختم ہو گئی تھی جی پرانی کاپی۔

لبنا: تو جا اندر سے نئی کاپی لا شازی سے۔

جمی: شازی آپا کہتی ہیں جی جب تک پچھلی کاپی نہیں لاؤ گے، میں نئی کاپی نہیں دوں گی سٹور سے نکال کر۔

لبنا: بلا شازی کو، جا۔

جمی: باجی پچھلی کاپی گم ہو گئی تھی سکول میں۔

لبنا: ہر چیز گم ہو جاتی ہے تیری سکول میں، ایک دن اپنے آپ کو بھی گم کر آنا۔

جمی: میرے دوست زاہد نے لی تھی باجی نوٹس کاپی کرنے کے لیے پھر دوسرے دن جی وہ گیم پیریڈ میں لے گیا کاپی اور وہاں گھاس پر سے کسی نے اٹھا لی۔

لبنا: اچھا اچھا گھاس پرے۔ جا شازی کو بلا۔

جمی: اچھا باجی۔

(جمی جاتا ہے۔ لبنا کھڑکی کی سل پر بیٹھ کر سامنے والے گھر کو دوربین سے دیکھتی ہے۔ اس وقت شازی چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر لے کر آتی ہے۔ اس پر اس وقت تیز دھن بج رہی ہے)

شازی: یس باجی۔

لبنا: شازی۔

شازی: جی باجی۔

لبنا: شاید نئے کرائے دار آ گئے ہیں سامنے والے گھر میں۔

(شازی ٹیپ بند کرتی ہے)

شازی: ہائے سچ؟

لبنا: ٹرک کھڑا ہے پورچ میں۔

شازی: مجھے دکھائیے باجی۔

لبنا: ایک سرخ رنگ کی کار آئی ہے اندر Two door sports car ہے شازی۔

شازی: خدا کے لیے باجی پلیز دوربین دیجیے ایک منٹ کے لیے۔

لبنا: تم پہلے جا کر جمی کے لیے ایک کاپی لاؤ سائنس کی۔ جلدی۔

شازی: باجی ہر ہفتے سائنس کی کاپی گم کرتا ہے اپنی۔ امی نے منع کیا ہے۔

لبنا: ہائے ہائے بڑی پیاری لڑکی نکلی ہے کار سے۔ کاسنی رنگ کی ساڑھی اور سیاہ بلاؤز پہنی ہوئی ہے۔ ہائے یہ تو Married نہیں ہو سکتی لیکن بچہ اٹھائے ہوئے ہے۔ بڑا پیارا بچہ ہے شازی۔

شازی: ذرا دکھائیے ایک منٹ کے لیے۔

لبنا: تم سے جو کہا ہے کہ کاپی لاؤ سائنس کی۔

شازی: اچھا باجی (جاتی ہے)

(اس وقت جمی اندر آتا ہے۔ باجی کو مصروف پا کر وہ طوطے کے پاس بیٹھ کر اسے مونگ پھلی چھیل کر کھلاتا ہے اور کہتا ہے)

جمی: راجا۔ خدا کی قسم جب میں بھیا کی طرح ڈاکٹر بن گیا ناں تو تجھے سونے کا پنجرہ بنوا دوں گا لیکن نہیں تو پنجرے میں نہیں رہے گا۔ میں تجھے باز کی طرح ہاتھ پر بٹھاؤں گا۔ یوں......

(شازی کاپی لے کر آتی ہے)

شازی: یہ پڑھائی ہو رہی ہے جمی۔ سارا دن اس Make Beleif میں کتا ہے تیرا۔ خاک پڑھے گا یہ۔

لبنا: کاپی دے دو اسے۔

شازی: لیجیے سرکار اور کل کھو دینا اسے پہلی پریڈ میں۔
(شازی پاس جاتی ہے)

لبنا: شازی۔ ادھر آنا ذرا۔

لبنا: ایک نوجوان اترا ہے راک ہڈسن جیسا فرنٹ سیٹ کی طرف سے۔ کہیں یہ اس لڑکی کا شوہر نہ ہو لیکن یہ شوہر تو نہیں لگتا اس کا۔

شازی: ایک منٹ کے لیے باجی مجھے بھی دیجیے دوربین۔

لبنا: تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ جمی کو سائنس کا کام کروا دو۔ میں تمہیں جیومیٹری پڑھایا کرتی تھی ناں۔

شازی: باجی میں سائنس میں کمزور تھی۔

لبنا: تم صرف کام چور ہو، کمزور نہیں ہو۔ چہرے پر Goggles ہیں ہائے...... اسے کیوں پکڑوا دیا ایجی۔ کئی لوگ بالکل بے وقوف ہوتے ہیں۔ دیکھ ذرا شازی بالکل راک ہڈسن۔ بالکل...... اتنا ہی قد۔

شازی: میں تو جمی کو پڑھا رہی ہوں۔ آپ دیکھیں۔

لبنا: ذرا یہاں آنا۔

لبنا: شکر ہے آپ کی دوربین کام آ گئی بالآخر۔

لبنا: ذرا دیکھو تو سہی آ کر۔ (شازی پاس جاتی ہے اور لبنا اسے دوربین دیتی ہے) ادھر نہیں بھئی۔ گیٹ کی طرف املتاش کے درخت کے پاس کھڑی ہے گاڑی۔

شازی: یہاں تو ایک ریڑھا کھڑا ہے باجی۔ اوپر حمام ہے پیتل کا اور نیچے چارپائیاں اور خدا جانے کیا کاٹھ گودام۔

لبنا: کہاں دیکھ رہی ہو بدھو، سرخ کار ہے Sports۔

شازی: کوئی کار وار نہیں سارے Drive Way پر۔

لبنا: مجھے دکھاؤ دوربین، تمہیں نہیں دکھی آئی۔ (دوربین شازی سے لیتی ہے۔ اس دوران جمی سائنس کی کاپی کھول کر رف ورک اور پنسل کو دیکھتا جاتا ہے)

لبنا: ہائے کار کہاں گئی؟ نہ میں تمہیں دوربین دیتی اور نہ کار نظروں سے اوجھل ہوتی۔ (کھڑی ہو کر) شازی میں ذرا کوٹھے پر چلی ہوں تم جمی کو Periscope پر نوٹس لکھواؤ اور دیکھو جمی پہلے Diagram بنانا جیسا کہ اصول ہے۔ (جلدی سے جاتی ہے)

شازی: جیسا کہ باجی کا اصول ہے ان کے سارے ادھورے کام مجھ کو کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ایک اور سہی باجی کے اتارے ہوئے کپڑے میں تہہ کروں، ان کی کھولی ہوئی کریم کا ڈھکنا میں لگاؤں۔ جو بوٹی انہیں ناپسند ہو، میں کھاؤں۔ جو قمیض انہیں فٹ نہ آئے، میں پہنوں۔ کیا دیکھ رہے ہو میری شکل۔ کھولو کاپی۔ بناؤ Diagram۔

جمی: مجھے مضمون لکھوا دیجیے باجی۔ ''ہمارا گھر'' عنوان ہے۔

شازی: ہمارے گھر میں کیا پڑا ہے کہ اس پر مضمون لکھتے پھریں۔ لکھ دو سب اکٹھے رہتے ہیں مجبوری کے تحت۔

جمی: اچھا جی۔

(اب شازی اپنا ٹیپ ریکارڈ لگا لیتی ہے۔ اس پر وہ گیت آنے لگتا ہے جو آج کل مشہور ہو اور لڑکیوں کو پسند ہو۔)

شازی: واہ...... ذرا کاپی پنسل دینا مجھے۔ (جمی اپنا بستہ کھولتا ہے)

شازی: اتنی دیر میں تو گیت ختم ہو جائے گا۔ پکڑا مجھے۔ (وہی کاپی جس پر جمی نقشہ بنا رہا ہے، اس کے سامنے سے کھینچ لیتی ہے اور اس کی پنسل لے کر گیت لکھنے لگتی ہے۔ ایک بند اسی طرح نکل جاتا ہے)

جمی: خدا کے لیے باجی۔ یہ ریڈیو کہیں لے جایئے، میں پڑھ رہا ہوں بدقسمتی سے۔

شازی: مت بولو اونچی۔ (گیت کے بول دہراتی ہے)

جمی: (پاس آ کر ریڈیو بند کرتا ہے۔) آپ کہیں اور جا کر ٹیپ سنیں۔

شازی: میں سارا دن ریڈیو سنتی ہوں کوئی۔ ذرا میری پسند کا گانا تھا، اس کے بعد تو پڑھ لینا مجھ سے۔

جمی: آپ کسی اور جگہ جا کر اپنی پسند کا گانا سنیں کیونکہ ہر گانا آپ کی پسند کا گانا ہوتا ہے۔

شازی: بہت زبان کھل گئی ہے تیری۔

جمی: غسل خانے میں تو آپ ساتھ لے جاتی ہیں ٹیپ ریکارڈ۔

شازی: اچھا بچو، اب پوچھنا کبھی کوئی حساب کا سوال مجھ سے۔

جمی: نہ بھانا شازی آپا! آپ کے سوالوں پر ہمیشہ کانا ملتا ہے مجھے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوتا آپ کے پڑھانے کا۔

شازی: یہ صلہ ملتا ہے۔ بہن بھائیوں کی خدمت کر کے۔

جمی: میں تو کہہ رہا ہوں پلیز میری کاپی دیجیے اور کہیں اور جا کر اپنا ٹیپ سنیئے۔

(کاپی میں سے وہ کاغذ پھاڑتی ہے جس پر گانا لکھا تھا)

شازی: لو اپنی کاپی۔ اس کے بغیر میں مر نہ جاؤں گی۔ توبہ کیا نفسا نفسی کا زمانہ ہے۔ ہم تو اس کے لیے سٹور میں کاپیاں جمع رکھیں اور یہ ایک صفحہ نہیں دے سکتا۔

جمی: خدانخواستہ۔ سر مارتے ہیں شازی آپا صفحہ پھاڑنے پر۔

شازی: ابا جی واپس آلیں آفس سے۔ پھر دیکھنا کیسی چمڑی ادھیڑی جاتی ہے تیری۔

جمی: بھیا جی کو آلینے دیں۔ ساری بات بتاؤں گا آپ کی۔

شازی: (ریڈیو لگاتی ہے) (وہی گیت رواں ہوتا ہے۔ جاتے ہوئے) ہائے ہائے میں صدقے بتا دینا میں ڈرتی نہیں ہوں چھوٹے بھیا سے۔

(چلی جاتی ہے۔ اب جمی جیب سے مونگ پھلیاں نکال کر طوطے کو کھلاتا ہے۔ ساتھ ساتھ)

Abou Ben Adhem

(May his tribe increase)

Awoke one night from a deep dream of peace

and saw within the moon light in the room

making it rich and like a lily in bloom

an angel writing in a book of gold

(ہجے کرتا ہے)

i-n-c-r-e-a-se

bloom

A-n-g-e-l

(اس وقت ماں بالوں کو برش سے سنوارتی آتی ہے)

امی: کیا ہو رہا ہے جمی؟

جمی: (Angel کے ہجے کرتا ہے)

امی: جمی! تمہاری امی کچھ پوچھ رہی ہیں۔

جمی: جی امی۔

امی: تم کیا کر رہے تھے؟

جمی: جی میں Spellings یاد کر رہا ہوں امی جی۔

امی: جھوٹ مت بولو جمی۔

جمی: سچ امی جی۔ میں Angel کے ہجے کر رہا تھا۔

امی: جمی مجھے اس بات سے سخت نفرت ہے کہ میرے بچے مجھ سے کچھ چھپائیں تم بہت گھنے ہو، پتہ ہے۔

جمی: جی امی۔

امی: میں نے خود تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تم بیٹھے اس دو پیسے کے طوطے، اس کاٹھے احمق طوطے کو مونگ پھلی کھلا رہے تھے۔

جمی: وہ امی جی میں کھلا تو رہا تھا جی لیکن میں ......

امی: بس منہ بند کرو۔

جمی: امی جی سوری دے دیں۔

امی: میں نے بہت برداشت کیا۔ اس تمہارے طوطے کو بادام کھلائے، چوریاں بنا بنا کر کھلائیں کس لیے۔ تمہارے شوق کے لیے اب میں کچھ برداشت نہیں کروں گی۔ جب تک یہ اس گھر میں ہے، تم ہرگز نہیں پڑھو گے۔ اس آنکھیں پھرانے

والے کے دیوانے رہو گے اور بس۔

(پنجرہ اٹھاتی ہے اور کھڑکی کی طرف جاتی ہے)

جمی: امی جی خدا کے لیے۔ امی جی میں آپ کے پاؤں پکڑتا ہوں۔ امی جی اس طوطے میں میری جان ہے۔

امی: (غصے سے) جان ہو چاہے جہان ہو۔ ابھی جب یہ پھر سے اڑ کر شاہ جی کی ممٹی پر جا بیٹھا تو پھر تو خود بخود پڑھنے لگے گا۔ (بچے کی حالت غیر ہو چکی ہے)

جمی: جو آپ کہیں گی امی جی، میں کروں گا۔ جو کچھ آپ کہیں گی، ہمیشہ امی جی...... میں سارا دن پڑھوں گا ساری رات...... (اس وقت گھنٹی بجتی ہے)

امی: کیا کچھ کام ملا ہے؟

جمی: مضمون جی۔

امی: کس پر؟

جمی: ہمارا گھر۔

امی: لکھو...... گھر کچھ دیواروں کا نام نہیں، یہ تو مل جل کر رہنے کا نام ہے۔ یہ تو ہمدردی محبت اور پیار کا نام ہے۔

(اس وقت بیگم بخاری اندر داخل ہوتی ہیں۔ یہ بڑے بھڑکیلے کپڑوں میں ملبوس ہیں اور زبردست قسم کا جوڑا کیے ہوئے ہیں)

بیگم: بیگم صمد۔ I am sorry کہ میں اس طرح بغیر اطلاع کے آ گئی ہوں۔ پر I am in a fix

امی: آئیے آئیے اور تم بیٹھ کر پڑھو آرام سے۔ (طوطے کا پنجرہ سل پر چھوڑ کر خوش خلقی کے ساتھ بیگم صاحب کے ساتھ صوفے پر بیٹھتی ہیں)

بیگم: مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا تھا۔

امی: [illegible]

بیگم: How sweet کتنے [illegible] رہا ہے۔ خدا قسم میرے بچوں کے تو دو دو ٹیوٹر آتے ہیں، ہو وہ بھی روتے ہوئے جاتے ہیں۔

امی: آپ کچھ پوچھنا چاہتی ہیں؟

بیگم: راشدہ ایک ساڑھی خرید لائی ہے بازار سے۔ اس کا کپڑا بالکل ناقص ہے۔ خدا قسم دس روپے گز کا Material بھی نہیں ہے۔ اب اس وقت وہ گھر پر نہیں ہے۔ آپ بتائیے میں وہ ساڑھی واپس کر آؤں۔ دکاندار میرا واقف ہے۔

امی: میں ایک منٹ میں آئی جی (جمی کے پاس جاتی ہے)

امی: بھاگ کر اندر جاؤ اور باجی سے کہو چائے لائے۔

جمی: میں مضمون لکھ رہا ہوں امی جی۔

امی: ہاں جس وقت مجھے کوئی کام ہو، اس وقت تو سارے گھر کو کام سوجھتا ہے۔

جمی: آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں جی۔

امی: نہ بابا پھر گھر والے کہیں گے کہ ماں نے ہی کبھی پڑھنے نہیں دیا جمی کو......

جمی: تھینک یو امی......

امی: بات یہ ہے بیگم بخاری کہ بچے کو پالنا بڑی آزمائش کا کام ہے۔ میں نے کبھی ان کی کسی Activity میں خلل نہیں ڈالا۔

بیگم: میں ڈرتی ہوں، راشدہ دراصل اپنی پسند کے سامنے کچھ Reason وغیرہ نہیں دیکھتی۔ جس بات کی دھن سما جائے، وہ کر کے رہتی ہے۔ اگر میں ساڑھی واپس کر آئی تو......

امی: کتنے روپے گز ہے ساڑھی؟

بیگم: تیس روپے گز لائی ہے۔

امی: میرا ہمیشہ اصول رہا ہے کہ جو کچھ بچوں کو پیارا ہے، مجھے پیارا ہے۔ اب دیکھ لیجیے میں جمی کے طوطے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔ بڑی Nuisance value ہے اس طوطے کی لیکن کیا کریں جی، اس کو پیارا ہے تو ہمیں بھی پیارا ہے۔

بیگم: Mrs. Samad. you are great great absolutly

(جمی طوطے کے پاس جاتا ہے۔ اب جمی واپس آتا ہے۔ وہ اور مشکو کلوز اپ میں ہیں اور ممی اور ہمسائی بیک گراؤنڈ میں رہتے ہیں)

یہاں مردانہ آواز میں سپر امپوز کیجیے

Mothers will darn, cook, sow

tend, watch, caress, kiss

cuddle and fet not understand

what the child really needs.

جی: (اپنی کاپی پر مضمون لکھتے ہوئے) ہمارا گھر۔ ہم تین بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ میں سب سے چھوٹا ہوں۔ سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ امی ابا بھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے کہ مجھے ان پر کبھی بھی پیار نہیں آتا۔ یہ میری بُری بات ہے۔ کبھی کبھی مجھے ان کے پیار پر اعتبار ہی نہیں آتا۔ امی کہتی ہیں کہ گھر دراصل دیواروں کا نام نہیں، گھر محبت، ہمدردی اور پیار کا نام ہے۔ ویسے اگر ہم صرف محبت کرتے ہیں تو بھی اتنا مزہ نہیں آئے گا۔ امی آگے کیا لکھوں جی۔ میرا تو ایک صفحہ بھی پورا نہیں ہوا۔

امی: (دور سے) جو مرضی ہے لکھ لو۔ کبھی یہ تو سوچ لیا کرو کہ مہمان آئے بیٹھے ہیں۔ میں گھر سنبھالوں کہ گھر پر جواب مضمون لکھواؤں۔ یہ کام تمہارے ابا جی کا ہے، ان ہی سے کرانا۔

-------O-------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 2

کردار

لبنا: افسانہ نویس

شازی: موسیقی کی عاشق

بڑے ابا: مولوی عبد الجبار

اختر: کیمرے کا دلدادہ بھائی

اللہ رکھی: نوکرانی

فرید: عمر چھبیس ستائیس برس۔ بہت خوبصورت

اور

شکیلہ: عمر بیس اکیس۔ کشمیری لڑکی

سین 1 صبح کا وقت ان ڈور (ٹیرس)

لبنا: (لبنا ٹیرس پر بیٹھی ہے۔ عقب میں "نجر لاگی مورے راجہ تورے بنگلے پر" کی دھن بجتی ہے۔ لبنا دوربین سے سامنے والے گھر کو دیکھتی ہے۔ پھر ڈائری میں شارٹ ہینڈ میں لکھتی ہے)

محبت کیا ہے

ہوا کا ایک ننھا سا جھونکا۔

اس جھونکے سے کئی بار پھول کی آنکھ کا آنسو گر پڑتا ہے اور کئی بار بند کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔

شازی: (دور سے) باجی!...... باجی جان امی کہہ رہی ہیں۔ اپنے اپنے کمروں کی صفائی کرو آکے۔

لبنا: (جنگلے تک جا کر) آ رہی ہوں جناب۔

لبنا: مجھے اس سورج اور بادل کی آنکھ مچولی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ (لکھتے ہوئے) جب سورج نکلتا ہے تو وہ باہر دھوپ میں آ بیٹھتا ہے۔ میں جانتی ہوں ابھی وہ باہر نکلے گا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھے گا۔ (لکھنا چھوڑ کر) میں جانتی ہوں وہ اپنی گاڑی ہمیشہ گیراج میں رکھتا ہے اور ایک ہاتھ سے گاڑی چلاتا ہے۔

اللہ رکھی: (نیچے سے) بی بی جی...... نیچے آیئے حساب لکھ لیجیے نیچے آکر۔

لبنا: عجیب گھر ہے ایک لمحے کے لیے کوئی نہیں چھوڑتا یہاں۔ آتی ہوں اللہ

رکھی آتی ہوں۔

(سامنے دوربین سے دیکھ کر ہائے اللہ وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہا ہے۔ بے تابی سے آگے ہو کر) ہائے اس کے پاس بھی دوربین ہے (یکدم پیٹھ موڑ کر) کتنی بری بات ہے۔ یہ نوجوان تانک جھانک کرتے پھرتے ہیں۔ توبہ! اس دوربین کی بچی نے تو اور بھی سہولت مہیا کر دی ہے انہیں۔

(اس وقت اختر گلے میں کیمرہ لٹکائے۔ "عشق عشق ہے" کی دھن گاتا ہوا آتا ہے۔ لبنا ٹھٹھک جاتی ہے)

اختر: (آ کر) ہو رہی ہیں افسانہ نویسیاں؟ لکھے جا رہے ہیں نفسیاتی افسانے؟

لبنا: آیئے آیئے آپ کی کسر تھی اس گھر میں تو انسان کی زندگی ایسے گذرتی ہے جیسے سینما سکرین پر سب کی نظریں جمی رہتی ہیں۔ تم پر۔ ذرا Privacy نہیں۔

اختر: جاری رکھیے، بندہ تو یہاں سے اپنے گیٹ کی تصویر کھینچنے آیا ہے۔

لبنا: گیٹ کی تصویر؟

اختر: نیچے سے میں نے فرنٹ ویو لے لیا ہے۔ ٹیرس سے Top Review لے لوں گا۔ (کیمرہ کو سامنے فوکس کر کے) واہ واہ کیا فریم بنی ہے...... کیا فریم بنی ہے۔ Come here باجی۔ سڑک کے پار والی کوٹھی بھی آ گئی ہے۔ ویو Finder میں واہ واہ Three dimension پیدا ہو گئی ہے ہماری لان میں۔

(لبنا پاس جاتی ہے اور کیمرے میں دیکھتی ہے)

اختر: ہلنا نہ پڑوسی جی۔ ہلنا نہ...... واہ واہ۔ کیا پوز بنایا ہے میاں بیوی نے۔ سبحان اللہ (تصویر کھینچتا ہے) پرائز فوٹو بن گئی ہے۔ ہمارے کیمرے کی داد دیں۔

لبنا: میاں بیوی؟

اختر: یہ سامنے کوٹھی میں جو نئے کرائے دار آئے ہیں۔ وہ سامنے برآمدے میں دیکھیے۔ کتنی محبت سے چائے کی پیالی دی ہے بیوی نے۔ واہ واہ۔ چائے پیجیے؟ کونسی جناب؟ کوئی سی بھی ہو۔ کوئی ہی تو ہے۔ (چائے کی پیالی پکڑنے کے انداز میں بہن سے مخاطب ہے)

لینا: یہ دونوں میاں بیوی ہیں؟

اختر: خدا کے لیے نفسیاتی افسانے لکھنے بند کیجیے اور دنیا میں آ جیے۔ ارد گرد کا جائزہ لیجیے۔ ایسا سمارٹ Couple تو ساری پنڈی میں نہیں ہوگا۔

لینا: (دکھ سے بیٹھ کر) آج رو رو کر دھوپ نکلتی ہے اور پھر سورج چھپ جاتا ہے بادلوں میں۔

اختر: (جاتے ہوئے) پیچھے چل کر لاؤنج میں بیٹھے ہیٹر کے آگے۔ کم از کم افسانے کے کردار ہی گرم ہوں گے۔ پنڈی کی سردی میں ٹھٹھرے نہ ہوں گے۔

لینا: تم کب Serious ہو گے اختر؟

اختر: کیوں بد دعائیں دیتی ہیں باجی؟

باجی: بد دعا؟

اختر: ایک ہی گھر میں دو سنجیدہ آدمی ہوں نا تو گھر کو پھپھوندی لگ جاتی ہے۔ (اشتہار کی طرح بولتا ہے) گھر گھر تازہ گلاب کی طرح مہکتا، کھانے میں خوش ذائقہ، دیکھنے میں خوش رنگ اور توانا مزے سے بھرپور گھر۔

باجی: تم کب بڑے ہو گے، کب Mature کرو گے؟

اختر: باجی دنیا نے بڑے ہو کر کیا لطف اٹھایا کہ آپ مجھے مشورہ دے رہی ہیں۔ یہ غلط قسم کا۔

باجی: جاؤ اختر کام کرو اپنا۔

اختر: ایک لطیفہ سناؤں آپ کو لیکن خیر جانے دیجیے۔ اول تو لطیفہ سننے کے درمیان آپ کچھ اور سوچیں گی اور بالفرض آپ نے سن بھی لیا تو آپ کو ہنسی نہیں آئے گی اور بالفرض محال ہنسی بھی آ جائے، میری خوش قسمتی سے تو آپ ضرور کہیں گی کہ یہ لطیفہ آپ نے پہلے بھی سنا ہوا ہے۔ خدا حافظ

باجی: خدا حافظ۔

اختر: (جاتے جاتے مڑتے ہوئے) نفسیاتی الجھنوں کی کہانیاں باجی آج کل آؤٹ آف فیشن ہیں۔ کچھ Oppression or Violence قسم کی چیزیں لکھا کریں۔

علم لائیں افسانوں میں مشہور ہو جائیں۔ یوں یوں (جھنجھلاہٹ میں جاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ باجی ڈائری اٹھاتی اور لکھتی ہے۔)

لینا: اب اگر اس نے دوربین لگا کر دیکھا بھی تو کیا فائدہ؟ کم... اسے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اتنی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوئے۔ (اپنی دوربین کو لمبی سانس لے کر کوٹ کی جیب میں رکھتی ہے) میں بھی کتنی بدنصیب ہوں۔ مجھے ہمیشہ وہ چیز پسند آتی ہے جو میری نہیں ہو سکتی۔

(اس وقت شازی کچھ گرم کپڑے لے کر کوٹھے پر آتی ہے)

شازی: باجی خدا کے لیے اپنا کمرہ صاف کر لیجیے، امی ناراض ہو رہی ہیں۔

لینا: ابھی آتی ہوں شازی۔ بس دو پیرے گراف رہ گئے ہیں۔

شازی: باجی آپ ایک اردو ٹائپ رائٹر خرید لیں۔ کھٹا کھٹ افسانہ لکھا جائے گا۔

لینا: شارٹ ہینڈ جو سیکھ لی ہے میں نے۔

شازی: (چادر جنگلے پر ڈال کر) امی کی بھی عجیب عادت ہے، کوئی بات دماغ میں سما جائے۔ ابھی کرو...... ابھی...... فوراً۔ یہ دو۔

لینا: (سر جھکا کر) میرا ابھی یہی کچھ جی چاہتا ہے ابھی...... ابھی فوراً۔

شازی: اسی وقت دھوپ میں ڈالو...... (آسمان کی طرف دیکھ کر) ابھی بارش نہ آ گئی تو مجھے کہنا (کوٹ جنگلے پر ڈالتی ہے) میں بھی نہیں اتارنے آؤں گی۔ سب بھیگ جائیں شوق سے بارش میں۔

لینا: کون جانے شازی سورج ہی نکل آئے۔

شازی: بادل دیکھ رہی ہیں آپ، یہ نکلنے دیں گے سورج کو۔

لینا: تھوڑی دیر پہلے تو دھوپ بڑی نکلی ہوئی تھی شازی۔

شازی: امی کی طرح Optimistic نہ ہوں آپ، آج بارش ضرور ہوگی۔ اس سورج کا اعتبار نہیں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ پنڈی والے اس کی کتنی قدر کرتے ہیں، اسی لیے سورج صاحب کا بڑا دماغ ہو گیا ہے۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر سورج سے مخاطب ہو کر) Show, Show, Show

لبنا: اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے بغیر پنڈی والوں کو کتنی ٹھنڈ لگتی ہے تو وہ کبھی بھی بادلوں میں نہ چھپے۔

(شازی اسی جملے کے دوران لبنا کا کوٹ دھوپ میں ڈالنے کے بجائے خود پہن لیتی ہے۔)

شازی: یہ بات آپ نہ کریں باجی...... آج کل جب کسی کو علم ہو جاتا ہے کہ اس کی کتنی ضرورت ہے تو وہ اپنا Pricetag اتار کر نیا Pricetag لگا لیتا ہے۔ دو روپے پچاس پیسے کی چیز راتوں رات بائیس روپے پچاس پیسے کی ہو جاتی ہے۔ یہ آپ کا کوٹ لے لوں باجی؟

لبنا: پچھلے سال میں پہنتی رہی ہوں ذرا Out of vogue ہیں اس کے کالر۔

شازی: (جیب میں ہاتھ ڈال کر) باجی ہمیں سامنے والی کوٹھی میں جانا چاہیے تھا۔

لبنا: (گھبرا کر) کیوں؟

شازی: Courtesy کے طور پر۔ نئے نئے...... آئے ہیں لاہور سے۔

لبنا: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

شازی: لاہور سے آنے والوں کی چال ڈھال، تراش خراش، لباس شباس سے پتہ چل جاتا ہے۔ تھینک یو باجی بڑا گرم کوٹ ہے۔

لبنا: لاہور والے ذرا روکھے پھیکے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔ کسی کی پروا نہیں ہوتی انہیں۔

شازی: ہم Call کرنے جاتے تو وہ لوگ بھی آتے۔ آخر وہ ہمارے شہر آئے ہیں۔ ہمیں پروا کرنی چاہیے ان کی۔

لبنا: ٹھنڈی ہوا چلنے لگی ہے۔

شازی: نیچے چل کر بیٹھیں باجی ہیٹر کے سامنے۔ (جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تصویر نکالتی ہے۔) ہائے۔ مجو بھائی کی تصویر باجی۔

لبنا: (ہاتھ بڑھا کر) مجھے دے دو۔

شازی: (تصویر غور سے دیکھ کر) ہائے کتنی شکل ملتی ہے اس کی سامنے والے بھائی سے۔

ہے نا باجی؟

لبنا: (آہستہ سے) سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

شازی: (تصویر دے کر) باجی۔ آئی ایم سوری آپ کا بڑا پرسنل سا Matter ہے لیکن میرا خیال تھا کہ مجو بھائی آپ سے شادی...... یعنی اگر آپ مجھ سے یہ بات نہ ڈسکس کرنا چاہیں تو نیور مائنڈ۔

لبنا: میرا بھی یہی خیال تھا شازی۔

شازی: کراچی جا کر ایسے مگن ہوئے، ایسے مگن ہوئے......

لبنا: کہ میری جیب میں ان کی صرف فوٹو رہ گئی۔

شازی: میں آپ کو بتاؤں باجی۔ سارا قصور ہمارا ہے۔ ہم عورتوں کا لڑکیوں کا۔

لبنا: ہمارا قصور ہے؟ ہمارا؟

شازی: زیادہ لاڈ پیار کا احساس نہیں دلانا چاہیے۔ (تصویر کی طرف اشارہ کر کے) ان الو کے پٹھوں کو۔ ایویں!

لبنا: یہ کوئی اپنے بس کی بات تھوڑی ہوتی ہے۔ بھونرے کی گونج تو پھول کو کوسوں سے سنائی دے جاتی ہے۔

شازی: افسانہ شروع۔ آپ لکھیے، میں چلتی ہوں۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) دیکھیے۔ سورج زور مار رہا ہے لیکن بادل نکلنے بھی دیں اسے۔

لبنا: بادل ہوتے ہی زبردست ہیں۔

شازی: باجی! جس طرح یہ سامنے والی خاتون رہتی ہے، میں تو سمجھتی ہوں اس طرح ہونا چاہیے ہر بیوی کو، ہر محبوبہ کو۔

لبنا: (دلچسپی سے) کیسے کیسے؟

شازی: خدا قسم ایک آواز دیتی ہے، میاں صاحب بھاگتے آتے ہیں کار کا دروازہ کھولنے۔

لبنا: خوش نصیب ہے۔

شازی: ہر عورت ہو سکتی ہے۔ اگر وہ اپنے جوڑے کی پنیں درست کرنے کے بجائے اپنی

عقل کی چولیں درست کرتی رہے۔
لبنا: عقل کی چول تک ہاتھ نہیں پہنچتا ناں جان من۔
شازی: (جاتے ہوئے) خدا کے لیے جلدی اتریں۔ امی ابھی فورا کمرے ٹھیک کروانا چاہ رہی ہیں۔ (شازی جاتی ہے)
لبنا: (مجو کی تصویر دیکھ کر) منظور صاحب۔ (خط پڑھنے کے انداز میں) کاش مجھے آپ کا ایڈریس معلوم ہوتا تو میں آپ کو ایک لمبا سا خط لکھتی۔ آپ تو خواب کی طرح آئے، سردیوں کی دھوپ کی طرح چلے گئے۔ کراچی بھی کیسا شہر ہے؟ ایسی نم ہوائیں چلتی ہیں، فولاد میں زنگ لگ جاتا ہے وہاں تو...... آپ تو پھر معمولی گوشت پوست کے انسان تھے۔ (ہنس کر) چلیے کسی کو بھول جانا کچھ ایسا بڑا گناہ تو نہیں۔ یہ تو ہم لکھنے والوں نے اسے گناہ کی شکل دے رکھی ہے خوامخواہ۔ (دوربین سے سامنے دیکھ کر) شادی شدہ ہونا کچھ اتنی بڑی ٹریجڈی تو نہیں لبنا عبدالصمد۔ پر کیا کیجیے کبھی کبھی شادی سے جنازے کی سی خوشبو آنے لگتی ہے ہم افسانہ نویسوں کو۔
(پلاسٹک کا بیگ جس میں سودا سلف ہے۔ اسے اٹھائے اللہ رکھی آتی ہے۔)
رکھی: بی بی نیچے بیٹھنے کو جگہ نہیں کہ یہاں آ بیٹھی ہو سب سے الگ تھلگ۔
لبنا: یہاں دھوپ بڑی اچھی لگتی ہے۔
رکھی: خاک دھوپ ہے۔ آج تو بادل بار بار چھپا لیتے ہیں سورج کو۔ اچھا بی بی حساب لکھو جلدی۔
لبنا: امی کو لکھوا دو، میں افسانہ لکھ رہی ہوں۔
رکھی: وہ بیگم جعفری کے پاس گئی ہیں اپنی ایک پرانی تصویر دکھانے۔
لبنا: شازی سے کہو۔
رکھی: شازی بی بی سے کہا تھا، وہ کہتی ہیں میں الماریاں صاف کر رہی ہوں۔
لبنا: اچھا لکھا بابا۔
رکھی: یہ صابن کی دو ٹکیاں سوا دو روپے کی۔ یہ دھاگہ بارہ آنے کے اور یہ لاسٹک پانچ

گز۔ میں نے اسے دس کا نوٹ دیا تھا اور اس نے لوٹائے تھے سات روپے اور بیاسی پیسے اور کیا آیا ہے؟ (سامنے سوچ کے انداز میں دیکھتی ہے) یہ جو سامنے صاحب آیا ہے ناں، یہ ریلوے کے محکمے میں بڑا افسر ہے۔
لبنا: (انجان بن کر) کس کوٹھی میں؟
رکھی: یہ سامنے والی سفیدوں والی کوٹھی میں۔
لبنا: اچھا کرائے پر چڑھ گئی کوٹھی بالآخر۔
رکھی: آج کی؟ اسے تو ہفتہ ہو گیا۔ بی بی جی خدا قسم میں نے تو آپ جیسی غافل لڑکی نہیں دیکھی۔ کوئی کچھ پتہ ہی نہیں، ارد گرد کیا ہو رہا ہے؟ کون مر رہا ہے۔ کون جی رہا ہے۔ بس ان افسانوں میں گم رہتی ہیں آپ تو۔
لبنا: مرنے جینے کا تو سب علم ہوتا ہے رکھی۔ ہاں یہ پتہ نہیں چلتا کہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے اچانک۔
رکھی: ویسے صاحب ہے کھرا آدمی۔ کل میں کوٹھی کے آگے سے گذری تو سگریٹ پھینک دیا ہاتھ سے اور بولا۔ ”سلام اماں“
لبنا: ڈرپوک آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں رکھی۔ راہ چلتوں کو سلام کرتے ہیں۔
رکھی: ناں ناں ناں بی بی۔ اس کی شکل والے ڈرپوک نہیں ہوا کرتے۔ اس کی ماں نے اچھی تربیت کی ہے۔ سلام کرتا ہے پہلے۔
لبنا: یہ تو نے کیسے اندازہ لگایا؟
رکھی: ہم ایک نظر میں اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آدمی اچھا ہے کہ برا ہے؟
لبنا: اور بیوی کیسی ہے اس کی؟
رکھی: بیوی؟ ایسی خوبصورت ایسی پیاری۔ کیا جوڑی سجی ہے۔ بی بی آنکھیں تو ایسی ہیں، ایسی ہیں جیسے ڈھاکے کے دریا میں چلنے والی ہلکی پھلکی ناؤ۔
لبنا: (آہ بھر کر) تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ بیوی ہے تیرے اچھے صاحب کی؟
رکھی: تو میں اتنا بھی نہیں جانتی لبنا باجی۔ جو بیوی ہوتی ہے، وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتی ہے کار میں ہمیشہ۔ (اس وقت بڑے ابا پرائز بانڈز کی چھپی ہوئی فہرست ہاتھ میں

لے کر آتے ہیں)

بڑے ابا: بی بی میں تمہیں نیچے تلاش کر رہا تھا۔

لبنا: کیوں بڑے ابا؟

بڑے ابا: میری عینک کہیں کھو گئی ہے۔

لبنا: میں ابھی تلاش کر دوں گی۔

بڑے ابا: یہ پرائز بانڈز کی فہرست چھپی ہے۔ میں اس کے نمبر پڑھنا چاہتا تھا لیکن وہ عینک ہی نہیں ملی۔

رنگی: باجی جی۔ یاد آیا۔ شازی باجی کے سر دھونے والا گیلا صابن بھی لائی تھی پانچ روپے کا۔

لبنا: اچھا شیمپو.......

بڑے ابا: یہ نمبر تو پڑھ دو ذرا لبنا۔

لبنا: (رنگی سے) تم نیچے چلو رنگی، باقی حساب میں ابھی آ کر کرتی ہوں۔

رنگی: اور اگر مجھے سودا بھول گیا اور پیسے کم ہو گئے تو......؟

لبنا: تو جتنے پیسے کم ہوئے ہیں بھر دوں گی۔ (رنگی پلاسٹک کا شاپر لے کر چلی جاتی ہے)

بڑے ابا: لبنا بی بی ماشاءاللہ تم کو خدا نے بہت عقل دی ہے، لیکن ایک نصیحت میری یاد رکھو۔ جو آدمی پیسے کی قدر نہیں کرتا، روپے کی وقعت نہیں جانتا۔ چاہے لاکھوں ڈالر اس کی جیب میں آئیں۔ اس کی جیب میں سوراخ رہتا ہے ہمیشہ۔

لبنا: ٹھیک کہتے ہیں آپ بڑے ابا۔

بڑے ابا: تم کو کیا پڑی ہے کہ رنگی کے پیسے بھرتی پھرو۔ یہ تنخواہ کٹوائے اپنی......

لبنا: اچھا جی۔

بڑے ابا: یہ نمبر تو پڑھ دو مجھے۔

لبنا: سارے نمبر بڑے ابا؟

بڑے ابا: میری عینک مل جاتی تو میں خود پڑھ لیتا لیکن پتہ نہیں وہ گئی کہاں۔ وضو کیا ہے صبح

اور بعد میں نہیں ملی۔

لبنا: (لسٹ ہاتھ میں لے کر کسی پرائز بانڈز کی سیریز میں سے کسی گروپ میں سے پانچ چھ نمبر پڑھتی ہے)

ابا: ہائے ہائے ذرا قسمت مات کھا گئی میرا نمبر A50007 اور نمبر نکل آیا 50006۔

لبنا: بڑے ابا آپ کو اپنے بانڈز کے تمام نمبر یاد ہیں زبانی؟

ابا: کیوں اس میں اتنی عجیب بات کیا ہے؟ یہ تو بیٹی دلچسپی کی بات ہے۔ جدھر دل لگاؤ لگ جاتا ہے۔

لبنا: کئی بار ایسے ہوتا ہے بڑے ابا کہ انسان دھیان نہیں دینا چاہتا اور دل اُدھر ہی کو جھکتا، اُدھر ہی کو لوٹتا ہے۔ اُدھر ہی لگ جاتا ہے۔

ابا: دل کی دو راہیں ہیں بیٹا۔ ایک طیب چیزوں کی رغبت ہے، ایک آزمائش میں ڈالنے والی چیزوں کی بیکار جستجو ہے۔ اب اختیار انسان کا ہے کہ وہ کونسی راہ چنتا ہے۔ اسی سے تو مسئلہ جبر و قدر نکلتا ہے۔ (کانپ کر) یہاں تو بڑی سردی ہے بیٹے، چلو نیچے چلتے ہیں۔

لبنا: ابھی سورج نکل آئے گا بڑے ابا۔

بڑے ابا: سردیوں میں سورج کا کیا اعتبار؟ یہ تو پرائز بونڈ کا انعام ہے۔ نکلے نکلے نہ نکلے۔ (سامنے دیکھ کر) بیٹی یہاں کوٹھے پر مت آیا کرو تم۔

لبنا: کیوں بڑے ابا؟

بڑے ابا: ویسے تو درخت وغیرہ بہت ہیں ہماری کوٹھی میں، پھر بھی۔

لبنا: پھر بھی۔

بڑے ابا: اب سامنے والی کوٹھی میں کرائے دار آ گئے ہیں۔

لبنا: اچھا جی؟

بڑے ابا: کچھ اچھے آدمی نہیں لگتے مجھے۔

لبنا: جی؟

بڑے ابا: ہر وقت ان کے گھر سے گانوں کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ ایکٹر قسم کے لوگ

ہیں، فلمی قسم کے۔

لبنا: شاید رکھی کہہ رہی تھی کہ ریلوے کے محکمے میں ملازم ہیں۔ بڑے افسر ہیں کوئی۔

بڑے ابا: رکھی خبر لانے والی اور تم خبر یاد رکھنے والی۔ نور علی، نور بھائی یہ تو ٹیلی ویژن وغیرہ میں کام کرنے والا جوڑا لگتا ہے۔

لبنا: ہائے نہیں بڑے ابا۔

بڑے ابا: کبھی کبھی تو مجھے شادی شدہ بھی نہیں لگتے۔

لبنا: (خوشی سے) اچھا بڑے ابا؟ یہ آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟

بڑے ابا: رات کو ایک بتی جلی ہوتی ہے کوٹھے کے کمرے کی اور ایک بتی جلی ہوتی ہے نچلے برآمدے کے ساتھ۔

لبنا: اگر میاں بیوی نہیں ہیں تو بڑے ابا......

بڑے ابا: بھائی تم اپنی پوتی ہو، تم سے کیا کہیں۔ یہ کوئی کرنے والی باتیں ہیں۔ پر آج کل صرف میاں بیوی ہی ساتھ ساتھ نہیں رہتے۔ دوستوں میں بھی رواج ہو گیا ہے اکٹھے رہنے کا۔

لبنا: ہائے نہیں بڑے ابا۔

بڑے ابا: تم سے جو کہا کہ مت بیٹھو یہاں۔ جب سے محلے داری گئی ہے اور یہ کوٹھی سسٹم چلا ہے۔ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اپنی اپنی باڑھوں کے پیچھے جس کا جو جی چاہے کرے۔ اچھا تم اگلا نمبر پڑھو۔

لبنا: گروپ نمبر B (چند نمبر پڑھتی ہے)

بڑے ابا: اس گروپ کا کوئی نمبر نہیں ہے میرے پاس......

لبنا: تو آپ مجھے پہلے بتا دیتے بڑے ابا۔

ابا: تو ان کا پڑھنا کیا بڑی بات ہے۔ لطف آتا ہے نمبر سن کر۔ مزہ ملتا ہے۔ رشک آتا ہے ان خوش نصیبوں پر جن کے نمبر نکلتے ہیں یوں فرفر۔

لبنا: بڑے ابا اگر آپ کا کوئی پرائز بونڈ نکل آئے تو خوشی سے تو؟

ابا: تم دعا کیا کرو بیٹی۔ انشاء اللہ کنواری بیٹیوں کی دعائیں بہت مقبول ہوتی ہیں۔

(سامنے دیکھ کر) ہم تو دعائیں کرتے ہی رہتے ہیں بڑے ابا۔

لبنا: نیک بچیوں کا یہی کام ہے، اچھا 'سی' گروپ پڑھو۔

ابا: بڑے ابا اگر آپ کا پرائز بونڈ نکل آئے تو آپ کیا کریں؟

لبنا: نکلے تو سہی نکلنے والا۔ اس بے پرواہ کی کرم نوازی سے ہم سارا انعام تمہاری امی کو دیدیں یکمشت۔

ابا: سچ بڑے ابا؟

لبنا: اس بیچاری کی کوٹھی بن رہی ہے، بڑی پریشان رہتی ہے۔

ابا: آپ کہتے تھے بڑے ابا کہ اگر آپ کی کٹڑی بک گئی، رلجہ بازار والی تو آپ سارا پیسہ امی کو دے دیں گے۔

لبنا: اس کے تو میں نے پرائز بونڈ لے لیے ناں لبنا۔

ابا: تب آپ کہا کرتے تھے دعا کرو لبنا کوئی اچھا سا گاہک ملے۔

لبنا:

بڑے ابا: تو پھر یہ پرائز بونڈ کس کے ہیں۔ میرا سب کچھ کس کا ہے؟ میں سینے پر رکھ کر ساتھ لے جاؤں گا۔

لبنا: پھر بھی بڑے ابا۔

بڑے ابا: اچھا یہ لسٹ مجھے دو۔ مجھے یاد آ گیا کہ میں نے "تفہیم القرآن" کے اندر رکھی تھی اپنی عینک۔

لبنا: لیجیے بڑے ابا۔

بڑے ابا: تم بھی چلو نیچے لبنا۔ یہ مالک مکان اب ہمسایوں سے مشورہ کر کے کرائے پر کوٹھیاں نہیں چڑھاتے۔ چند دن اشتہار دیتے ہیں اخباروں میں اور جو لفنگا اوباش ان کا کرایہ ادا کر سکے، جھٹ کوٹھی حوالے کر دیتے ہیں اس کے۔

لبنا: اب تو بزنس بن گئی ہے بڑے ابا یہ مکان بنانا۔

بڑے ابا: ہمارے زمانے میں کرائے دار سے پہلا سوال یہ پوچھا جاتا تھا کہ بھائی اکیلے رہو گے کہ بیوی ساتھ ہو گی۔ اکیلے چھڑے کو تو مکان ہی نہیں ملا کرتا تھا۔ چلو بیٹی۔

اپنی۔ ابا ابھی۔

لبنا: میں یہ کپڑے اکٹھے کر کے آتی ہوں بڑے ابا ابھی۔

بڑے ابا: (جاتے ہوئے) لو ہم نیچے چلے تو سورج نکل آیا۔ بوڑھوں سے تو فطرت کو بھی چڑ ہو جاتی ہے۔ (چلا جاتا ہے)

لبنا: (کاپی کھول کر) بڑے ابا ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ کچھ چیزوں کی لگن بالکل بیکار جستجو ہے۔ وہ کسی کے ساتھ رہے، کہیں رہے تمہیں کیا لبنا عبدالصمد......؟ (دوربین سے ایک نظر دیکھ کر پھر دوربین ہٹا کر) لیکن یہ لوگوں کے Morals کو کیا ہوتا جاتا ہے۔ سارا قصور اخبار، رسالوں کا ہے۔ نہ ایسی خبروں کو بڑھا چڑھا کر نشر کریں...... (کچھ سوچ کر) یہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ اتنا گرا ہوا نہیں ہو سکتا۔ اللہ دتی تو کہتی تھی کہ......

(اس وقت شازی آتی ہے۔ وہ ہنس رہی ہے)

شازی: (دور سے) باجی!

لبنا: بابا ابھی نیچے آ جاتی ہوں، ذرا سا کام رہ گیا ہے۔

شازی: آپ شوق سے اوپر رہیں جب تک جی چاہے، رہیں۔ میں تو آپ کی ایک چیز دینے آئی تھی۔

لبنا: کیا چیز---؟

شازی: (ہنس کر) بڑے ابا کو دیکھا آپ نے۔ آنکھوں سے پرائز بونڈ کی فہرست جوڑے اتر رہے تھے۔ میں نے کہا، بڑے ابا سیڑھیاں اتر کر دیکھئے گا ورنہ جو آپ گر گئے تو انعام تو ہم لوگ لے لیں گے۔

لبنا: بڑے ابا کی کمزوری کا مذاق اڑانا چھوڑ دو شازی۔ ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی زم کونا ضرور ہوتا ہے۔

شازی: بڑھاپے میں یہ دولت کیوں اتنی پیاری ہو جاتی ہے باجی؟

لبنا: بڑھاپے میں [illegible] ہے، نہ محبت۔ دولت ہی مل جائے تو بڑی بات ہے۔ جس دل میں انسان نہ رہے، وہاں سونے کے بت آ بیٹھتے ہیں مستقل طور پر...... رہائش کرنے۔

شازی: آپ کا تو افسانہ شروع ہو گیا، میں چلتی ہوں۔

لبنا: اور میری چیز؟

شازی: یہ خط ملے ہیں آپ کے پلنگ میں سے۔

لبنا: کہاں سے؟

شازی: نواڑ کھولی تھی آپ کے پلنگ کی، یہ خط گر پڑے اندر سے۔

لبنا: تم نے نواڑ کیوں کھولی تھی؟

شازی: میں نے تو نہیں کھولی۔ چوکیدار نے پلنگ کسا ہے۔

لبنا: مجھ سے تو پوچھ لیا کرو کہ کیا کچھ کرنا ہے، کیا کچھ نہیں کرنا۔

شازی: حد ہو گئی باجی۔ میں تو آپ کو کب کی بتا رہی ہوں کہ امی جان بیگم جعفری کے پاس جانے سے پہلے کہہ گئی تھیں کہ ان کی واپسی تک ہمارا گھر Show window کی طرح سجا ہوا ہو۔ نئی کار کی طرح بالکل ٹچن ٹو۔

لبنا: میرا خیال ہے مجھے اترنا ہی پڑے گا۔

شازی: باجی شکر ہے۔ میں موجود تھی ورنہ چوکیدار پہلے ان خطوں کو پڑھتا، پھر آپ کو دیتا۔

لبنا: تم نے تو نہیں پڑھے؟

شازی: (چوروں کی طرح نظریں جھکا کر) پڑھے تو نہیں لیکن ملکہ الزبتھ کی ٹکٹیں دیکھی ہیں ساری...... اور...... اور کیا...... Staffordshire کا ایڈریس پڑھا ہے پیچھے سے۔

لبنا: پھر تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ خط کس کے ہیں؟

شازی: پہلے تو سمجھی تھی کہ آپ کے کسی Fan کے خط ہیں۔

لبنا: Fan Mail پلنگ کی نواڑ کے اندر نہیں رکھی جاتی۔

شازی: باجی آپ نے اپنے ایڈیٹر کی معرفت کیوں خط منگوائے۔ گھر کے پتے پر کیوں نہ آئے خط؟

لبنا: اس لیے لبنا کہ...... کہ......

شازی: نیور مائنڈ۔ باجی مجھ سے آپ ایسی کوئی بات نہ کریں جو آپ کو گھڑنی پڑے (جاتی ہے، پھر رک کر) باجی ایک Cat Pink لپ سٹک نکلی ہے آپ کے دراز سے۔ May I take it?

لبنا: ٹھہرو شازی۔

شازی: جی باجی۔

لبنا: یہ خط افتخار صاحب کے ہیں۔ تمہیں یاد ہیں افتخار صاحب؟

شازی: وہ دبلے پتلے سے آدمی جو بڑی نون غنہ قسم کی آواز میں بولا کرتے تھے۔

لبنا: ہاں!

شازی: زیادہ بار تو نہیں آئے وہ ہمارے ہاں۔

لبنا: لندن جانے سے پہلے صرف دو بار۔

شازی: آپ کے افسانوں کے مجموعے پر آٹوگراف لینے آئے تھے۔ ہے نا باجی۔ (ناک میں بول کر) آپ کی بڑی نوازش ہوگی محترمہ اگر آپ میری کتاب پر اپنے دست مبارک سے آٹوگراف کر دیں۔ (ہنستی ہے)

لبنا: انہیں میرے افسانوں کی فضا، اس کے کردار، اس کے پلاٹ بہت پسند تھے۔

شازی: تو یہ خط بھی Fan Mail تھے باجی۔ ہے نا؟

لبنا: جہاں تک افتخار صاحب کا تعلق ہے (وقفہ)۔ کبھی کبھی تعریفی خطوں سے بڑی غلط امیدیں قائم ہو جاتی ہیں۔

شازی: آئی ایم سوری باجی......

لبنا: کوئی بات نہیں شازی۔ ہم شاید غلط امیدیں ہی لے کر پیدا ہوئے ہیں۔

شازی: لیجیے کیسی دھوپ نکلی ہے واہ وا...... میں تو سمجھی بارش ہوگی۔

(وہ جانے کے لیے بڑھتی ہے۔ اوپر سے اختر آتا ہے۔ وہ نہایت جلدی میں آتا ہے)

اختر: یہ آپ یہاں بیٹھی ہیں اور نیچے مہمان آئے بیٹھے ہیں۔

شازی: مہمان؟ مثلاً کون؟

اختر: سامنے والی کوٹھی سے آئے ہیں جی۔

لبنا: تم چلو شازی میں ابھی آتی ہوں۔

شازی: خدا کے لیے باجی اب اتر بھی چلیے

لبنا: بس دو چار سطریں رہ گئی تھیں۔ (شازی اور اختر جاتے ہیں)

لبنا: (ڈائری میں لکھتے ہوئے) یا میرے اللہ اب کیا ہوگا۔

سین 2 دن چڑھے مقام (ڈرائنگ روم)

شازی: آپ کافی پئیں گے کہ چائے؟

شکیلہ: کچھ بھی نہیں جی۔

فرید: ہم تو صرف آپ لوگوں کو سلام کرنے آئے ہیں، ابھی تو ہمیں بہت سے گھروں میں جانا ہے۔

شازی: میں ایک منٹ میں کافی لاتی ہوں جی Just a minute
(جس وقت شازی جاتی ہے، لبنا آتی ہے۔ فرید کھڑا ہو جاتا ہے)

لبنا: السلام علیکم!

شکیلہ، فرید: السلام علیکم!

لبنا: (فرید کی طرف ثانیہ بھر دیکھ کر) بڑی آرزو تھی آپ سے ملنے کی!

شکیلہ: ہم بھی دن رات آپ لوگوں کی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

فرید: کل میرے آفس میں ایک Subordinate نے بتایا کہ آپ لبنا عبدالصمد ہیں۔

شکیلہ: میں نے آپ کا ایک افسانہ پڑھا تھا، کراچی سے پنڈی آتے ہوئے ٹرین میں۔ کیا نام تھا اس کا فرید؟

فرید: نام تو اس کا یاد نہیں مجھے۔

لبنا: فروری یا شائد دسمبر کے شمارے میں چھپا تھا۔ میرا افسانہ ''بادلوں میں چھپا سورج'' ''نئی امنگ'' رسالہ تھا نا۔

جی ہاں۔ آپ تو بالکل بھی افسانہ نویس نہیں لگتیں بخدا......

فرید: جی ہاں۔ آپ تو بالکل بھی افسانہ نویس نہیں لگتیں بخدا......

لبنا: جی؟

شکیلہ: واقعی! آپ تو ایکٹرس زیادہ لگتی ہیں اور ادیب کم۔ آپ نے برا تو نہیں منایا؟

فرید: میرا مطلب تھا کہ ...... ادیب خواتین کچھ اتنی جاذب نظر نہیں ہوا کرتیں، معاف کیجیے۔

لبنا: آپ کی بیگم صاحبہ جیسی تو پوری پنڈی میں کوئی خوبصورت نہ ہوگی۔

فرید: حیران ہو کر ...... بیگم صاحبہ، کونسی بیگم صاحبہ؟

لبنا: یہ ...... یہ آپ کی......

فرید: یہ تو میری چھوٹی بہن ہے۔ کیوں شکیلہ میں نے ٹھیک کہاں تھا ناں امی جی سے کہ آپ بھی ساتھ چلیے ورنہ اول اول تو لوگ باتیں بنائیں گے۔ (شازی ٹی ٹرالی لے کر آتی ہے)

لبنا: یہ ...... یہ آپ کی بیگم نہیں ہیں؟

فرید: اللہ نہ کرے ہماری بیگم ایسی ہو۔ بدشکل تنک طوطی۔

لبنا: معاف کیجیے۔ میں ابھی آئی (جلدی سے جاتی ہے، منظر بدلتا ہے)

سین 3 — وہی درخت — ٹیرس

لبنا: (ٹیرس پر جاتی ہے۔ عقب میں ''تم جگ جگ جیو مہاراج'' کی موسیقی۔ لبنا مجو کی تصویر پھاڑتی ہے اور جنگلے سے نیچے پھینکتی ہے۔ پھر خط افتخار کا پھاڑ کر جنگلے سے نیچے چلا کر مارتی ہے۔ ساتھ ساتھ کہتی ہے) وہ شادی شدہ نہیں ہے۔ یا میرے اللہ میں کیا کروں؟ میرا جی چاہتا ہے خود جنگلے سے چھلانگ لگا دوں۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) ایک بھی تو بادل نہیں رہا آسمان پر...... وہ شادی شدہ نہیں ہے۔ (ڈائری نکال کر) وہ شادی شدہ نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے۔ (لکھتی جاتی ہے)

(شازی آتی ہے)

شازی: باجی آپ حد کرتی ہیں۔ وہ لوگ پانچ منٹ کے لیے آئے تھے اور آپ اتنا وقت بھی نہ بیٹھ سکیں ان کے پاس۔

لبنا: میں ابھی آتی ہوں شازی۔

شازی: اب آ کر کیا کرنا ہے، وہ لوگ تو چلے بھی گئے۔

لبنا: اتنی جلدی؟

شازی: وہ تو شادی کا کارڈ دینے آئے تھے باجی۔

لبنا: کیا؟

شازی: ہائے اللہ باجی کہاں رہتی ہیں آپ۔ وہ جو لو جوان نہیں تھا، چیک قمیض والا۔ فرید صاحب اس کی شادی ہے پندرہ دن بعد۔ وہ لوگ کارڈ دیتے پھر رہے ہیں محلے میں۔

لبنا: اس کی شادی ہے، جو ابھی آیا تھا؟

شازی: یہ جو بہن بھائی نہیں آئے تھے ابھی۔ ہائے اللہ کبھی دنیا میں بھی رہا کریں۔ فرید بھائی کی شادی ہے۔ بہن کارڈ دینے آئی تھی۔ لیجیے۔ ساری فیملی کو بلایا ہے۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) سورج نکل تو آیا ہے، پر کیا مجال جو رتی بھر گرمی ہو اس کی کرنوں میں۔ (چلی جاتی ہے)

لبنا: کارڈ کو گود میں رکھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ عقب میں پھر بھونرے کی گنجار شروع ہو جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ لبنا کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں۔)

-------O-------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 3

کردار

بڑے ابا: مولوی عبدالجبار

ابا: مولوی عبدالصمد

تابش: احساسِ جرم میں مبتلا

عبداللہ: حساس نوجوان

فرید: خوبصورت کشمیری نوجوان

شکیلہ: بیس بائیس برس کی بے حد حساس کشمیرن

اختر

اور

جمی

سین 1 رات ان ڈور (بڑے ابا کا کمرہ)

(بڑے ابا کا کمرہ۔ یہ ایک ایسے ریاکار بزرگ کا کمرہ ہے جسے دولت سے بڑی محبت ہے اور جو وقت بے وقت اللہ کی رضا اور رغبت کی باتیں کرتا ہے۔ دیواروں پر قرآن کریم کی سورتیں آویزاں ہیں۔ ایک طرف نماز کی چوکی پڑی ہے۔ چارپائی کے پاس ایک تپائی ہے جس پر بے شمار دوائیوں کی بوتلیں پڑی ہیں۔ بڑے ابا P.W.D. کے محکمے میں سے ریٹائر ہوئے ہیں اور پونے دو سو روپیہ ماہوار پنشن پاتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے پلنگ پر کمبل کو دونوں کندھوں پر اوڑھے بیٹھے ہوئے ہیں اور قلم تراش رہے ہیں۔ پاس جمی مونڈھے پر بیٹھا ہے۔ ایک طرف انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے ہیں۔ کبھی کبھی بڑے ابا ہاتھ بڑھا کر اس انگیٹھی پر ہاتھ بھی گرم کر لیتے ہیں۔

جمی: بڑے ابا آپ مجھے صرف مضمون لکھوا دیں جی۔

بڑے ابا: ساری شام تُو کہاں تھا؟

جمی: گھر میں ہی تھا جی۔

بڑے ابا: رات کو دس بجے پڑھائی نہیں ہوتی۔

جمی: ٹیلی ویژن ابھی بند ہوا ہے بڑے ابا۔

بڑے ابا: یہ لو قلم اور لاؤ اب کالی دوات اور تختی۔ میں اوپر والی سطر لکھ دوں گا، تم پہلے مجھے تختی لکھ کر دکھاؤ، پھر میں مضمون لکھواؤں گا۔

جمی: بڑے ابا پلیز مجھے نیند آ رہی ہے۔ آپ مجھے ایک صفحہ مضمون لکھوا دیں، تختی میں کل لکھ دوں گا۔

بڑے ابا: کیا سرخی ملی ہے؟

جمی: "ہمارا گھر" بڑے ابا۔ پچھلے ہفتے بھی میں مضمون نہیں دکھا سکا مس کو، اگر اب نہ دکھایا تو Punish ملے گی۔

بڑے ابا: لکھو لیکن ٹھہرو۔ مضمون لکھنے کا طریقہ سمجھو ہم سے' کام آئے گا۔ مضمون کے چار حصے ہوتے ہیں۔ ابتدائیہ یعنی تعارف، دوئم خصوصیات یا موٹے موٹے وصف، تیسرے نفع نقصان اور چوتھے اختتامیہ یعنی نفس مضمون کا خلاصہ اور دعائیہ کلمے یا کلمہ تحسین یا کوئی شعر یا کسی بڑے آدمی کی تحریر کا اقتباس۔

جمی: اتنا مشکل مضمون نہیں لکھنا بڑے ابا، چھوٹا سا ایک صفحے کا۔

بڑے ابا: لکھو۔

جمی: جی۔

بڑے ابا: ہمارا گھر۔ موٹی کر کے سرخی لکھو زیڈ کی نب سے۔

جمی: آپ رف لکھوا دیں جی، میں اندر جا کر Neat کر لوں گا۔

بڑے ابا: لکھو۔ گھر بمعنی خانہ، مکان، مسکن، آستان، ٹھکانہ، قیام گاہ، ایوان، رین بسیرا استعمال ہوتا ہے۔ انا گھر، ناچ گھر، ریل گھر، عجائب گھر، چڑیا گھر، ہتھیار گھر اس کی اضافی صورتیں ہیں۔

جمی: ابا جی اتنا مشکل مضمون نہیں لکھنا مجھے۔

بڑے ابا: یہ تم لوگوں کو سہل پسندی کی کیا عادت پڑ گئی ہے۔ تمہاری عمر میں ہم نے 'گلستان' 'بوستان'، 'طوطا کہانی'، 'آرائش محفل'، عبدالحلیم کے سارے ناول خدا جانے کیا کیا کچھ پڑھ ڈالا تھا۔

جمی: آپ نے Gulliver's Travels پڑھے ہیں؟

بڑے ابا: اچھا اچھا مضمون لکھو۔ گھر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ایک خاندان ایک دوسرے کی بہتری کے لیے کوشاں رہے۔ خود غرضی کا نام کو نہ ہو، محبت اور اخلاص

کے چشمے رواں ہوں۔

جمی: میں باجی سے پوچھ لیتا ہوں جی۔

بڑے ابا: جاؤ اس سے پوچھ لو۔ وہ مضمون کی جگہ افسانہ لکھا دے گی۔ جاؤ (پرائز لسٹ دیکھ کر) یہ نمبر کیا ہے جمی، ذرا ادھر آنا۔

جمی: (پاس آ کر دیکھتے ہوئے) یہ جی 5792 ہے۔

بڑے ابا: مجھے تین ہزار سات سو بانوے لگ رہا تھا۔

جمی: بڑے ابا اگر آپ کا بانڈ نکل آئے تو؟

بڑے ابا: تو؟

جمی: تو آپ کیا کریں جی؟

بڑے ابا: ہم سارے پیسے تمہاری امی کو دے دیں۔ اس نے ہماری بڑی خدمت کی ہے۔

جمی: بڑے ابا زکوٰۃ آپ دیتے ہیں ناں؟

بڑے ابا: ہر پنشن میں سے بیٹا۔ ہر پنشن میں سے۔ ادھر پونے دو سو روپے لاتے ہیں۔ اُدھر چار روپے چھ آنے کی پوٹلی باندھ کر رکھ دیتے ہیں۔

جمی: بڑے ابا اس مہینے کی زکوٰۃ مجھے دے دیجیے۔

بڑے ابا: لو پڑی ہوئی ہے کیا گھر میں؟ کبھی کی دے دی ایک ضرورت مند کو۔

جمی: چلیے اگلے مہینے کی سہی بڑے ابا۔

بڑے ابا: اپنے بچوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاتی۔

جمی: آپ مجھے قرض حسنہ ہی دے دیں جی۔

بڑے ابا: قرض اس وقت مانگتے ہیں بیٹا جس وقت اس کے بغیر گذارہ نہ چلتا ہو۔

جمی: میرا نہیں چلتا ناں بڑے ابا۔

بڑے ابا: آخر اتنی ضرورت کیا ہے؟

جمی: زاہد کا بستہ گم ہو گیا ہے جی سکول میں۔

بڑے ابا: زاہد کون؟

جمی: وہ جی۔ جس کی دوسری امی ہیں۔

بڑے ابا: اچھا اچھا وہ چور لڑکا جو لیموں لے گیا تھا چرا کر ہمارے؟

جی: اس نے لیموں نہیں چرائے تھے بڑے ابا۔ میں نے اسے لیموں دیے تھے۔

بڑے ابا: ایک ہی بات ہے۔ پھر تم چور ہوئے۔

جی: میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔

بڑے ابا: سارے شہر میں ایک تو ہی رہ گیا ہے شاہ ورِیام۔

جی: وہ جی ہاف بریک میں بستہ چھوڑ کر گیا، واپسی پر آیا تو بستہ غائب۔

بڑے ابا: جو آدمی بستہ چھوڑ کر جائے گا، اس کا بستہ ضرور گم ہوگا۔

(اس وقت ابا جی چلغوزے کھاتے ہوئے آتے ہیں)

بڑے ابا: یہ تم کیا کر رہے ہو اس وقت؟

جی: میں مضمون پوچھنے آیا تھا بڑے ابا سے۔

ابا: مضمون۔ کیسا مضمون؟

جی: مس نے کہا تھا جی کہ "ہمارا گھر" پر مضمون لکھ کر لانا۔

ابا: جاؤ جاؤ بابا سو جاؤ اس وقت، گھر کو کیا کرنا ہے کسی نے۔

جی: صبح کیننگ ہوگی جی۔ Punish ملے گی، پورا ہفتہ ہو گیا مضمون نہیں بن سکا۔

ابا: تو ساری شام کیننگ کیوں یاد نہیں آئی جو رات کو مضمون یاد آ گیا تمہیں۔
(کان پکڑ کر) تمہاری عمر میں ہم خود پڑھتے تھے سڑک کے کھمبے کی لائٹ کے
نیچے۔ تمہیں سارا گھر پڑھاتا ہے۔ بارہ بارہ بلبوں کے نیچے اور امتحان میں
چوڑ چوپٹ۔

بڑے ابا: کان چھوڑ دے صمد۔ جا بیٹا باجی سے مضمون لکھوا لے۔

ابا: (بیٹھتے ہوئے) آپ انصاف کریں ابا جی، ان بچوں کی خاطر میں نے کیا نہیں
کیا۔ کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے اور ان کو ہے کچھ پتہ لگتا۔ ہے انہیں کچھ سمجھ آتی۔ (جی
[illegible] لگن سے۔

بڑے ابا: وقت پڑنے پر سب سمجھ جائے گی، [illegible] وقت سکھاتا ہے وقت اور صرف وقت۔

ابا: میں آپ کے پاس ایک خاص وجہ سے آیا تھا۔ (جی جاتا ہے)

بڑے ابا: کہو؟

ابا: Architect کی طرف گیا تھا میں، وہ کہتا تھا کہ ابھی پندرہ ہزار اور لگیں گے کوٹھی
پر۔ Wiring ہونی ہے۔ Sanitory والوں کا کام باقی ہے۔ Emulsion
پینٹ ہو جائے تو کوٹھی اچھے کرائے پر چڑھ سکتی ہے۔

بڑے ابا: تمہارا آرکیٹیکٹ اچھا ہے۔ اسی ہزار کا Estimate دے کر اب پندرہ ہزار کا
اور خرچ بتا رہا ہے۔

ابا: کوٹھی بھی بڑے ابا دو ہزار ماہوار سے کم نہیں چڑھے گی۔

بڑے ابا: وہ تو جب چڑھے گی سو چڑھے گی، ابھی تو منہ کھلا ہے خرچ کا۔

ابا: مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے پر۔ پر بڑے ابا اب میرا جی نہیں چاہتا کہ میں تابی کو
پریشان کروں۔

بڑے ابا: کیا مطلب؟

ابا: اگر تابی کا بھائی میری مدد نہ کرتا تو آج یہ کوٹھی تعمیر ہو سکتی تھی بڑے ابا؟ میں کار خرید
سکتا تھا؟ یہ Standrad of living ہو سکتا تھا ہمارا؟

بڑے ابا: رشتہ دار اسی لیے ہوتے ہیں کہ وقت بے وقت کام آئیں۔

ابا: پورے ساٹھ ہزار روپیہ قرض دینا ہے میں نے سرفراز کا۔

بڑے ابا: اللہ مسبب الاسباب ہے۔

ابا: اگر...... مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن اگر آپ اپنے پرائز بونڈ مجھے دے
دیں...... یعنی ادھار...... یعنی قرض تو......

بڑے ابا: (کھانس کر) لو۔ میرے پرائز بونڈ کیسے؟ سب کچھ تمہارا ہے۔

ابا: آپ جانتے ہیں کہ میری کمائی میں ایک آنے کی رشوت شامل نہیں۔

بڑے ابا: کیوں ہوتی بھائی کیوں ہوتی؟

ابا: میں نے اپنے Colleaques کی طرح دونوں ہاتھوں سے رشوت نہیں لی اور
پھر بھی دیکھ لیجیے، اللہ کی مہربانی سے کسی سے پیچھے نہیں رہا۔

بڑے ابا: کیوں رہتے بھائی کیوں رہتے؟

ابا: صرف۔ اس بار پتہ نہیں کیوں تابی سے کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ بیچاری بھی اپنے بھائی کے گھر جاتے ہوئے ہچکچاتی ہے اب۔

بڑے ابا: ہاں ٹھیک ہے۔

ابا: اگر آپ بڑے ابا میری مدد کر دیں۔

بڑے ابا: کریں گے بھائی کیوں نہیں کریں گے لیکن تم مجھے آج رات کی مہلت دے دو، ہیں؟

ابا: مہلت؟

بڑے ابا: تم میرے اصول کو جانتے ہو، میں رات کو استخارہ کروں گا۔ جیسا اشارہ ہو گیا، اس پر عمل کروں گا۔

ابا: اور اگر بڑے ابا یہ اشارہ ہو گیا کہ روپیہ نہیں دینا چاہیے تو؟

بڑے ابا: نہیں میاں اچھا ہی اشارہ ہوگا۔ انشاءاللہ۔ بونڈ تو تمہارے ہی ہیں، صرف ایک شبہ سا دل کو نہ رہے۔ ٹھیک ہے نا؟ میرے مولیٰ کا اشارہ بھی شامل ہو جائے، میری رضا میں۔ (اب تابش آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس اور ہتھیلی پر دو گولیاں ہیں)

تابش: صمد۔

ابا: تم ابھی سوئیں نہیں تابی؟

تابش: پتہ نہیں، نیند کیوں نہیں آتی مجھے۔ اب یہ گولیاں کھا لوں گی تو بڑی مشکل سے نیند آئے گی سوچ سوچ کر۔

بڑے ابا: ان گولیوں کی تمہیں بڑی بری عادت پڑ گئی ہے، بہو بیگم۔ ان کا سہارا چھوڑ دو۔

تابش: کیا کریں بڑے ابا چکی کے پاٹ جیسے فکر سینے پر لدے رہتے ہیں ہر دم، سانس تو ٹھیک طرح سے آتا نہیں، نیند کہاں سے آئے؟

ابا: (تابش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) بہادر بنو تابی بہادر۔

تابش: لکڑی کی تلوار بھی تم ہو [illegible] تم سے بہادری کی کوئی نسبت غلط ہے۔

ابا: نیند لانے کے لیے بہت ضروری ہے تابی کہ انسان اپنا ضمیر ہمیشہ صاف رکھے۔ ایسا کوئی کام بھی نہ کرے جو کسی کو بتایا نہیں جا سکتا۔ ضمیر کا بوجھ نہ ہو سینے پر تو نیند

یوں آتی ہے یوں۔

تابش: لیجیے میں جس بات کے لیے آئی ہوں، وہ تو درمیان میں ہی رہی۔

بڑے ابا: کیا ہوا؟

تابش: میں لیٹی ہوئی تھی اوپر والے کمرے میں، پر لائٹ پڑی کسی ٹارچ کی کھڑکی پر۔

ابا: ٹارچ کی۔

تابش: لڑکیوں کے کمرے کی طرف سے روشنی آئی۔ میری کھڑکی پر گئی اور غائب۔

ابا: لائٹ اس وقت؟ میں دیکھتا ہوں۔ (باہر جاتا ہے تابش بڑے ٹوٹے ہوئے انداز میں مونڈھے پر بیٹھتی ہے)

تابش: بڑے ابا میرا جی ان گولیوں سے بھر گیا ہے۔ ان کو پینے کے بعد آدمی بے ہوش سا ہو جاتا ہے لیکن نیند نہیں آتی۔

بڑے ابا: آیت الکرسی پڑھ کر سویا کرو بیٹی۔

تابش: بڑے ابا۔ اگر میں اپنے کسی عزیز کو بچانے کی خاطر ایک قتل کر دوں تو کیا یہ گناہ ہے کہ ثواب؟

بڑے ابا: قتل تو اول و آخر قتل ہی ہے بیٹی۔

تابش: (ایک دم بڑے ابا کے پاس بیٹھ کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر) خدا کے لیے مجھے بچا لیجیے۔ بڑے ابا خدا کے لیے، مجھ سے اب اور گولیاں نہیں کھائی جاتیں۔ مجھے بچا لیں بڑے ابا۔ ایک دفعہ۔

بڑے ابا: ہیں ہیں ہیں۔ یہ تمہیں ہوا کیا ہے آج تابش؟

تابش: میں بڑی گنہگار ہوں۔ بڑی روسیاہ ہوں لیکن جو کچھ میں نے کیا، صمد کو خوش رکھنے کے لیے۔ جو کچھ میں نے سہا محض اس لیے کہ صمد کو کچھ برداشت نہ کرنا پڑے۔

بڑے ابا: کچھ بتاؤ بھی بہو آخر معاملہ کیا ہے؟

تابش: یہ بڑی لمبی داستان ہے بڑے ابا۔ بڑی پرانی داستان ہے۔ کینسر کوئی ایک دن میں تو نہیں ہو جاتا ہے۔ یہ بیماری بھی کینسر کی طرح برسوں پرانی ہے۔

بڑے ابا: کونسی بیماری؟ تم...... تمہیں کینسر ہے کیا؟

تابش: کینسر سے بدتر روگ لگا ہے مجھے بڑے ابا اور مشکل یہ ہے کہ میں کسی کو بتا نہیں سکتی، صمد کو بھی نہیں۔ میں تو صرف خواب آور گولیاں کھا سکتی ہوں۔ بپھرے ہوئے ضمیر کو سلانے کے لیے۔

بڑے ابا: کچھ بتاؤ تو سہی تابش۔

تابش: جب پہلی بار انسان رشوت لیتا ہے بڑے ابا تو آدمی بہت ڈرتا ہے۔ بہت ہچکچاتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ رشوت کی رقم منہ پر لکھی گئی ہے۔ آہستہ آہستہ تو عادت پڑ جاتی ہے۔ رشوت اپنا حق لگنے لگتی ہے۔ ہمیشہ پہلا قدم مشکل ہوتا ہے۔ ہے نا بڑے ابا...... ہے نا؟

بڑے ابا: تم نے رشوت لی۔ ہمارے گھر میں رشوت، مولوی عبدالجبار کے گھر میں رشوت، مولوی عبدالغفار کے پوتے کے گھر میں رشوت۔ ہمارے گھر کے اصول تو پرائز بانڈ تھے بہو...... کسی وقت بھی آدمی ان کی قیمت کھری کر سکتا ہے۔ یہ تم نے کیا کیا...... کیا کیا بہو تم نے؟

تابش: میں نے اس لیے رشوت لی تا کہ صمد کے ہاتھ رشوت سے ملوث نہ ہوں تا کہ مولوی عبدالغفار کے پوتے اور مولوی عبدالجبار کا بیٹا با اصول آدمی رہ سکے۔ میں نے ڈھال بن کر بچایا ہے آپ کے بیٹے کو۔ ان کو تو ضمیر کا ایک کوڑا بھی نہیں کھانے دیا میں نے۔

بڑے ابا: لیکن تم نے رشوتیں لیں کیوں۔ کیوں؟

تابش: تا کہ صمد صاحب اپنے ہم چشموں میں عزت کی زندگی بسر کر سکیں تا کہ ان کا Status اور Contacts ہوں۔ وہ کسی سے ہیٹے نہ ہوں بڑے ابا۔

بڑے ابا: بہت برا کیا بہو جی۔ دنیاوی چیزوں کے لیے عاقبت برباد کی۔ ہمارا مولوی گھرانہ اور......

تابش: پرانے سکے بند ہو چکے ہیں بڑے ابا۔ اب کون پوچھتا ہے گھرانوں کو۔ (جمی آتا ہے)

جمی: امی جی۔

تابش: تم ابھی تک سوئے نہیں۔

جمی: مضمون نہیں ختم ہوا میرا۔

تابش: ساری شام جو ٹیلی ویژن سے نتھی ہو کر بیٹھے رہتے ہو، اس وقت خیال نہیں آتا تمہیں ہوم ورک کا؟

جمی: میں نے باجی سے کہا تھا جی، وہ کہنے لگیں ڈرامے کے بعد لکھواؤں گی۔

تابش: مضمون کس پر لکھنا ہے؟

بڑے ابا: اس کو لکھنا بھی ہو، میں لکھواتا رہا ہوں لیکن اس نے ایک سطر نوٹ نہیں کی۔

جمی: میں نے خود لکھا ہے جی، آپ سن لیں۔

تابش: سناؤ۔

جمی: ہمارا گھر۔ ہماری کوٹھی آٹھ کینال میں ہے۔ اس میں بڑے بڑے سفیدے کے درخت ہیں۔ سات کمرے نیچے اور چار کمرے اوپر ہیں۔ دو برآمدے اور ایک صحن ہے۔

تابش: تت تت تت بیٹا گھر کوئی مکان کا حدود اربعہ تو نہیں ہوتا۔

جمی: ہیں جی؟

تابش: گھر تو خاندان سے ہوتا ہے، لوگوں سے ہوتا ہے۔ باہمی محبت اور ہمدردی سے ہوتا ہے۔

جمی: باہمی محبت کیا ہوتی ہے امی؟

تابی: اچھا اب تم جاؤ اپنے کمرے میں، ابھی آ کر میں تمہیں مضمون لکھواتی ہوں۔ چلو شاباش!

جمی: مجھے بڑی نیند آ رہی ہے امی جی۔

تابی: صرف پانچ منٹ۔ میں ابھی آئی۔

(جمی چلا جاتا ہے)

تابی: بڑے ابا......

بڑے ابا: مجھے تو رہ رہ کر خیال آ رہا ہے کہ تمہیں جرأت کیونکر ہوئی۔ تم نے حوصلہ کیونکر کیا۔

تابی: جو چال زمانے کی ہو، وہی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ بڑے ابا پانی جدھر کو بہہ رہا ہو، اسی طرف انسان آسانی سے تیر سکتا ہے۔

بڑے ابا: یہ سلسلہ کب سے جاری ہے تابش؟

تابی: جب جمی پیدا ہوا تھا اور اس کا عقیقہ کیا تھا ہم نے بڑے ابا لیکن غالباً عقیقہ دھوم دھام سے منانے کا سوال بعد میں پیدا ہوا، خیر تو بہت پہلے لگ چکا تھا۔ (ابا آتے ہیں)

ابا: اندر باہر کوئی روشنی نہیں ہے، تمہیں شک ہوا ہے یونہی۔

تابی: روشنی تو ضرور تھی صمد، ٹیرس پر دیکھا آپ نے؟

ابا: وہاں بھی دیکھ آتا ہوں۔ تمہیں وہم ہے تابی، سو جاؤ آرام سے۔ (جلدی سے جاتا ہے)

تابی: مجھے وہم نہیں ہے بڑے ابا۔ میں جانتی ہوں، خوب جانتی ہوں۔

ابا: توبہ کرو تابش، اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تابی: صمد نے مجھ سے ذکر نہیں کیا بڑے ابا لیکن میں جانتی ہوں، انہیں پھر پیسوں کی ضرورت ہے۔ وہ شرمندہ شرمندہ پھرتے ہیں آج کل۔

ابا: ایک تو اس ونجی نے اس کی شد بدھ کھو دی ہے۔ اس کا نشہ ختم ہو، یہ کرائے پر چڑھ جائے تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے تمہارے۔

تابی: ان باتوں سے کچھ نہیں بنتا بڑے ابا۔ اندر ٹھیک کرنا پڑے گا مجھے۔ جب تک ضمیر کرائے پر چڑھا ہے، کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔

ابا: بس تم عہد کر لو اپنے دل سے کہ اب رشوت نہیں لو گی کبھی۔

تابی: آپ نہیں جانتے بڑے ابا۔ صمد نہیں جانتے، بچے نہیں جانتے کہ میں کس آگ میں جل رہی ہوں۔ جب کبھی صمد کو پیسے کی ضرورت پڑی، میں ایک مرتبہ بھی [illegible]

ابا: تو تم نے ساٹھ ہزار [illegible] قرض نہیں لیا؟

تابی: [illegible] کے کارخانے میں خود گھاٹے پڑ رہے ہیں۔ وہ کسی کو ساٹھ روپے

نہیں دے سکتے، آپ ساٹھ ہزار کی بات کرتے ہیں۔

بڑے ابا: لیکن بیٹی کبھی تو سرفراز بات کرے گا صمد سے، کبھی تو پول کھلے گا۔

تابش: سرفراز کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ اتنی لمبی چوڑی باتیں کرے صمد سے اور صمد ہوئے باغیرت، بااصول وہ جب تک رقم لوٹا نہیں سکتے، سرفراز کے سامنے نہیں جائیں گے۔

بڑے ابا: لیکن……

تابش: آپ بڑے ابا مجھے اپنے پرائز بانڈ دے دیجیے۔ پلیز خدا کے لیے۔ مجھے بچا لیجیے۔ میں سرفراز کا نام دھر کر اب اور رشوت نہیں لینا چاہتی۔ بڑے ابا مجھے بچا لیجیے۔ پیارے رسول کی خاطر۔

بڑے ابا: صبر کرو۔ صبر کرو تابش۔ اللہ کوئی راہ پیدا کرے گا۔

تابش: مجھ میں اب گولیاں کھانے کی تاب نہیں ہے۔ مجھے اپنے پرائز بونڈ دے دیجیے۔ میں آپ کی پائی پائی لوٹا دوں گی۔

بڑے ابا: لو میرے بونڈ کس کے ہیں؟ میں تو بچوں کو کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اگر انعام نکل آئے کسی بونڈ پر تو میں تمہاری امی کو دوں گا۔

تابش: مجھے انعام نہیں چاہیے بڑے ابا۔ اس وقت میں دوراہے پر کھڑی ہوں۔ اگر مجھے آپ سے قرض نہ ملا تو میں پھر رشوت لوں گی…… پھر گولیاں کھاؤں گی اور پھر صمد سے جھوٹ بولوں گی کہ میں نے سرفراز سے قرض لیا ہے۔ بڑے ابا مجھے ضمیر کے تختے پر نہ چڑھائیے خدا کے لیے۔

بڑے ابا: لو بھائی کیسی باتیں کرتی ہو تم تابش جان۔ ہم تمہارے، ہمارے پرائز بونڈ تمہارے۔

تابش: (جلدی سے سر کا ہاتھ چوم کر) بڑے ابا آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔

بڑے ابا: بس آج رات میں استخارہ کروں گا۔ جو اشارہ ہو گا اس پر عمل کروں گا صبح انشاءاللہ۔

تابش: بڑے ابا؟…… اگر اشارہ ہو گیا کہ……

بڑے ابا: نہیں بیٹی۔ بونڈ تو تمہارے ہیں۔ میں نے کیا کرنے ہیں بونڈ۔ بس یہ استخارہ

کروں گا کہ کسی کو انعام ملنا بھی ہے کہ یونہی دس ہزار کی گھٹی لیے پھرتا ہوں۔

تابش: اور اگر کسی کو انعام ملنا ہو بڑے ابا تو؟

بڑے ابا: تو کیا؟ انعام بھی تم کو ملے گا اور بونڈ بھی تم کو۔

تابش: شکریہ بڑے ابا... آپ نے میری نیند مجھے لوٹا دی۔ آج میں بغیر گولی کھائے سوؤں گی۔ (چلی جاتی ہے۔ دوسری جانب سے عبداللہ آتا ہے۔)

عبداللہ: اس اختر کو خدا جانے کیا مرض ہے، آدھی آدھی رات گئے فلیش سے تصویریں کھینچتا رہتا ہے۔

بڑے ابا: تم بھی تو آدھی رات گئے تک کلینک سے نہیں لوٹتے۔ اپنی اپنی لگن ہے۔ کوئی کسی کو سمجھا سکتا ہے اس گھر میں؟

عبداللہ: اوپر والے شہ نشین پر کھڑا تصویر کھینچ رہا ہے اس سردی میں۔ آپ کا کیا حال ہے بڑے ابا۔ (سٹیتھس کوپ سے معائنہ کرتا ہے)

بڑے ابا: بڈھوں کا کیا حال ہونا ہے عبداللہ۔ کھنگر بن کر پڑے ہیں۔ ہرے بھرے بوٹوں میں۔

عبداللہ: بڑے ابا انسان کا جسم بعد میں مردہ ہوتا ہے۔ روح پہلے ساتھ چھوڑتی ہے۔ حوصلہ اور ہمت ساتھ چھوڑتی ہے۔ اگر آپ توانا محسوس کریں گے تو جوان رہیں گے۔ سیرپ باقاعدگی سے پی ہے آپ نے۔

بڑے ابا: کئی برسوں سے دوائیوں کا ساتھ ہے۔ اتنے پرانے ساتھیوں کو کوئی بھولتا ہے۔

عبداللہ: منہ کھولیے۔ (ٹارچ حلق میں ڈالتا ہے) گلا تو اب بہتر ہے۔ بڑے ابا ایک ضروری بات یہ ہے، ہمیشہ یاد رکھئے کہ آپ کی اس سارے گھر کو کتنی ضرورت ہے۔ کتنا بڑا ستون ہیں اس گھر کا آپ؟

بڑے ابا: بڈھے تو وہ گلدان ہوتے ہیں عبداللہ جن میں بال آ جاتا ہے۔ نہ ایسا گلدان پھینکا جا سکتا ہے نہ اس میں پھول سجائے جا سکتے ہیں۔ پڑے رہتے ہیں کسی بھولے بسرے طاق میں۔

عبداللہ: (محبت سے کندھے پکڑ کر) کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ ہر آدمی آپ کا

دوست ہے۔ آپ سے وہ وہ باتیں کی جاتی ہیں جو کوئی اپنے دل سے کرتا ہے یا اپنے خدا سے۔

بڑے ابا: عبداللہ بیٹے ایک بولنا خوشی کا ہوتا ہے جیسے چڑیاں چہچہاتی ہیں۔ ایک وہ بولنا ہوتا ہے جب کوا بندوق دیکھتا ہے اور کائیں کائیں کر کے اپنے قبیلے سے بولتا ہے۔ بڑا فرق ہے دونوں میں۔ (امی آتی ہے)

امی: تم آ گئے عبداللہ؟

عبداللہ: ابھی آیا ہوں۔

امی: پھاٹک بند کر دیا تھا تم نے؟

عبداللہ: جی..... آپ سوئی نہیں؟

امی: تمہارے ابا سو گئے ہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں۔ جھٹ نیند آ جاتی ہے انہیں تکیے پر سر رکھتے ہی۔

عبداللہ: آپ کیوں جاگ رہی ہیں اب تک؟

امی: مجھے یوں لگا جیسے باڑھ کی طرف کسی نے ٹارچ ہلائی ہو۔

عبداللہ: میری کار کی بتیاں ہوں گی امی۔

امی: کار کی بتی اور ٹارچ کی روشنی میں بڑا فرق ہے عبداللہ۔

عبداللہ: اختر ہو گا امی۔ وہ اپنی فلیش سے تصویریں کھینچتا پھر رہا ہے۔

امی: بڑے ابا آج سے کچھ ہی سال پہلے میرے بڑے اصول تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہو گیا کہ ایک گھر میں ایک ہی بااصول آدمی ہو سکتا ہے۔ باقی سب کے اصول اس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ میرے اصول آپ ہی ٹوٹ گئے آہستہ آہستہ۔ اندر ہی اندر دیمک لگ گئی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ لکڑی کتنی بودی ہو چکی ہے۔

عبداللہ: (دو گولیاں امی کو پکڑاتے ہوئے) ایک پیالی دودھ کی گرم کریں اور یہ دو گولیاں کھائیں۔ دودھ کے ساتھ دو مرتبہ آیت الکرسی پڑھیں اور آپ کو نیند آ جائے گی۔

امی: نہیں بیٹے، آج مجھے ان گولیوں کی ضرورت نہیں، شکریہ۔ آج میں اس مریض

کی نیند سوؤں گی جو بیماری کے خطرے سے نکل جاتا ہے۔

عبداللہ: شب بخیر امی۔

امی: (جاتے ہوئے) شب بخیر بڑے ابا (رک کر) لیکن روشنی ضرور کوئی تھی باڑھ کے پاس۔

(چلی جاتی ہے)

عبداللہ: امی کی صحت ٹھیک نہیں رہتی بڑے ابا۔ ساری علامتیں Hallucination کی ہیں۔

(دروازے پر دستک ہوتی ہے)

بڑے ابا / عبداللہ: کون ہے؟

فرید: (باہر سے) ڈاکٹر صاحب گھر پر ہیں؟

عبداللہ: کون ہے؟

فرید: میں آپ کا پڑوسی ہوں ڈاکٹر صاحب۔ بیں اے سے آیا ہوں۔ (عبداللہ دروازہ کھولتا ہے۔ شکیلہ کے پاؤں میں موچ آئی ہوئی ہے۔ وہ فرید کا سہارا لے کر اندر آتی ہے)

فرید: معاف کیجیے، بڑے بے وقت آپ کو تکلیف دی ہے لیکن حق ہمسایہ سمجھ کر آ گئے۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر صاحب شکیلہ کے پاؤں کو کچھ ہو گیا ہے۔ شاید ہڈی یا پھر موچ؟

(ہاتھ میں ٹارچ ہے)

شکیلہ: السلام علیکم جی۔ (ڈاکٹر موچ دیکھتا ہے)

بڑے ابا: اس وقت موچ۔ اتنی رات گئے۔

فرید: [illegible] روشنی پڑی ہے روشندان سے۔ کمرے سے بھاگی تو تپائی میں الجھی اور گری۔

عبداللہ: [illegible] Hallucination ہو رہی ہے۔ ٹارچ کی روشنی بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے۔

فرید: (پاؤں ہلا کر) اس طرح درد تو نہیں ہو رہا آپ کو؟

شکیلہ: ہائے...... ہوتا ہے جی۔ (پٹی باندھتا ہے)

عبداللہ: اس وقت تو میں معمولی فسٹ ایڈ کر دیتا ہوں لیکن کل آپ ان کا ایکسرے ضرور کروالیں۔ اگر میرے کلینک پر لے آئیں تو میں ایکسرے کروادوں گا۔

بڑے ابا: ہڈی ٹوٹنے کا نام نہ لو عبداللہ۔ تمہاری پھوپھی کی ہڈی ٹوٹی تھی پاؤں کی۔ چار مہینے پاؤں پر پلستر میں رہا تھا۔ منگنی ٹوٹ گئی تھی بیچاری کی۔

شکیلہ: معاف کیجیے ڈاکٹر صاحب۔ میرا پاؤں پکڑنا پڑ رہا ہے آپ کو۔

عبداللہ: پاؤں بالکل ڈھیلا چھوڑ دیجیے اور ایسی باتیں مت سوچیے۔ یہ تو ہمارا روز کا کام ہے۔

فرید: ڈرپوک یہ ازل کی ہے ڈاکٹر صاحب۔

شکیلہ: بھیا آپ مانیں یا نہ مانیں، لائٹ ضرور تھی روشندان میں۔

ابا: سب مل کر تین بار سورۃ والناس پڑھو اور دم کروا اپنے اپنے سینے پر۔ (شکیلہ اور بڑے ابا منہ میں سورۃ پڑھتے ہیں)

عبداللہ: اب آرام آیا ہے کچھ۔ (پٹی باندھ لیتا ہے)

شکیلہ: بڑا آرام آ گیا ہے جی۔

عبداللہ: پاؤں زمین پر رکھ کر دیکھیے ذرا۔ (شکیلہ پاؤں زمین پر رکھ کر ڈگمگاتی ہے۔ عبداللہ ازراہ ہمدردی ذرا سا سہارا دیتا ہے۔)

فرید: ذرا میری بات سنیئے ڈاکٹر صاحب۔

عبداللہ: فرمائیے۔ (فرید اسے ایک طرف لے جاتا ہے)

فرید: معاف کیجیے۔ بے وقت تکلیف دی ہے۔ آپ کی پلیز فیس۔

عبداللہ: ڈونٹ بھی سلی۔

فرید: دیکھیے ہم کتنی آزادی سے آپ کے پاس آ گئے ہیں۔ آپ پلیز ہمیں شرمندہ نہ کیجیے۔

عبداللہ: ضرور فیس لوں گا لیکن آج نہیں۔ پلیز یہ Topic بند ہے، آج کے لیے۔

فرید: شکریہ ڈاکٹر صاحب۔

شکیلہ: شکریہ جی۔

ڈاکٹر: You are always welcome

فرید / شکیلہ: السلام علیکم

ابا / عبداللہ: وعلیکم السلام۔

(شکیلہ کو سہارا دے کر فرید لے جاتا ہے۔ ساتھ ہی ٹارچ جلاتا ہے۔)

بڑے ابا: یہ تم نے فیس کیوں نہیں لی ان سے؟ کوئی ہمسایہ ہے، کوئی غریب ہے۔ کوئی بیوہ ہے۔ کوئی یتیم ہے۔ کوئی بیروزگار ہے۔ کوئی گھر والوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں۔ کسی کے گھر میں بہنیں، بیاہنے کو بیٹھی ہیں عبداللہ۔ عبداللہ تیرا کام چل چکا بھائی جان!

(اس وقت اختر آتا ہے۔ اس کے گلے میں فلیش والا کیمرہ لٹکا ہے۔)

اختر: ادھر برآمدے میں کیسی روشنی تھی ابھی؟

بڑے ابا: لے ایک اور آ گیا پروانہ۔ روشنی کا دلدادہ۔

اختر: میں ڈارک روم میں تصویریں Develop کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے برآمدے میں کوئی کھڑا ہے ہاتھ میں ٹارچ لیے۔

بڑے ابا: اتنی رات گئے تک تصویریں Develop کرو گے تو یہی کچھ ہوگا۔

اختر: کیا مطلب؟

عبداللہ: اندھیرے میں اجالا نظر آنے لگے گا۔ (ہنس کر)

بڑے ابا: سایہ ایک تھا کہ دو۔

اختر: شاید دو سائے تھے۔

بڑے ابا: ابھی فرید صاحب گئے ہیں ٹارچ جلا کر۔ ان کی بہن کے موچ آ گئی تھی۔

ڈاکٹر: آؤ اختر چلیں اوپر۔ بڑے ابا صبح ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے ہیں۔ ہیٹر ہے پانی گرم کر کے آپ کو دے گی شازی۔ اس سے وضو کریں۔ میں نے اس کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔

بڑے ابا: اس پر رہا تو میری نماز قضا ہو جائے۔ (اس وقت تابش بھاگی آتی ہے)

تابش: چوری ہو گئی بڑے ابا چوری ہو گئی۔

عبداللہ: کیا کہا؟

اختر: چوری ہو گئی؟

بڑے ابا: کب، کیسے؟

اختر: ہم سب جاگ رہے ہیں اور چوری ہو گئی۔

امی: میرا سیف کھلا پڑا ہے۔ اس میں سونے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں، پانچ ہزار کیش بھی غائب ہے۔

عبداللہ: کیسے ہو سکتا ہے؟

امی: میں نے چور کو خود نالی سے اترتے دیکھا ہے۔

عبداللہ: آؤ اختر دیکھیں، Come on (دونوں بھاگ کر جاتے ہیں۔ امی ان کے پیچھے بھاگ کر جاتی ہے اور کہتی جاتی ہے)

امی: ٹھہرو عبداللہ آج کل چور ہتھیار بند ہوتے ہیں۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ عبداللہ رکو۔ ٹھہرو۔ (ان کے جانے کے بعد بڑے ابا۔ سرہانے تلے سے دس ہزار کے بونڈ اٹھا کر جلدی سے اپنی جیبوں میں ڈالتے ہیں اور کمبل کی بکل مارتے ہیں اور بستر اور کمرے کی چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ کہتے جاتے ہیں)

بڑے ابا: میں جانتا تھا اللہ میاں، تیری طرف سے اشارہ ضرور ہوگا۔ شکر ہے میرے مولا تو نے مجھے بتا دیا۔ اگر تابی کے پیسے نہ جاتے تو مجھے کیسے پتہ چلتا کہ تو اس کی مدد کرنا نہیں چاہتا۔ یا پروردگار تھوڑی دیر کے لیے تو کمزوری مجھ پر غالب ہی آ چکی تھی۔ پر تو بچانے والا ہے۔ اب مجھے استخارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس گھر میں سیندھ لگ چکی ہے۔ میں سمجھ گیا میرے مالک، سمجھ گیا۔ جس کو تیرا سہارا نہ رہے، اس کو بندے کا سہارا کیا؟ سمجھ گیا...... سمجھ گیا...... سمجھ گیا......

(سمجھ گیا کہتا ہوا باہر چلا جاتا ہے۔ پیچھے سے جمی آتا ہے۔)

جمی: امی جی دیکھ لیں، میں نے مضمون مکمل کر لیا ہے۔

(کمرے کی دیت کو دیکھتا ہے۔ اب اختر، عبداللہ، امی اور بڑے ابا واپس آتے ہیں۔)

اختر: یہاں بھی جھاڑو پھر گئی۔

تابش: بڑے ابا اپنے بانڈ دیکھیے۔

بڑے ابا: اب کیا دیکھیں بیٹی، وہ تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ صاف نظر آ رہا ہے، سرہانے تلے پڑے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ٥

جمی: کیا ہوا امی جی؟

تابش: میری قسمت ہی ایسی ہے۔ میں سیدھے راستے پر نہیں آ سکتی۔ میرے نصیب ہی ایسے ہیں۔

عبداللہ: یہ لیجیے دو گولیاں اور گرم دودھ کے ساتھ کھا کر سو جائیے۔ چلو جمی اپنے کمرے میں۔

اختر: حد ہو گئی آنکھ کے ایک پلکارے میں یہاں بھی ہاتھ صاف کر دیا۔

تابش: آپ غم نہ لگایئے بڑے ابا۔ اللہ نے چاہا تو میں کوئی انتظام کروں گی، لاؤ گولیاں مجھے۔

(گولیاں لے کر جاتی ہے)

امی: امی بیچاری (اختر بھی پیچھے جاتا ہے)

عبداللہ: میں ذرا پولیس سٹیشن جاؤں بڑے ابا۔

(باہر کی طرف جاتا ہے)

بڑے ابا: تو کیا کھڑا ہے یہاں آدھی رات کو؟

جمی: مضمون بڑے ابا۔

بڑے ابا: بتا دینا اپنے ماسٹر کو چوری ہو گئی ہے ہمارے گھر میں۔ ہم گھر پر مضمون کیا لکھیں، جا۔

(جمی جاتا ہے۔ بڑے ابا [illegible] ہیں۔)

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 4

کردار

لبنا

فرید

شکیلہ

اختر

اللہ رکھی

بجلی والا

شازی

سین 1 شام آؤٹ ڈور (لان)

(جس وقت کیمرہ کھلتا ہے، لان کے ایک کنارے ریڈیو پڑا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک کتاب کھلی ہے۔ ریڈیو پر فریدہ خانم، فیض احمد فیض کی یہ غزل گا رہی ہے۔

چاند نکلے کسی جانب تیری زیبائی کا
رنگ بدلے کسی صورت شب تنہائی کا

جب کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے تو قریب ہی طوطے کا پنجرہ پڑا نظر آتا ہے۔ جونہی کیمرہ کچھ اور پیچھے ہٹتا ہے تو ایک طرف کرسی پر لیٹا کی دوربین پڑی نظر آتی ہے۔ کیمرہ اور پیچھے ہٹتا ہے تو اختر کیمرہ لیے ان تینوں چیزوں کو فوکس میں کر کے تصویر کھینچنے میں مشغول ہے۔ اس کے پاس ہی شازی کھڑی ہے۔)

شازی: خدا کے لیے اس Colour کی مجھے کیوٹکس لا دو۔
(کیوٹکس کی شیشی ہاتھ میں ہے)

اختر: ایک منٹ ٹھہرو، میں تصویریں بنا رہا ہوں۔ تمہاری، باجی اور جمی کی......
(شازی آگے بڑھ کر ریڈیو اٹھاتی ہے اور بند کرتی ہے)

شازی: اچھا نہ بھی اختر تمہیں بھی کبھی کوئی کام پڑ جائے گا۔

اختر: جب مجھے کام پڑتا ہے تو میں کوشش کرتا ہوں کہ جس سے کام پڑے، اس کی کوئی نہ کوئی کمزوری مجھے ضرور معلوم ہو۔ اس طرح اس کی ڈور میرے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔

شازی: بڑے چالاک بنتے ہو، یہ رلجہ بازار تک تو جانا ہے۔

اختر: کہاں راجہ...... کہاں بازار، تم خود کیوں نہیں چلی جاتیں؟

شازی: ابھی میں نے اپنا بلاؤز سینا ہے۔ ساڑھی پر بارڈر لگانا ہے۔ ہائے بڑا اچھا بھائی ہے ہمارا (ایک دس کا نوٹ دیتی ہے)

اختر: اچھے بھائی عبداللہ بھائی جیسے ہوتے ہیں۔ پیارے بھائی جمی جیسے ہوتے ہیں۔ ہم تو درمیان میں مددگار قسم کے بھائی ہیں۔

شازی: امی سے کہوں تو فوراً چلا جائے گا۔

اختر: اچھا ایک شرط پر جاؤں گا۔

شازی: کیا شرط ہے؟

اختر: ایک فلم ڈلواؤں گا اپنے کیمرے میں تیرے پیسوں میں سے، منظور ہے؟

شازی: (برا مان کر) جب کوئی کام کہو تو یہی حشر ہوتا ہے پیسوں کا۔

اختر: تو سیدھا سا علاج ہے، مت کہا کرو کام وام۔

شازی: خدا جانے یہ اتنی ساری فلمیں، کہانیاں، لٹریچر بہن بھائی کی محبت پر کیوں بنتی ہیں۔ بہن بھائی تو ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے ایک چھت تلے رہنا پڑتا ہے ان سب کو مجبوراً۔

اختر: اچھا یہ بتا۔ اتنی ضروری کیوں ہے یہ (Cutex کی شیشی سے پڑھ کر) Rich gold کیوٹکس۔

شازی: شادی نہیں ہو رہی فرید صاحب کی؟

اختر: تجھے پھر کیا۔ شادی ان کی ہو رہی ہے۔ مصیبت تجھے پڑی ہوئی ہے۔

شازی: آج ان کی مہندی ہے۔ جہلم سے آ رہے ہیں مہندی لے کر ان کی سسرال والے۔ شادی سے بھی بڑا اہتمام ہو رہا ہے اس طرف۔

اختر: اور تجھے ہر شادی پر شادی والے گھر سے بھی زیادہ کام ہوتا ہے نا۔ نئی ساڑھی، نیا بلاؤز، نئی کیوٹکس۔ تیرا بس چلے تو اندر ایک شازی بھی نئی ڈلوا لے۔ ہر فنکشن کے لیے۔

شازی: لاؤ بابا میرے پیسے دو۔ میں کسی اور سے منگوا لوں گی۔

اختر: ابھی لاتا ہے بندہ۔ ابھی۔ ایک منٹ میں۔

شازی: نہیں جی، نہیں چاہیے مجھے کیو ٹکس۔

اختر: فوراً۔ ابھی۔ At your service میڈم۔ پانچ منٹ میں...... (چلا جاتا ہے)
فوراً (اونچی آواز دور سے آتی ہے) آ گئی کیو ٹکس ابھی آئے گی کیو ٹکس۔ عمدہ
ہے (آدم چائے کی دھن پر گاتا جاتا ہے۔)

بجلی والا: بیگم صاحب۔ خانساماں...... خانساماں۔ (گیٹ پر آواز دے کر)

شازی: کون ہے بھئی؟

بجلی والا: خانساماں؟...... بیگم صاحب؟ (آواز دیتا ہے)

شازی: آ جاؤ۔ بھائی گیٹ پر کیوں کھڑے ہو؟

بجلی والا: (سامنے آ کر) سامنے والی کوٹھی والے صاحب نے بھیجا ہے جی۔

شازی: کیا بات ہے؟

بجلی والا: میں بجلی والا ہوں جی، ادھر بتیاں لگانی ہیں۔

(اس وقت اندر کی طرف سے لبنا آتی ہے۔ اس نے بال کھلے چھوڑ رکھے ہیں
اور سفید ساڑھی میں ملبوس ہے۔)

شازی: باجی یہ بجلی والا بھیجا ہے فرید صاحب نے۔

بجلی والا: بتیاں لگانے کا آرڈر دیا ہے جی فرید صاحب نے۔

شازی: تو لگاؤ۔

لبنا: Don't talk to him like this Shazi

شازی: And how should I talk to him Baji?

بجلی والا: آپ مجھے من سوئچ دکھا دیں بیگم صاحب۔

شازی: وہ سامنے [illegible] ہے، یہ بھی لے [illegible] پاس۔

بجلی والا: مہربانی جناب...... (چلا جاتا ہے)

لبنا: ان لوگوں سے مہربانی سے پیش آیا کرو شازی، ہم انہیں اور کچھ نہیں دے سکتے۔

عزت تو دے سکتے ہیں۔

شازی: باجی میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو لوگوں کو Courtesy میں غلط قسم کے Notions دے دیا کرتے ہیں۔ یہ ضروری بات ہے کہ ہر آدمی کو علم ہو، وہ کس حد تک آگے بڑھ سکتا ہے اور کس حد کے بعد اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔

لبنا: خدا جانے تمہارا دل اتنا سخت کیوں ہے؟

شازی: میں کسی سرجن کی طرح سخت دل ہوں باجی۔ جو آپریشن کرتا ہے۔ آپ اس نرم دل ماں کی طرح ہیں جو چوری چوری اپنا بیمار بچہ ہسپتال سے لے جاتی ہے کہ ڈاکٹر بچے پر کہیں ظلم نہ کریں۔

بجلی والا: (واپس آ کر) جناب یہاں تھری فیز لگا ہے کہ نہیں؟

شازی: ابھی اختر تمہیں آ کر بتائے گا۔

لبنا: تم خود دیکھ لو۔ جاؤ شازی اس کے ساتھ۔

شازی: سب کام میرے ہی ذمے ہوا کرتے ہیں آخر۔ آؤ بھئی بجلی والے۔ (شازی بجلی والے کے ساتھ جاتی ہے۔ بجلی والے کے ساتھ اس کا سامان، بلب، پیچ کس وغیرہ ہونے چاہئیں۔)

لبنا: (ڈائری نکال کر ایک جملہ لکھتی ہے۔) یہاں تو ہر آدمی کو تھری فیز لگا ہوا ہے۔
ایک وہ چہرہ ہے جو اس کے عزیز رشتہ دار دیکھتے ہیں۔ ایک وہ چہرہ ہے جو اس کے دشمنوں اور واقف کاروں کو نظر آتا ہے اور ایک وہ چہرہ ہے جو کبھی کبھی عین اس کے اپنے مقابل آ جاتا ہے، اپنا ہمزاد بن کر...... اس چہرے کو پہچاننے میں انسان کو سب سے زیادہ مشکل پیش آتی ہے۔ (جب لبنا لکھتی ہے، اس کی آواز عقب میں سوپر امپوز کیجیے۔ وہ لکھتی جاتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔)
(اس وقت فرید آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ ایسی تاریں ہیں جن کے ساتھ چھوٹے چھوٹے رنگین بلب لگے ہوئے ہیں)

فرید: معاف کیجیے ہم لوگ آپ کو بار بار تنگ کر رہے ہیں۔ وہ بجلی والا آیا تھا اس طرف ابھی۔

لبنا: جی ہاں...... بلاؤں اسے؟

فرید: یہ بلب وہیں بھول آیا۔

لبنا: بیٹھیے؟

فرید: جی نہیں، آپ لکھ رہی ہیں۔ میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

لبنا: نہیں ایسی ضروری کوئی چیز نہیں ہے، بیٹھیے۔

(فرید بیٹھتا ہے)

فرید: آپ کی بڑی ہمت ہے۔ اتنے لمبے لمبے افسانے لکھ لیتی ہیں۔ مجھ سے تو ایک خط بھی لکھا نہیں جاتا۔

لبنا: مشق ہو جاتی ہے۔ آپ لکھنا چاہیں اور کوشش کریں تو آپ بھی لکھ سکیں گے۔

فرید: توبہ کریں جی۔ میں نے آپ کا افسانہ چاندنی میں پڑھا تھا۔

لبنا: کون سے شمارے میں؟

فرید: غالباً کوئی خاص نمبر تھا۔ عنوان تو مجھے یاد نہیں لیکن وہ کچھ اس طرح شروع ہوتا تھا۔ شادی کے لیے اس نے غلط بنیاد کھودی تھی۔ نہ اس میں Damp proof ڈالا تھا، نہ چوڑائی اور گہرائی کا خیال رکھا تھا۔ کبھی کبھی ترس اور ہمدردی کے جذبے پر شادی کی عمارت اٹھانے والے یہ نہیں سوچتے کہ یہ جذبے ہسپتالوں کے لیے ہیں۔ خدمت خلق کے اداروں کے لیے ہیں۔ کسی شادی کو خوشگوار بنانے کے لیے یہ جذبہ بالکل ناکافی ہے۔

لبنا: آپ کو زبانی یاد ہوگا۔ سارا پیراگراف؟

فرید: دراصل۔ سچ کہوں کہ شام کو کمرے کی صفائی کی تو آپ کا افسانہ نظر پڑا۔

لبنا: اچھا ابھی پڑھا ہے آپ نے؟

فرید: آپ کے افسانے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔

لبنا: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

فرید: مجھے یہ باتیں ان کو نہیں چاہئیں لیکن پہلے میں شادی کی Excitement ہے یا...... یا اس بات کا احساس ہے کہ ہم بہت دور نکل گئے ہیں میں اور شکیلہ۔ میرا جی کرتا

ہے کہ کسی سے باتیں کیے جاؤں، کیے جاؤں۔

لبنا: تو کیے جائیے باتیں۔

فرید: جس لڑکی سے میری شادی ہو رہی ہے، وہ لڑکی یعنی عابدہ۔ میری ماموں زاد بہن ہے۔

لبنا: بہت اچھی بات ہے۔ خاندان میں شادی ہو تو کئی...... Differences آپی آپ مٹ جاتے ہیں۔ پسند کی شادی ہے آپ کی؟

فرید: جی نہیں...... دراصل۔ چھوڑیے بڑی لمبی کہانی ہے۔ میں آپ کو کبھی بتاؤں گا تاکہ آپ مجھ پر بھی ایک افسانہ لکھیں۔

لبنا: آپ کو کوئی چیز پریشان کر رہی ہے؟

فرید: ہمیں اپنے ماموں سے بہت پیار ہے۔ عابدہ کو جب طلاق ہوئی تو مجھے بڑا رنج ہوا۔ مجھے عابدہ سے بھی زیادہ ماموں کے لیے Feel ہوتا تھا۔

لبنا: یعنی...... بڑا افسوس ہوا سن کر۔

فرید: بس جی This is life عابدہ کی جس آدمی سے شادی ہوئی تھی، وہ نکاح کر کے نیروبی چلا گیا اور وہاں سے اس نے طلاق نامہ بھیج دیا۔

لبنا: کچھ لوگ دوسروں کو بدنصیبی کے حوالے کر کے بھی ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

فرید: میں...... آپ کا افسانہ پڑھ کر دراصل ڈر گیا ہوں۔ میں عابدہ پر...... مجھے عابدہ پر بڑا ترس آتا ہے اور بقول آپ کے افسانے کے ترس شادی کے لیے اچھی بنیاد نہیں ہے۔

لبنا: (گھبرا کر) افسانہ دراصل ایک کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے اور زندگی ایسی کئی کیفیتوں کو بیک وقت Handle کرتی ہے۔ بڑا فرق ہے دونوں میں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ زندگی کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

فرید: آپ سے یہ بات کر کے عجیب طرح کا بوجھ دل سے اٹھ گیا ہے۔ میں نے آپ کا بڑا ٹائم Waste کیا ہے۔ آئی ایم سوری۔

بلا سوچے سمجھے۔

لبنا: بلکہ آپ تو مجھے ایک نئی کہانی کا مواد دے رہے ہیں، بلا سوچے سمجھے۔

فرید: جب میں پریشان ہوتا ہوں تو بہت زیادہ کھاتا ہوں۔ بہت زیادہ سوتا ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ...... کہ Worry سے میری بہت زیادہ Calories جل جاتی ہیں۔

لبنا: کچھ لوگ زیادہ کھاتے ہیں اور کچھ لوگوں کی بھوک بالکل مر جاتی ہے۔ یہ بھی اپنی اپنی قسمت ہے۔

فرید: اچھا جی تھینک یو ایور سو مچ۔ آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔ ہماری بہت مدد کی آپ نے۔

(اللہ رکھی اندر سے ٹرے اٹھائے آتی ہے۔)

فرید: (ہنس کر) اس شکیلہ کو بھی خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ کہتی ہے ہر قسم کی فضول رسمیں کرے گی۔ بر اس بینڈ والوں کو آج بھی بلا رہی ہے۔ بھلا آج کیا ضرورت تھی ان کی؟

لبنا: بہنوں کو خوشی ہوتی ہے۔

فرید: اچھا جی میں چلوں (لیکن جاتا نہیں)

رکھی: اب بی بی کچھ تو منہ میں ڈالو۔ آیئے نہ رات کو کھانا کھایا نہ صبح ناشتہ کیا۔

فرید: ارے آپ اتنے لمبے چوڑے فاقے کیوں کر رہی ہیں؟

رکھی: ایک تو یہ اللہ ماری سب لڑکیوں کو دبلا ہونے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ یکلخت صاحب جی۔

فرید: آپ کہیں...... پریشان تو نہیں ہیں؟

لبنا: جب...... میں افسانہ لکھتی ہوں تو مجھے بھوک نہیں لگتی۔

فرید: پھر تو آپ کے افسانوں پر پابندی ہونی چاہیے۔ لبنا یہ ایک سیب لے لوں؟

If you don't mind

لبنا: ضرور......

فرید: اچھا جی تھینک یو (چلا جاتا ہے)

رکھی: لو کتنے مزے سے سیب لے کر چلا گیا۔ ساری کوٹھی بیگم صاحب نے ان کے حوالے کر دی ہے۔ قناتیں لگانے والوں نے پچھلی گراؤنڈ میں دو گلاب کے پودے اکھاڑ دیئے ہیں۔ بجلی والا درختوں پر چڑھا پھرتا ہے۔ شادی ان کی ہو رہی ہے، وخت ہمیں پڑا ہوا ہے۔

لبنا: ہمسائے ہیں رکھی، ہمسائے ماں جائے۔

رکھی: وہ زمانہ گیا بی بی۔ اب تو ہمسائے پگڑی بدل بھائی نہیں ہوتے۔ چھری بدل قصائی ہوتے ہیں۔

لبنا: ابھی اگلے دن تم ان کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں، صاحب بہت اچھا ہے۔ مجھے سلام کرتا ہے۔ بی بی بہت خوبصورت ہے، فلمسٹار لگتی ہے۔ تیرا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا رکھی۔

رکھی: اب کسی کی ایک بار تعریف کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ آدمی اپنی رائے ہی نہیں بدل سکتا۔ کچھ کھا لو بی بی، نہیں تو بیگم صاحبہ ناراض ہوں گی مجھے۔

لبنا: بس میں یہ سیب کھا لوں گی۔ باقی سب کچھ تم لے جاؤ۔

رکھی: بی بی یہ کیسے لوگ ہیں۔ مجھے تو اچھے نہیں لگتے۔

لبنا: نہ لگیں تمہیں اچھے۔ تم کو ان سے کیا لینا دینا۔

رکھی: دیکھو نا جی ان کے گھر میں شادی ہے اور ایک بھی رشتہ دار نہیں آیا ان کے گھر۔ اچھے آدمی اپنی رشتہ داری سے پہچانے جاتے ہیں۔ جن کے کام میں اپنے کھڑے نہ ہوں، وہ لوگ کس کام کے؟

لبنا: آ جائیں گے رشتہ دار بھی۔

رکھی: کب آئیں گے جی شام کو مہندی ہے اور اس وقت تک اکیلے بھاگے پھر رہے ہیں دونوں بہن بھائی لنڈورے سے کبھی دولہے بھی بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔

لبنا: کون جانے بیچاروں کا کوئی اپنا ہی نہ ہو۔

رکھی: یہ نہ کہو بی بی، کچھ رشتہ دار تو ہوتے ہی ہیں نا۔ ہر آدمی کے ہاں یہ کہو جب کچھ آدمی امیر ہو جاتے ہیں تو پوچھتے نہیں اپنے غریب رشتہ داروں کو پیچھا بھاری نہیں

ہوگا ان لوگوں کا۔

لبنا: اچھا ضروری نہیں اب ہر آدمی کا پیچھا بھاری ہو۔

رنگی: بی بی لبنا بیگم صاحب کو کیا پڑی تھی۔ ساری کوٹھی ان کے حوالے کر دی۔ سنا ہے عورتوں کا انتظام اس طرف ہوگا۔

لبنا: رنگی۔

رنگی: جی بی بی۔

لبنا: بیگم صاحب جانیں اور ان کے انتظامات جانیں، تم خوامخواہ اپنی جان نہ کھپایا کرو ایسی باتوں میں۔

رنگی: ہاں جی ہمیں کیا پڑی ہے۔ ساری عمر تاج محمد کو سمجھاتی رہی، پر اس نر کے بچے نے جی ہمیشہ وہی کیا جو اس کے دل میں آئی۔ اب بیٹھا ہے حوالات میں سلاخوں کے پیچھے۔ ایک تو یہ مرد لوگ اپنی عقل کو ہی بڑا سمجھتے ہیں۔

لبنا: تجھے بڑی محبت تھی تاج دین سے رنگی؟

رنگی: (آہ بھر کر) اب بی بی خالی محبت کو لے کر چاٹنا ہے۔ محبت نہ تو روٹی ہے کہ پیٹ کا دوزخ بھرے نہ کپڑا ہے کہ تن ڈھانپ لیں۔ نہ آگ ہے کہ سردی دور ہو جائے۔ سچ بتاؤ بی بی یہ تو چھوٹی عمر کی لگن ہوتی ہے کہ محبت ہو محبت ہو۔ بچے اور بوڑھے کو کیوں آزاد کر دیا اللہ میاں اس محبت کے عذاب سے۔ دودھ کا گلاس ہی پی لو لبنا بی بی۔

لبنا: سیب جو لے لیا ہے میں نے۔

رنگی: سارا دن نہ لکھتی رہا کرو۔ سفید سر ہو گیا تو بیگم صاحب کو رشتہ ڈھونڈنے میں تکلیف ہوگی۔

لبنا: یہ ٹرے لے جاؤ رنگی۔

رنگی: ہمارے دل میں تو سب کے لیے ہمدردی ہے۔ خدا جانتا ہے ساری عمر دوسروں کا سوچتے گزری۔ اپنے لیے کچھ سوچتی تو آج گھر بار کھانے کو بہت ہوتا۔

(ٹرے لے کر چلی جاتی ہے)

(لبنا ڈائری کھول کر لکھتی ہے۔ آواز over lap کرتی ہے)

لبنا: کبھی کبھی دل کے ہاتھوں بھی انسان کتنا مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کی شادی ہو رہی ہے اور...... (چہرہ اوپر اٹھا کر) کیا میں اسے بتا دوں؟...... کیا بتاؤں، میں اسے بتانے کو ہے بھی کیا؟ (دوربین لگا کر سامنے دیکھتے ہوئے) ساری کوٹھی بتیوں سے دولہن بن گئی ہے۔ ایسے کیوں کرتا ہے اللہ میاں؟ کسی ایک آدمی سے سارے زمانے کی خوشی کیوں وابستہ ہو جاتی ہے اچانک۔

سین 2 وقتِ شام مقام: شازی کا کمرہ

(شازی کا ریڈیو ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ہے۔ اس پر کسی ناچ کی دھن بڑی تیز بج رہی ہے۔ شازی بھاگ کر دروازے کی چٹخنی لگاتی ہے۔ پھر بڑے جوش سے پنجابی فلموں کی ایکٹرسوں کی طرح ناچتی ہے۔ دروازے پر دھڑ دھڑانے کی آواز آتی ہے۔)

شازی: (یکدم رک کر) کون ہے؟

شکیلہ: (باہر سے) شازی میں ہوں شکیلہ۔

(شازی ریڈیو بند کر کے ایک لحہ بھر کو اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی ہے اور پھر دروازہ کھولتی ہے۔ شکیلہ کے پاؤں پر ابھی بھی پٹی بندھی ہے اور یہ پاؤں اس نے سلیپر پر باندھ رکھا ہے......)

شکیلہ: ہائے یہ تمہیں سانس کیوں چڑھا ہوا ہے؟

شازی: بس بھاگ کر کنڈی کھولی ہے، سانس چڑھ گیا مجھے۔

شکیلہ: میں سمجھی تم ڈانس کر رہی ہو اکیلی۔

شازی: ہائے توبہ شکیلہ، ہمارا تو مولویوں کا گھرانہ ہے۔ بظاہر پابندی نہ لگے، پر ابا جی اور بڑے ابا بڑے سخت ہیں۔

شکیلہ: دسویں میں میری ایک سہیلی ہوا کرتی تھی۔ وہ غسل خانے میں پورا میک اپ کرتی

تھی اور پھر منہ ہاتھ دھو کر باہر آ جاتی تھی۔

شازی: ہائے بڑی بے وقوف تھی تمہاری سہیلی۔

شکیلہ: دسویں میں غالباً سبھی بے وقوف ہوتے ہیں۔ شازی تمہارے پاس Blushon ہے؟

شازی: میں نے ممی سے کہا تھا کہ منگوا دیں۔ وہ کہنے لگیں کہ اتنی مہنگی ہے یہ ڈبیا، کون خریدے؟

شکیلہ: چلو اچھا نہ سہی۔

شازی: اب پاؤں کا کیا حال ہے؟

شکیلہ: ٹھیک ہو جاتا کبھی کا۔ پر بھیا کی شادی نے آرام ہی نہیں کرنے دیا۔

شازی: ڈاکٹر بھیا کو دکھا دیتیں پاؤں۔

شکیلہ: اب ایسے ہی۔

شازی: ایسے ہی کیا مطلب؟

شکیلہ: شرم آتی ہے۔

شازی: پاؤں دکھاتے ہوئے؟ حد ہو گئی۔

شکیلہ: بس یونہی۔ (چہرے کو کلوز اپ میں رکھئے۔)

شازی: ہمارے عبداللہ بھائی تو اتنے پیارے ہیں، اتنے اچھے ہیں۔ خدا قسم شکیلہ ہمارے گھر میں نیکی کا ستون ہیں عبداللہ بھائی۔

شکیلہ: (آہستہ) میں جانتی ہوں۔

شازی: شکیلہ! تم بڑی خوش نصیب ہو۔

شکیلہ: خوش نصیب؟ وہ کیسے؟

شازی: تمہارے بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔ خدا قسم میرا جی چاہتا ہے عبداللہ بھائی کی شادی ہو۔ ہفتوں رت جگا ہو۔ بھیا کی مہندی والی رات ہو تو میں ساری رات ناچوں۔ ... ناچوں ... ناچوں۔

شکیلہ: ہمارا پاؤں تو ہمیں چلنے پھرنے سے بھی منع کر رہا ہے۔

شازی: شکیلہ ویسے تو اختر اور ممی بھی مجھے بہت پیارے ہیں لیکن عبداللہ بھائی سب سے اچھے کیوں لگتے ہیں مجھے؟

شکیلہ: (منہ پرے کر کے) اب سب سے اچھا لگنے کی کوئی وجہ تو نہیں ہوا کرتی۔

شازی: شکیلہ پروگرام کیا ہے آج کا؟

شکیلہ: آج جہلم سے فرید بھائی کی سسرال والیاں آئیں گی مہندی لے کر۔ کل بارات جائے گی مع باجے کے اور تمہارے..... (اس وقت اختر آتا ہے)

اختر: لیجیے اپنی کیونکس۔ السلام علیکم۔

شکیلہ: اچھا میں چلتی ہوں شازی۔

اختر: کیوں صاحب۔ آپ آمد اور تیم برخاست۔ ہمیشہ اصلی مور پنکھ والی مہر دیکھ کر تگلی دھاگہ خریدیں۔ اس کا دھاگہ پائیدار، مضبوط اور بائیس رنگوں میں ملتا ہے۔

شکیلہ: آپ ہمیشہ اسی طرح خوش رہتے ہیں سب لوگ؟

اختر: خدانخواستہ۔

شازی: کیا مطلب؟

اختر: خوش تو صرف وہ لوگ رہتے ہیں جن کی انشورنس ہو جاتی ہے۔ Evernew کے ساتھ۔ ہم لوگ تو سیدھے سادھے لوگ ہیں۔ جس قدر ہنستے ہیں، اسی قدر روتے بھی ضرور ہیں۔

شکیلہ: مجھے آپ کے خاندان پر بڑا رشک آتا ہے۔

شازی: یہ سب دور کے ڈھول ہیں شکیلہ۔ ہر خاندان کو بس دور سے ہی دیکھنا چاہیے۔ بہتر یہی ہے کہ گھر کے باہر لگی ہوئی تختی کو دیکھ کر چلا جائے آدمی ورنہ قریب سے دیکھیں تو مایوسی ہوتی ہے۔

شکیلہ: (اختر کے پاس آ کر) آپ کیمرہ ریڈی رکھیں جی، شام کو فلیش سمیت۔

اختر: کیمرہ اور کیمرہ مین دونوں تیار ہوں گے لیکن میں جانتا ہوں میری بہنیں ہی ساری تصویریں کھنچوا ڈالیں گی۔ ایک بھی خوبصورت لڑکی کی تصویر نہ کھینچنے دیں گی مجھے تو......

شازی: میں کیا کم خوبصورت ہوں؟

اختر: تم خوبصورت ہو لیکن کسی پلپلی میم کی طرح۔

شازی: ٹھہرو تو سہی تو......

(اب شازی اور اختر میں Horse play ہوتا ہے۔ اختر کو شازی پکڑنا چاہتی ہے۔ اختر سٹول پر چڑھتا ہے۔ وہ سٹول تک پہنچتی ہے تو اختر چھلانگ لگا کر اتر جاتا ہے۔ شکیلہ ہنستی ہوئی تالیاں بجاتی ہے۔ منظر فیڈ آؤٹ ہو کر لان پر پہنچتا ہے۔ لبنیٰ ڈائری میں کچھ لکھ چکی ہے اور اسے پڑھتی ہے۔)

سین 3 شام آؤٹ ڈور (لان)

لبنیٰ: کیا سب لڑکیاں میری طرح بے وقوف ہوتی ہیں لیکن شازی تو ایسی نہیں ہے۔ اپنی ایک پروفیسر پر چوری چوری جان چھڑکتی ہے لیکن اس کے علاوہ وہ کس قدر نارمل ہے۔ (چہرہ اٹھا کر) اب میں پورے دس گنوں گی۔ اگر وہ یہاں آ گیا تو میں سمجھوں گی کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ ایک...... دو...... تین...... چار...... پانچ...... چھ...... سات...... آٹھ...... نو...... دس (جب وہ دس پر پہنچتی ہے تو فرید آتا ہے۔ پہلے وہ عام پینٹ قمیض میں تھا۔ اب اس نے اچکن شلوار پہن رکھی ہے اور ہاتھ میں جناح کیپ ہے۔)

فرید: معاف کیجیے، میں آپ کو بار بار ڈسٹرب کر رہا ہوں۔ آپ کے پاس Shoe horn ہوگا؟

لبنیٰ: وہ جس سے جوتا چڑھاتے ہیں؟

فرید: اس شکیلہ کی بچی سے میں نے کہا تھا کہ یہ سلیم شاہی جوتا ذرا تنگ ہے تو مانی نہیں، اب وہ پچھتا رہی ہے یاؤں پر۔

لبنیٰ: میں ابھی لاتی۔

فرید: نہیں ذرا ٹھہریئے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ مجھے اچکن پہننی چاہیے کہ سوٹ؟

لبنیٰ: جو آپ کو پسند ہو۔

فرید: ویسے تو یہ اچکن شلوار سے زیادہ Comfortable لباس ہے لیکن اس کا جوتا تنگ کرے گا۔

لبنیٰ: تو پھر سوٹ پہن لیجیے۔ کیا رنگ ہے سوٹ کا؟

فرید: Mid night blue ہے لیکن اس کی Waistcoat بہت تنگ کرتی ہے مجھے (گھوم کر لباس دکھاتے ہوئے) آپ کا کیا خیال ہے کہ مجھے یہ جناح کیپ پہننی چاہیے کہ نہیں؟

لبنیٰ: پہن کر دکھایئے۔

فرید: (پہن کر) کیسا لگتا ہوں میں؟

لبنیٰ: معزول شدہ لیڈر سے لگتے ہیں۔

فرید: پھر تو شاید سوٹ بہتر رہے گا۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

لبنیٰ: آپ کی قوت فیصلہ کمزور لگتی ہے۔

فرید: دراصل۔ میں یہ کپڑوں کی الجھن میں تو ایسے ہی پڑ گیا ہوں۔ بات یہ ہے کہ...... اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہاں بیٹھ جاؤں تھوڑی دیر؟

لبنیٰ: ضرور بیٹھیے۔

فرید: پتہ نہیں، کیا بات ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی سے باتیں کیے جاؤں، کیے جاؤں، کیے جاؤں۔ آپ کا خیال ہے کہ یہ شادی کی Excitement ہے کہ......

لبنیٰ: ہو سکتا ہے۔

فرید: ادیب سے دراصل سب پڑھنے والوں کا ایک غائبانہ Relation ہوتا ہے۔ ادیب سے بات کرتے ہوئے بڑی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جیسے انسان اپنے آپ ہی سے باتیں کر رہا ہو۔

لبنیٰ: سچ۔

فرید: ابھی جب میں جوتا پہن کر دیکھ رہا تھا تو مجھے آپ کا خیال آیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ ان سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ عابدہ کے دل سے

پچھلے نکاح کا دکھ بھول چکا ہوگا؟

لبنا: اگر کم نہ بھی ہوا تو آپ کے ساتھ رہتے رہتے کم ہو جائے گا۔

فرید: مجھے۔ میں نے عابدہ سے شادی کا فیصلہ بہت اچانک کیا ہے۔ محض یہ سوچ کر کر وہ بہت ہی تنہا رہ گئی ہے، اپنی والدہ کی موت کے بعد۔

لبنا: آپ کا دل بہت ہی نرم لگتا ہے۔

فرید: میں۔ ظلم کی کوئی صورت بھی پسند نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ سہواً میں کچھ ظلم بھی کرتا ہوں لیکن شعوری حالت میں مجھے ظلم اور بے انصافی سے نفرت ہے۔

لبنا: ہر نیک نفس انسان کا یہی شعار ہے۔

فرید: خدا جانے باقی لوگ ظلم سے کیوں نفرت کرتے ہیں لیکن میری تو خاص وجہ ہے؟

لبنا: خاص وجہ؟

فرید: (ہنس کر) میں نے کشمیر میں اتنے ظلم دیکھے ہیں۔ ایسی ایسی بے انصافیاں دیکھی ہیں کہ ــــ کہ اب تو واقعی جی چاہتا ہے کہ چیونٹی پر بھی پاؤں نہ آئے میرا۔

لبنا: آپ ــــ کشمیری ہیں؟

فرید: اب تو ہم لوگوں کے دکھوں کی داستان بھی پرانے فلمی گانے کی طرح دلچسپ نہیں رہی۔

لبنا: آپ۔ مجھے تو بتا سکتے ہیں سب کچھ؟

فرید: مجھے تو اتنا یاد ہے کہ جب ہمارے گھر کو آگ لگا دی گئی اور میں اور شکیلہ باہر بھاگے تو ہر طرف گولیاں سنسنا سنسنا کر نکلتی تھیں۔ کبھی کبھی موت چوم کر نکل جاتی ہے۔ ساتھ نہیں لے جاتی۔

لبنا: آپ دونوں اکیلے تھے؟

فرید: ابا تو وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔ گھر کی دہلیز پر اور امی یہاں تھیں، ان دنوں ماموں کے پاس شکیلہ اور میں چھوٹے چھوٹے تھے۔ Little children lost in a jungle ۔ اصل میں اس وقت Self-pity کا شکار ہو رہا ہوں بری طرح۔

لبنا: آپ کے کچھ رشتہ دار یہاں بھی تھے؟

فرید: صرف ماموں اور امی تھے۔ باقی سب رشتہ دار تو وہیں ہیں سرینگر میں۔

لبنا: آپ کیسے پہنچے پاکستان؟

فرید: لاکھوں کہانیاں ایسی سن چکی ہوں گی آپ۔ اب کیا بتاؤں کیسے آئے کیسے امی سے ملے، کیسے پڑھے لکھے نوکری کی۔ بس اتنا جان لیجیے کہ جو کچھ ہوا، سو ہوا۔ اب یہ عالم ہے کہ ظلم چاہے پتلے پر ہو چاہے انسان پر، چاہے کسی درخت پر ہو، چاہے مشین پر مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔

لبنا: (منہ پرے کر کے) شاید اس کے باوجود آپ ظلم کر رہے ہیں کسی پر۔

فرید: جی؟

لبنا: میں Shoe horn لا دوں آپ کے لیے۔

فرید: میرا خیال ہے کہ میں سلیم شاہی جوتی نہ پہنوں۔

لبنا: اگر آپ کو تنگ کرتی ہے تو نہ پہنیے۔

فرید: یہ جو عابدہ ہے نا، جس سے میری شادی ہو رہی ہے۔ یہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔

لبنا: بڑی خوشی کی بات ہے۔

فرید: خوبصورت بھی بہت ہے۔

لبنا: جی۔

فرید: ساری خوبیاں ہیں عابدہ میں۔

لبنا: پھر۔

فرید: ایک بات مجھے کہنی تو نہیں چاہیے لیکن ادیبوں کے سامنے بات کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ وہ اس سلیم شاہی جوتی کی طرح ہے۔ میرے پاؤں کے لیے نہیں یہ جوتا۔

لبنا: بلا تکلف کہتے جائیے۔

فرید: میں ایک قسم کی Guilt محسوس کرتا ہوں عابدہ کے معاملے میں۔

لبنا: Guilt

فرید: عابدہ میں وہ سب کچھ ہے جس کی کبھی مجھے آرزو تھی لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے

میرے دل میں کوئی امنگ نہیں، آرزو نہیں۔ میں اپنے آپ کو ...... جیسے اس شادی پر مجبور کر رہا ہوں جیسے

لبنا: شاید آپ کو کسی اور سے محبت ہے؟

فرید: آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟

لبنا: جب سب کچھ مل جائے اور پھر بھی دل خوش نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل کسی اور لگن میں جلتا ہے۔

فرید: آپ ٹھیک کہتی ہیں۔

لبنا: بھول جائیے اب کچھ فائدہ نہیں۔

فرید: یہی میں بھی اپنے آپ کو سمجھاتا ہوں۔ اب کیا حاصل، اب کیا فائدہ، میں سلیم شاہی جوتا اور اچکن ہی پہنوں گا۔

لبنا: اب آپ کو صرف عابدہ کا سوچنا چاہیے، وہی آپ کی منزل ہے۔

فرید: صرف دل میں یہ آرزو تھی کہ اس کو ایک بار بتا تو دیتا۔ اسے علم تو ہو جاتا کہ......

لبنا: جانے دیجیے۔ علم ہو بھی گیا تو صرف پچھتاوے ملیں گے اس کو۔

فرید: آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں اچھا جی میں چلتا ہوں۔

لبنا: Shoe horn تو لے جائیے۔

فرید: میرا خیال ہے، میں سوٹ پہن لوں گا؟ اچھا جی تکلیف معاف، بڑی زحمت دے رہے ہیں ہم آپ لوگوں کو۔ (چلا جاتا ہے)

لبنا: سنیے فرید صاحب۔ (فرید آف کیمرہ ہو جاتا ہے) لیکن اگر اس نے اعتراف بھی کر لیا تو کیا حاصل ہوگا؟ جس خواب کے پورے ہونے کی امید ہی باقی نہ ہو، اس کے پیچھے سفر کرنے سے فائدہ؟ (فرید واپس آتا ہے)

فرید: شاید [illegible]

لبنا: جی نہیں تو۔

فرید: [illegible] فرید فرید کی صدائیں سی آتی ہیں۔ کان [illegible]

لبنا: آپ اگر چاہیں تو اپنا راز مجھے بتا کر دل ہلکا کر سکتے ہیں۔ (پُر امید طریق پر فرید کی طرف دیکھتی ہے)

لبنا: وہ کالج میں میرے ساتھ پڑھتی تھی۔ لمبی سی موٹر میں آیا کرتی تھی۔ (جوں جوں وہ یہ باتیں کرتا ہے لبنا کا چہرہ مغموم ہوتا جاتا ہے۔) وہ اتنی مغرور تھی جیسے بادلوں پر تیرتا ہوا چودھویں کا چاند...... وہ کئی بار مجھے ملنے آئی لیکن نہ اس کی زبان کھلی نہ میں کچھ کہہ سکا۔ آپ کا کیا خیال ہے...... کیا اسے مجھ سے محبت تھی؟

لبنا: اگر آپ کو اس سے پیار تھا تو...... یقیناً اسے بھی ہوگا۔

فرید: وہ بھی جہلم میں رہتی ہے اور اس کی کوٹھی بھی ماموں کی کوٹھی کے پاس ہے بلکہ...... ایک طرح سے تو وہ ہمسائے بھی ہیں ہمارے شاید وہ بھی وہاں آئی ہوئی ہوگی۔

لبنا: کیا نام ہے اس کا؟

فرید: لبنا۔ لبنا شمشیر علی۔ آپ کا نام اسی لیے تو مجھے اچھا لگتا ہے کہ آپ اس کی ہم نام ہیں۔

لبنا: (دکھ سے) شکریہ۔

فرید: آپ پلیز کسی سے ذکر نہ کریں اس بات کا۔

لبنا: (منہ پرے کر کے) ایسی باتوں کا کوئی کسی سے ذکر کرتا ہے بھلا؟

فرید: اچھا جی تھینک یو ایور سو مچ! میں آپ کو بار بار ڈسٹرب کرتا ہوں۔ دراصل مجھے عجیب طرح کی Excitement نے گھیر رکھا ہے۔ میں اچھا آدمی نہیں ہوں ناں جی۔

لبنا: آپ بہت اچھے ہیں۔

فرید: میں جہلم اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ شاید وہ بھی آئی ہوگی وہاں۔ میری یہ آرزو بہت تکلیف دہ ہے میرے لیے۔ جس قدر میں اسے دباتا ہوں، اسی قدر یہ ابھرتی ہے...... (پاس آ کر) آپ میرے لیے دعا کریں جی۔

لبنا: ضرور کروں گی فرید صاحب۔

فرید: اچھا جی...... (چلا جاتا ہے۔ لبنا کا چہرہ کیمرے کے C.U. میں آتا ہے)

لبنا: میری یہ آرزو میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے میرے لیے۔ جس قدر میں اسے دباتی ہوں، اسی قدر یہ ابھرتی ہے۔ (اس وقت شکیلہ آتی ہے)

شکیلہ: (آنسو پونچھتے ہوئے) لبنا باجی بھیا تو اس طرف نہیں آئے۔

لبنا: کیوں کیا بات ہے شکیلہ؟

شکیلہ: (روتے ہوئے) بڑی بری خبر ہے۔ میں تو بھیا کو Face نہیں کر سکتی، جہلم سے تار آیا۔

لبنا: تار کیسا، تار مجھے دکھاؤ۔

شکیلہ: (تار دیتے ہوئے) میری ہونے والی بھابی مر گئی۔ لبنا باجی اس نے زہر کھا لیا۔ میں جانتی تھی وہ زہر کھائے گی۔ ہائے میرے بیچارے بھیا کیا کریں گے۔ تار میں اس بات کا ذکر نہیں ہے۔ آپ پڑھ لیں لیکن میں جانتی ہوں اس کی موت نیچرل نہیں ہے، وہ کہا کرتی تھی، کیا ہوا اس نے مجھے طلاق دیدی۔ میں کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔ میرے بھیا کیا کریں گے؟ انہیں کتنی محبت ہے عابدہ سے، بڑی محبت ہے۔ بڑی محبت ہے لبنا باجی۔

(لبنا کے ہاتھ میں تار ہے)

فیڈ آؤٹ

---------O---------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 5

کردار

امی: تابش

ابا: مولوی عبدالصمد

ڈاکٹر: عبداللہ

لبنا:

شازی:

اختر:

جمی:

اور شکیلہ

اور مسز بخاری

سین 1 شام ان ڈور (ڈرائنگ روم)

(عبدالصمد صاحب کے کھانے کے کمرے میں شام کی چائے کا وقت۔ اس وقت بیگم بخاری ڈائننگ ٹیبل پر اکیلی بیٹھی ہیں اور تابش کھانے پینے کے انتظام میں مشغول ہے۔ چائے کا مکمل انتظام پہلے سے لگا ہوا ہے۔ صرف آخری کچھ چیزیں رکھنی باقی ہیں۔)

مسز بخاری: لیکن بیگم صمد آپ اتنے تھوڑے پیسوں میں Manage کس طرح کرتی ہیں میں تو خدا قسم مہینے کی پہلی تاریخ کو پندرہ سو روپیہ لیتی ہوں بخاری سے پھر سارا مہینہ میری ہتھیلی بڑھی رہتی ہے اور ان کا ہاتھ جیب میں جاتا رہتا ہے۔

تابش: دیکھئے ہاؤس کیپنگ میں تو ایک اصول پکڑ رکھا ہے میں نے۔ پہلے کفایت ......اور پھر کفایت اور اس کے بعد کفایت۔

مسز بخاری: میں تو پانچ روپے بچاؤں تو بیس خرچ کرنا پڑتے ہیں۔ آپ کی اولاد آپ کے ساتھ بہت Co-operate کرتی ہے۔

تابش: جی بی یا یوں سمجھ لیجیے، میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت جلد سمجھوتہ کر لیتی ہوں۔

مسز بخاری: ہم تو گھر والے کبھی کسی بات پر متفق ہوتے ہی نہیں۔ ایک مرغی پکانا ہو تاں بیگم صمد تو دل Suggestions ملتے ہیں۔ راشدہ کہتی ہے شوربہ ہو، وحیدہ کہتی ہے Grill کروائیں گی، مزہ تو جبھی ہے روسٹ ہو

تابش: دیکھئے، سنیئے سب کی اور کیجیے وہی جو آپ کا دل چاہے۔ اس وقت عبدالصمد پائپ

پیتا کھانستا ڈریسنگ گاؤن پہنے اور سر پر پیلا کالا وہ قسم کی ٹوپی پہن کر آتا ہے)

مسز بخاری: کیوں بھئی چائے تیار ہو گئی تابش جان؟

تابش: میں تو کب کی گھنٹی بجا رہی ہوں۔
(پھر گھنٹی بجاتی ہے)

صمد: (مسز بخاری سے) مزاج کیسے ہیں آپ کے؟

مسز بخاری: شکر یہ بخاری کو کچھ Flu کا اٹیک ہو رہا ہے۔ کھانستے پھرتے ہیں سارے گھر میں۔

صمد: (ہنس کر) بخاری پلپلا آدمی ہے۔ آپ نے بھی اسے بالکل روئی میں لپٹا چوزہ بنا رکھا ہے۔

مسز بخاری: کیا کروں صمد بھائی، بڑی نازک طبیعت ہے بخاری کی۔

صمد: Pamper بہت کرتی ہیں آپ اسے۔ ایسی بیویاں اب مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں زمانے میں۔

مسز بخاری: تھینک یو صمد بھائی۔ آپ ذرا یہ بات ان کے سامنے بھی کبھی کہہ دیجیے۔

صمد: جناب والا اقبال کا وہ شعر نہیں سنا آپ نے؟

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

مسز بخاری: بھائی یہ شعر آپ مجھے لکھوا دیجیے، میں بخاری کو سناؤں گی۔

تابش: آپ نے میری یہ ساڑھی نہیں دیکھی بیگم صاحب؟

مسز بخاری: چشم بددور، کہاں سے لی؟

تابش: ایک پٹھان سے خریدی تھی۔ بارہ روپے گز مل گئی۔ جاپانی شموز ہے، دیکھ لیں گز گز پر مہر ہے۔

مسز بخاری: ہائے بھئی مجھے تو پٹھان پچھلی دفعہ لوٹ ہی گئے۔ پاکستانی کپڑا ولایتی کر کے بیچ گئے میرے سامنے۔

صمد: آپ لوگ کل ٹوپی پارک نہیں آئے۔ بڑا ونڈرفل فنکشن تھا۔ لاہور سے آرٹسٹس

موجود تھے۔ Elite

آئے ہوئے تھے۔ سارے پنڈی کے

مسز بخاری: کیا بتائیں صمد بھائی، ایک شادی پر جانا پڑا مجھے تو تینوں بچیوں کو لے کر ہیئر ڈریسر کے پاس گئی، وہیں لیٹ ہوگئی۔

(اس وقت لبنا اور شازی داخل ہوتی ہیں)

لبنا:
شازی:] السلام علیکم خالہ جان۔

مسز بخاری: وعلیکم السلام۔

(تابش کی ایک گال کو لبنا اور دوسری گال کو شازی چوم کر پھر باپ کے پاس جاتی ہیں۔ باپ دونوں کو شاباش دینے کے انداز میں تھپکتا ہے۔ اس وقت اختر داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول ہے۔)

اختر: السلام علیکم حاضرین خانہ۔

(ماں کے پاس جا کر پھول اس کے بالوں میں لگاتا ہے)

باقی سب: وعلیکم السلام۔

صمد: کیوں برخوردار پڑھائی کیسی جاری ہے؟

اختر: فسٹ کلاس ابا جی۔

صمد: اور وہ۔۔۔کیمرہ وغیرہ۔

شازی: وہ شوق تو اب باسی ہوگیا ابا جی۔

بخاری: اچھا۔

لبنا: اب تو Debating کا بھوت سوار ہے ان پر۔

اختر: (یکدم مباحثہ کے انداز میں)

ابھی مخالف ایوان سے ایک نہایت شوخ چشم اور ذہین مقرر نے اٹھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کسی ملک کی بقاء اسی بات میں ہے کہ ملک میں چاہے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی بدحالی کیوں نہ ہو لیکن عالمی رائے اگر ٹھیک رہے گی تو اس کی سالمیت کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ فاضل مقرر شائد بھول گئے ہیں کہ ملک

مثل ایک خاندان کے ہے اور خاندان افراد کا مجموعہ ہے اور افراد مثل جسم کے مختلف اعضاء کے ہیں۔ اگر جسم کا ایک حصہ بھی ناکارہ ہو جائے تو جسم بیمار کہلاتا ہے۔ اگر مشین کا ایک پرزہ بھی وقت معینہ پر کام نہ کرے تو مشین چل نہیں سکتی۔ گرامی قدر صدر اور معزز حاضرین جانتے ہیں کہ دریا، ندی، نالوں سے بنتا ہے۔ درخت کی ایک ڈالی درخت نہیں کہلا سکتی۔ فرد کو خاندان کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ صاحب صدر ملک کی بقاء اسی میں ہے کہ سیاسی اقتصادی اور معاشرتی محاذوں پر توجہ دی جائے ورنہ ملک کی بقاء ناممکن ہوگی۔ شکریہ (خود تالیاں بجاتا ہے) تالی بجاؤ، اتنا بھی نہیں ہوتا تم دونوں سے۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں۔ اسی وقت عبداللہ اور جمی داخل ہوتے ہیں۔ عبداللہ کا سیتھسکوپ جمی کے گلے میں ہے اور عبداللہ نے سر پر اخبار کی بنی ہوئی لمبی سی تکونی ٹوپی پہن رکھی ہے۔)

عبداللہ: السلام علیکم Everybody

جمی: السلام علیکم۔

تابش: (جمی کا گال چومتی ہے۔)

باقی سب: وعلیکم السلام۔

صمد: بڑی دیر لگا دی تم سب نے......بھئی۔

جمی: میں اور بھیا جی کھیل رہے تھے ابا جی۔

مسز بخاری: ہائے مسز تابش آپ کا فیملی کتنا Happy کتنا Contented کتنا۔ Self sufficient ہے۔ I envy you, I envy you really.

صمد: اللہ کی مہربانی ہے بیگم بخاری۔ میرے ساتھ کے لوگ ابھی کہیں بھی نہیں پہنچے زندگی میں۔

(بیگم بخاری اٹھتی ہے)

مسز بخاری: میں اپنی بچیوں سے ہمیشہ کہتی ہوں کہ چل کر بیگم صمد کا فیملی دیکھو، کسی کرسمس کارڈ کی طرح خوبصورت ہے۔

تابش: آپ کیوں اٹھ بیٹھیں بیگم بخاری؟

بیگم بخاری: بس جی میں چلوں، بخاری بیچارے کافی مانگ رہے تھے۔ میں تو بیگم صمد کو ایک بات بتانے آئی تھی۔ (آنکھ مار کر) کیسا سکینڈل بتایا آپ کو کیپٹن اعجاز کا تابش۔

صمد: کیا ہوا کیپٹن اعجاز کو؟

بیگم بخاری: (صمد کے پاس ہو کر قریباً کان کے پاس) اس کی بیوی کا بڑا سکینڈل ہے پروفیسر نعیم کے ساتھ۔ بچیاں بیٹھی ہیں، آپ تابش سے پوچھ لیں۔ ڈیٹیل اچھا۔ تابش خدا حافظ۔

تابش: تھوڑی دیر تو بیٹھیں آپ۔

بیگم بخاری: بس چائے کی پیالی پی لی، تھینک یو۔ میں اس وقت کچھ نہیں کھاتی چائے کے ساتھ۔ خدا حافظ۔

سب: خدا حافظ۔

(صمد، ڈاکٹر عبداللہ اور اختر کھڑے ہوتے ہیں۔ جی بھی بھائیوں کی نقل میں بادل نخواستہ اٹھتا ہے۔ سب کے چہرے نہایت شگفتہ مسکراہٹوں سے جگمگا رہے ہیں۔ جونہی بخاری روانہ ہو جاتی ہے۔ تابش سر سے پھول اتار کر اپنی پلیٹ میں رکھتی ہے۔ عبداللہ ٹوپی اتار لیتا ہے)

شازی: لیمن ٹارٹ تو میں نے کھائی تھی باجی۔

تابش: تو پھر کیا ہو گیا تم چاکلیٹ پیس لے لو۔

صمد: خاموش!

(کرسی پیچھے کر کے نہایت سنجیدہ انداز میں توجہ چاہتا ہے۔ اس پروگرام میں چونکہ کھانے کی میز پر سارا ایکشن ہے اس لیے بڑی توجہ درکار ہوگی، عموماً کردار اتنے زیادہ چھری چمچے ہلانا شروع کر دیتے ہیں کہ گفتگو سنائی نہیں دیتی اور ٹیبل کی چیزوں کا شور رہ جاتا ہے۔ برتنوں کو احتیاط کے اٹھانے پر یہ تکلیف دور ہو سکتی ہے اور یہ بھی احتیاط کی جا سکتی ہے کہ کردار کھائیں زیادہ اور چائے کم پئیں۔)

آج میں اس خاندان کے سارے بخیے ادھیڑ کر رہوں گا۔

اختر: اباجی یہ کام تو چائے کے بعد بھی ہو سکتا ہے آسانی سے۔

تابش: (چیک پکڑ کر) رکھی سے کہو، اس میں اور چائے بنا دے شاباش۔

صمد: میں دیکھ رہا ہوں کہ اس گھر میں سب اپنی اپنی لگن میں مست ہیں۔ کسی کو دوسرے کی پروا نہیں۔

تابش: چھوڑیے صمد۔

صمد: میں باپ ہوں مجھے بات کرنے دیں اپنے بچوں سے۔

عبداللہ: اباجی ہر انسان دنیا کی طرح ہے۔ ایک تو وہ اپنے محور پر گھومتا ہے۔ اندر ہی اندر اور دوسرے وہ مدار ہے دنیا کا جس پر وہ سورج کے گرد گھومتی ہے۔ اندر کا چکر تیز ہوتا ہے۔ باہر کا چکر سست اور لمبا ہوتا ہے۔ میں نے کئی بار کلینک میں......

صمد: کلینک کی بات نہیں ہو رہی اس وقت۔ تم سب جانتے ہو کہ مولوی عبدالجبار کا گھرانہ اس مقام پر کیسے پہنچا؟ ہم لوگ ہمارا گھرانہ شرعی ڈاڑھی رکھتے تھے۔ ٹخنوں تک شلوار پہنتے تھے۔ ہر نماز مسجد میں پڑھتے تھے۔ جب وہ چیزیں معیار شرافت و نجابت تھیں۔ ہمارے گھرانے کے پاس وہ سارے سکے موجود تھے جن کی بنا پر ساکھ قائم ہوتی ہے۔ اب وقت بدل گیا تو بھی عبدالصمد کے پاس سکہ رائج الوقت موجود ہے۔ تعلیم، پوزیشن، دولت......

لبنا: اباجی گستاخی معاف، اس گھرانے میں اب امی بھی شامل ہیں۔ ان کے گھرانے کی روایات بھی سردست بیان کر دیں۔

صمد: یہ شادی سے پہلے جے وی پاس استانی تھیں۔ کارپوریشن کے سکول میں پڑھاتی تھیں اور انسپکٹرس آف سکولز ان کا خدا تھی۔ ان کی داستان بس اتنی سی ہے۔

(تابش یہ بات سن کر منہ پھیر لیتی ہے اور سائیڈ بورڈ کے پاس جا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ عبداللہ ماں کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہاتھ ماں کے کندھے پر رکھتا ہے۔)

شازی: اباجی اس لیکچر کا مطلب کیا ہے؟

صمد: مجھے معلوم تھا تم سوال ضرور کرو گی۔ سنو بی صاحبزادی اس لیکچر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو جگہ حاصل کی ہے، اس کے پیچھے قربانیوں کی ایک بڑی داستان ہے۔ لوگ خدا جانے کس طرح پوزیشن بناتے ہیں لیکن میرے گھر میں اندر اور باہر کی قدریں برابر ہیں۔ اس گھر میں ایک پائی کبھی حرام کی داخل نہیں ہوئی اور پھر بھی دیکھو لو کہ کسی سے کم نہیں ہے عبدالصمد۔

اختر: Excuse me ابی میں ذرا کالج جا رہا ہوں۔

صمد: کیوں، کس لیے؟ یہ کونسا وقت ہے کالج کا؟

(اختر چپ چاپ کھڑا ہو جاتا ہے)

اختر: ایک مباحثہ ہے جی۔ ڈھاکہ سے کچھ سٹوڈنٹس آئے ہوئے ہیں۔

صمد: سنو اختر۔ میں اس گھر کے کسی فرد کو اپنی رو میں نہیں بہہ جانے دوں گا۔ تم سب کو سب سے پہلے یہ سوچنا ہوگا کہ ہمارے گھرانے کا نام پہلی چیز ہے۔

اختر: ہاں جی۔ میں تو کالج میں بھی سب سے کہا کرتا ہے کہ ہمارا گھرانہ پاکستان کے بائیس گھرانوں جتنا امیر تو نہیں لیکن ان سے کم عزت دار نہیں ہے کسی طرح بھی۔

(شازی اور لبنا کھی کھی کر کے ہنستی ہیں)

صمد: اس میں ہنسنے کی کونسی بات ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ شاباش جو قومیں اپنی مدد آپ نہیں کرتیں انہیں اللہ میاں فنا کر دیتا ہے۔ جو لوگ اپنی عزت خود نہیں کرتے، انہیں خدا عزت نہیں دیتا۔

عبداللہ: (عبداللہ گھڑی دیکھ کر) ابی میں تو کلینک جا رہا ہوں اب۔

تابش: جلدی آ جانا عبداللہ۔

عبداللہ: رات آپ کیسا سوئیں دوائی کے بعد؟

تابش: [illegible]

صمد: تم ابھی کلینک نہیں جا سکتے۔ تم جاؤ اختر کالج اور صبح کے مباحثے میں حصہ لینا۔

اختر: شاباش۔

اختر: شکریہ ابا جی۔

تابش: شازی ذرا دیکھ تو یہ جمی چائے لے کر کیوں نہیں آیا۔

صمد: بیٹھ جاؤ میرے سامنے والی کرسی پر۔

(عبداللہ اور باپ کھانے کے کمرے کی Head اور Tail والی جگہ بیٹھے ہیں۔ لبنا اور تابش لمبائی کے رخ پر آمنے سامنے ہیں۔ شازی اور اختر اور جمی چلے گئے ہیں۔)

صمد: میں کیا بھونک رہا ہوں پونے دو مہینے سے؟

تابش: آپ آرام سے بات کریں خدا کے لیے۔ نوکروں تک تو آواز نہ جائے۔

صمد: ساری دنیا کیا سمجھتی ہے کہ عبدالصمد کا اپنے گھرانے پر بہت رعب ہے۔ چیونٹی نہیں ہلتی اس کے گھر میں اس کی رائے کے بغیر۔

لبنا: ہم سب آپ کے فرمانبردار ہیں ابا جی۔

صمد: تم فرمانبردار ہوتیں تو بی اے نہ مکمل کر لیتیں۔ افسانہ نگاری میں کیا پڑا ہے؟ کیا مستقبل ہے ایک افسانہ نگار عورت کا۔

عبداللہ: آج کل تو بڑی مارکیٹ ہے خواتین کی اس Field میں ابا جی کہیں فلم بن گئی ایک آدھ لبنا کی تو پھر دیکھنا آپ۔

صمد: فلم والوں کو پاگل کتے نے نہیں کاٹا۔

عبداللہ: مجھے ایک گلاس پانی پلانا لبنا۔ تھینک یو۔

صمد: جب میں کسی کو سمجھانے لگوں تو بھگا دیا کرو اسے۔ تم سب نے ملی بھگت بنا رکھی ہے میرے خلاف۔

لبنا: (جاتے ہوئے) ابھی آئی ابا جی۔

تابش: جو بات اطمینان سے کی جا سکتی ہو، اسے آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں کہ بات سننے سے پہلے ہی آدمی خلاف ہو جائے۔

صمد: اچھا تم اطمینان سے بات کر لو۔ میں چپکا بیٹھا ہوں۔

تابش: عبداللہ تمہارے ابا آرزومند ہیں کہ تمہاری شادی کر دی جائے؟

عبداللہ: (اٹھتے ہوئے) کیوں؟

صمد: سن لیا جواب۔ کیوں کی جاتی ہے شادی۔ کس لیے کی جاتی ہے شادی؟ کن حالات میں ہو جاتی ہے شادی؟

تابش: توبہ صمد۔ پلیز اسے بات تو کرنے دیجیے۔

(عبداللہ سائیڈ بورڈ کے پاس جا کر ایک کہنی سائیڈ بورڈ پر رکھتا ہے۔ پھر باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ باتوں کے دوران وہ سائیڈ بورڈ پر پڑی ہوئی گولیوں کی ایک شیشی اٹھا کر دیکھنے لگتا ہے اور پھر اس کی دو گولیاں ہتھیلی پر اتار کر تقریر کے اختتام پر ماں کو دے دیتا ہے۔)

عبداللہ: (آہستہ آہستہ تھم کر) اباجی...... میں شادی کے خلاف نہیں ہوں بلکہ کبھی کبھی تو مجھے کلینک سے واپس آ کر ایک عجیب قسم کی تنہائی کا احساس ہوتا ہے اس بھرے گھر میں لیکن میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میرے اندر کا محور کس قدر تیز چلتا ہے اور میں اپنے مدار پر کتنی سستی سے رواں دواں ہوں۔ میں تعلیم کی وجہ سے ڈاکٹر نہیں بنا۔ میری افتادِ طبع میری زندگی میرا سب کچھ میری ڈاکٹری ہے۔ میں کسی عورت کو احساسِ محرومی عطا کرنا نہیں چاہتا۔ یہ دو تا من کی گولیاں کھا لیجیے امی۔

صمد: سنا تم نے ان کا فلسفہ شادی احساسِ محرومی عطا کرتی ہے عورت کو...... ارے گدھے آدمی عورت کی تکمیل ہی شادی کے بعد ہوتی ہے۔ اسے تو کچھ پانے کچھ بن جانے کا احساس ہی اس وقت ہوتا ہے جب اس کی شادی ہوتی ہے۔

عبداللہ: بشرطیکہ یہ احساس اس کا شوہر اسے دلاتا رہے ہمیشہ۔

صمد: تمہارا کوئی علاج نہیں میاں صاحبزادے۔ تم خبطی ہو، سنکی ہو، بر خود غلط ہو۔ میں جب تم سے کہہ رہا ہوں اور بار بار کہہ رہا ہوں کہ جو قدم خاندان کی سالمیت کے لیے ضروری ہو، وہ اٹھایا جائے گا اور ضرور اٹھایا جائے گا۔ سوسائٹی تم سے شادی کی توقع [illegible] ہم معاشرے کو [illegible] نہیں کر سکتے۔

عبداللہ: میرا دن کلینک میں گذرتا ہے آدھی رات کو مریضوں کو دیکھنے جاتا رہتا ہوں۔ میں اس غریب کو وقت نہیں دے سکوں گا۔

صمد: چلو ابھی سے وہ غریب بھی [illegible]......

تابش: اگر سارے ڈاکٹر تمہاری طرح سوچتے تو کیا بنتا ان کا۔

عبداللہ: میں ایک Individual ہوں امی، میں سارے ڈاکٹروں کی سوچ کو کیا جانوں، میرے لیے اس وقت شادی ناممکن ہے۔

صمد: بالفاظِ دیگر تم اپنی ذات کو خاندان کی روایات پر ترجیح دے رہے ہو۔

عبداللہ: میں مجبور ہوں اباجی۔

صمد: اگر تمہیں کہیں محبت ہوتی تو یہ مجبوری میں سمجھ سکتا تھا۔ اگر تم برسرِ روزگار نہ ہوتے تو بھی یہ مجبوری میری سمجھ میں آ سکتی تھی لیکن اب تو یہ احمقوں والی منطق ہے۔ اسے کوئی احمق ہی سمجھے گا۔

تابش: محبت سے بات کیجیے، تحمل سے بات کیجیے۔

صمد: چلیے اب آپ کی باری ہے کمخواب میں جوتا لپیٹ کر ماریے۔

(تابش پاس جا کر محبت سے عبداللہ کے دونوں کندھے پکڑتی ہے)

تابش: کیا بات ہے عبداللہ تم مجھے بھی نہیں بتا سکتے اصلی بات؟

عبداللہ: کون جانے امی یہ Fear of the unknown ہو سارا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ فی الحال ایسی کوئی لڑکی یا عورت پیدا نہیں ہوئی جو مرد سے پوری توجہ نہ چاہے اور ڈاکٹری ایسا پروفیشن نہیں ہے جس میں رہ کر انسان دیانتدار بھی ہو اور عورت پر پوری توجہ بھی دے سکے۔

صمد: تو مت بنو اس قدر دیانتدار......

عبداللہ: ہم مولوی عبدالجبار کے خاندان کے فرد ہیں اباجی۔

صمد: (زچ ہو کر اٹھتے ہوئے) شام سے پہلے مجھے اس بات کا مثبت جواب چاہیے۔ تم کو جس قدر بحث کرنا ہو، اپنی ماں سے کر لو شام تک۔

(زور سے رومال میں ناک صاف کرتا ہوا جاتا ہے)

تابش: تمہیں کسی سے محبت ہے عبداللہ۔

عبداللہ: جی نہیں۔

تابش: شاید وہ کسی ایسے خاندان کی لڑکی ہے کہ تم اس کا ذکر ہم سے کرتے ہوئے شرماتے ہو؟

عبداللہ: ایسی کوئی بات نہیں ہے امی۔

تابش: تم اسے مجھ سے ملا نہیں سکتے؟

عبداللہ: اگر ایسی کوئی لڑکی میری زندگی میں آ گئی امی تو میں اسے ضرور آپ سے ملاؤں گا سب سے پہلے۔

تابش: پھر کیا بات ہے؟

عبداللہ: پتہ نہیں امی کیا بات ہے، یوں سمجھ لیجیے کہ جب کوئی مجھ سے توقع باندھ کر آتا ہے اور مجھے اسے مایوس لوٹانا پڑتا ہے تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ (شازی ہاتھ میں ٹی پاٹ لے کر آتی ہے)

شازی: امی جی رگھی بلا رہی ہے آپ کو باورچی خانے میں۔ ہائے یہ سب لوگ کہاں گئے بھیا جی؟

عبداللہ: بھاگ گئے اپنے اپنے بلوں میں۔ انسان کتنی آرزو سے دوسروں کو ملتا ہے اور پھر کس قدر بھاگتا ہے لوگوں کو چھوڑ کر۔

(شازی عبداللہ کے پاس پیسٹری کی پلیٹ لاتی ہے۔)

شازی: (عبداللہ کو offer کرتے ہوئے) میں چھوٹی ہوں اور مجھے کوئی حق نہیں ایسی باتوں میں دخل دوں پر...... آپ شادی کر لیجیے بھیا جی۔

عبداللہ: کیوں؟

شازی: تا کہ...... تا کہ امی ابا خوش ہوں۔ بڑے ابا کی خدمت کرنے والی بہو آ جائے۔

عبداللہ: آج کل بہو خدمت کے لیے نہیں ہوتی۔

شازی: تا کہ بھیا جی ہم ڈھولک بجا سکیں۔ نئے کپڑے سلوا سکیں۔ سہیلیوں کو کارڈ بانٹ سکیں، بھابی سے مانگ مانگ کر زیور پہن سکیں۔ کئی فلمیں دیکھ سکیں بھابی جان کے ساتھ۔

عبداللہ: (محبت سے شازی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) ایسی ہی معصوم سوچ اس کی بھی ہوگی اور پھر شادی کے بعد اسے پتہ چلے گا کہ شادی کے نئے کپڑے پہننے کا نام نہیں ہے۔ شادی ہر فلم کا پہلا شو دیکھنے کے مترادف نہیں ہے۔ اسے پتہ چلے گا کہ

شادی تو اس گھوڑے کی زندگی ہے جو ایک ہی ریس میں چالیس چالیس Hurdles الانگتا ہے اور پھر بھی فسٹ نہیں آتا۔

شازی: شادی کر لیجیے بھیا جی پلیز۔ خدا کی قسم مجھے ناچنے کا بہت شوق ہے۔ ہمیں چھپ چھپ کر ناچنا پڑتا ہے۔ آپ کی شادی پر ہمیں موقع مل جائے گا۔ (اندر سے امی آواز دیتی ہے)

امی: شازی! شازی بیٹے۔

شازی: آئی امی (بھاگ کر جاتی ہے)

(شازی ایک طرف سے جاتی ہے اور دوسری طرف سے لبنا پانی کا گلاس لے کر آتی ہے)

لبنا: بھیا جی پانی۔ (اب عبداللہ خالی میز پر اکیلا سر کو ہاتھوں پر رکھے بیٹھا ہے۔ وہ لبنا کی بات نہیں سنتا۔ لبنا پھر سے کہتی ہے)

لبنا: پانی۔ بھیا جی۔

عبداللہ: (سر اٹھا کر) ہاں...... وہ پانی...... (پانی پیتا ہے) میرے پاس بیٹھو لبنا۔ یہاں......

لبنا: جی۔

عبداللہ: لڑکیوں کو شادی کا بہت شوق ہوتا ہے؟

لبنا: (منہ پرے کر کے) جی۔

عبداللہ: مرد کو کیوں احساس ہوتا ہے کہ شادی فل سٹاپ ہے، زنجیر ہے۔ ساری صلاحیتوں پر ایک ڈھکنا ہے۔ مرد کو کیوں احساس ہوتا ہے کہ اس کی آزادی کو سلب کیا جا رہا ہے۔ جیسے اسے Trap کیا جا رہا ہے۔

لبنا: میں کیا جانتی ہوں بھیا جی، آپ مرد ہیں۔ آپ خود تجزیہ کیجیے اپنی Feelings کا۔

عبداللہ: تم افسانہ نویس تو ہو ناں۔ لوگوں میں جھانکنے کی کوشش تو کر سکتی ہو۔

لبنا: ایسی کوشش سے کیا فائدہ ہوا کرتا ہے، بھیا جی۔

عبداللہ: میرے دل میں شادی کی آرزو نہیں، امنگ نہیں۔ میں گیلی پھلجھڑی ہوں، ابا امی

مجھ سے کیوں جگمگانے کی توقع لگائے بیٹھے ہیں؟

لبنا: توقع بھیا جی کسی کے کہنے سے تو نہیں ہو جاتی، تھوہر کو بھی پھول لگ جاتے ہیں دن کبھی۔

عبداللہ: کیا مشورہ ہے تمہارا؟

لبنا: آپ شادی کرلیں بھیا جی۔

عبداللہ: میں تو اپنی بہنوں کی شادی بھی نہیں کرنا چاہتا۔ تم...... مجھے ہی الٹا پھنسا رہی ہو۔

لبنا: آپ شادی کرلیں گے، مجھے یقین ہے۔ پھر میری اور شازی کی شادی ہو جائے گی۔ پھر اختر اور جی بیاہے جائیں گے۔ رفتہ رفتہ پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں اپنے اپنے بچوں کو ہم اسی طرح سمجھائیں گے اور زندگی چھوٹے چھوٹے Pattern بدلے گی۔ ننھے ننھے نئے نقوش ضرور بدلیں گے لیکن دھارا وہی رہے گا۔

عبداللہ: تمہاری باتوں میں اتنی قنوطیت کیوں ہے۔ میری طرف دیکھو۔

لبنا: (بھائی کی طرف چہرہ کرتی ہے) جی۔

(عبداللہ اس کی آنکھوں کے پپوٹے کھول کر دیکھتا ہے)

عبداللہ: ناخن دکھاؤ اپنے۔ (لبنا ہاتھ دکھاتی ہے)

عبداللہ: منہ کھولو۔ (جیب سے بیٹری نکال کر وہ لبنا کا حلق دیکھتا ہے) وٹامن سی کی گولی 500 mg میں ایک بار Iron tonic جو امی پی رہی ہیں، دن میں دو بار اور کچی سبزیاں اور پھل Outdoor excercise اور Deep breathing سمجھیں۔

لبنا: جی۔

عبداللہ: اب گاتی ہوئی سیدھی لان میں جاؤ۔

لبنا: (ہنس کر) اچھا جی۔ (گنگناتی چلی جاتی ہے)

(اب عبداللہ پھر سوچنے کے انداز میں سر پکڑ کر میز پر کہنیاں جمائے بیٹھا ہے۔

(جی پیچھے سے آ کر سٹیتھوسکوپ لگا کر اس کے دل پر رکھتا ہے)

جی: بڑے زور سے دھڑک رہا ہے آپ کا دل بھیا جی۔ دھک دھک۔

عبداللہ: بیٹھو یار، ایک مشورہ کرنا تھا تم سے۔

جی: جی بھیا؟

عبداللہ: تمہیں معلوم ہے میری زندگی کیسی ہے؟

جی: پتہ ہے بھیا جی۔

عبداللہ: کیسی ہے بھلا؟

جی: صبح و شام کام، کلینک اور مریض۔

عبداللہ: پھر اگر میری شادی ہو گئی تو میری بیوی روئے گی ناں اکیلی۔

جی: کیوں بھیا جی اکیلی کیوں، باجی اور شازی آپا ساتھ ہوں گی۔

عبداللہ: ان کے ساتھ تو وہ لڑا کرے گی۔

جی: کیوں جی؟

عبداللہ: بس لڑا کرے گی۔ یہ رواج ہے ہمارے ملک میں۔

جی: امی ہیں بھیا جی۔

عبداللہ: امی تو بیچاری خود سلیپنگ پلز لے کر سوتی ہیں۔ سارا دن فیشن کے چکر میں رہتی ہیں۔ وہ کیا کرسکیں گی؟

جی: (بھیا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر) بھیا جی جب میں سکول سے آیا کروں گا تو ان کے پاس ہی رہا کروں گا سارا وقت۔

عبداللہ: لیکن وہ کیا کیا کرے گی؟

جی: مجھے پڑھایا کریں گی بھیا جی۔

عبداللہ: تم پڑھو گے اس سے؟

جی: ہاں جی۔ پھر میں کسی مضمون میں کمزور نہیں رہوں گا۔ ہر کاپی میں مجھے good ملا کرے گا۔ (اندر سے امی آتی ہیں)

امی: جی ہوم ورک کرلیا تم نے؟

جی: نہیں امی جی۔

امی: پھر کس وقت ہوگا ہوم ورک۔ (کلائی کی گھڑی دیکھ کر) ابھی تھوڑی دیر میں

ٹیلیویژن شروع ہو جائے گا، جاؤ شاباش۔ کام کر لو۔

عبداللہ: (ہاتھ بڑھا کر) Shake hands (جمی ہاتھ ملاتا ہے) Strongly like a man

امی: (عبداللہ کے کندھوں کو پکڑ کر) پھر کیا سوچا تم نے؟

عبداللہ: (جمی کو محبت سے جاتا ہوا دیکھ رہا ہے) جی؟

امی: اس گھر میں جتنے غلط قدم اٹھائے جائیں گے، سب کی ذمہ دار میں ہوں گی۔ جو بھی غلطی جب بھی ہوگی، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے گا تو قصور میرا نکل آئے گا۔

عبداللہ: (کھڑے ہو کر) میں نے فیصلہ کر لیا ہے امی۔

امی: کیسا فیصلہ؟

عبداللہ: آپ لڑکی تلاش کر لیجیے۔

امی: (خوشی کے ساتھ) عبداللہ۔

عبداللہ: لیکن ——

امی: پھر لیکن ——

عبداللہ: وہ لڑکی بچوں سے محبت کرتی ہو۔ وہ میرا سب کچھ لے سکتی ہے لیکن اپنا وقت میں اسے نہیں دے سکتا۔ اگر وہ بچوں سے محبت کرنے والی ہوئی تو وہ اس گھر میں تنہا نہیں رہے گی۔

امی: ٹھیک ہے۔ میں سب سمجھا دوں گی لڑکی والوں کو۔

عبداللہ: مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ شب بخیر امی۔ میں دیر سے آؤں گا رات کو۔

امی: شب بخیر عبداللہ۔

(اس کے ساتھ ہی ہم کٹ کر کے برآمدے میں چلے جاتے ہیں۔ برآمدے میں شکیلہ ایک کرسی پر بیٹھی ہے۔ سامنے جمی کھڑا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو بال Pass کر رہے ہیں۔ شکیلہ کے پاؤں پر اب بھی پٹی بندھی ہے۔ دروازہ کھول کر عبداللہ برآمدے میں آتا ہے۔ وہ جیسے پہلی مرتبہ شکیلہ کو دیکھتا ہے اور رکتا ہے۔ بال گر کر اس کے پاؤں میں آتی ہے۔ وہ بال اٹھا کر جمی کے پاس جا کر بال اسے دیتا ہے۔)

عبداللہ: (محبت سے) اور امی نے کیا کہا تھا آپ کو؟

میں جا رہا تھا عبداللہ بھائی۔

شکیلہ: دراصل میرا قصور یہ ہے۔ میں نے اسے کھیل میں لگا لیا۔

جمی: آپ ٹیلی ویژن دیکھ کر جائیں گی ناں شکیلہ باجی۔

شکیلہ: جس طرح تم حکم دو گے۔ (جمی بال لے کر جاتا ہے)

عبداللہ: (پاس آ کر) اب آپ کے پاؤں کا کیا حال ہے؟

شکیلہ: پتہ نہیں، کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب پٹی کھولوں تو درد ہوتا ہے ابھی بھی……

عبداللہ: آپ نے ایکسرے نہیں کروایا؟

شکیلہ: بس جی وہ ہمارے گھر میں ٹریجڈی ہو گئی۔ عابدہ باجی نے زہر کھا لیا، جہلم چلے گئے ہم لوگ۔ وقت ہی نہ ملا وہاں تو۔

عبداللہ: مجھے بڑا افسوس ہے، فرید صاحب کو بڑا رنج ہوا ہوگا۔

شکیلہ: پتہ نہیں اندر اندر بھیا جن باتوں پر گھلتے ہیں، ان کا ذکر کبھی زبان پر نہیں لاتے۔

عبداللہ: جمی آپ کا بہت اچھا دوست ہے۔

شکیلہ: ابھی تو میں اسے دوست بناؤں گی جی۔ سنا ہے فیل ہو گیا تھا یہ اپنے نوماہی امتحان میں۔

عبداللہ: توجہ نہیں دیتا پڑھائی پر۔

شکیلہ: بچے کب توجہ دیتے ہیں کتابوں پر۔ انہیں تو پکڑ دھکڑ کر لگانا پڑتا ہے کام پر۔ میں نے اس سے کہا تھا تم کتابیں لے کر میرے گھر آ جایا کرو، مانا نہیں۔

عبداللہ: آپ مالش کیا کرتی ہیں پاؤں کی؟

شکیلہ: جی کرتی ہوں کبھی کبھی۔

عبداللہ: کبھی کبھی۔

شکیلہ: وقت ہی نہیں ملتا ہر روز۔

عبداللہ: کیا کرتی رہتی ہیں آپ؟

شکیلہ: اب جی کیا بتائیں آپ کو؟ بہت سے کام ہوتے ہیں گھروں کے۔ ان کا ذکر کروں گی تو آپ کا Time Waste ہوگا۔ شازی اندر ہے جی؟

عبداللہ: ہے۔ ابھی تھی۔

شکیلہ: اچھا جی۔

(یہاں سے ہم پھر کھانے کے کمرے میں آتے ہیں۔ ساری فیملی یعنی ابا، امی شازی، لینا، اختر، جمی سب جمع ہیں اور خوب شور پڑا ہوا ہے۔ امی فون کا نمبر ملا رہی ہیں۔)

شازی: لیکن مانے کیسے بھیا؟ کیونکر؟ تفصیل سے بتائیے۔

صمد: مانتا کیوں ناں۔ ہم نے بڑے بڑوں کو قائل کیا۔

لینا: دراصل میری باتوں نے بھگایا بھیا کو۔

جمی: امی جی امی جی، باہر شکیلہ باجی آئی ہیں۔

امی: ہیلو۔ ہیلو۔۔۔

(اس وقت جب خوب شور مچا ہوا ہے، عبداللہ آتا ہے اور اس شور پر کہتا ہے)

عبداللہ: امی۔ میں نے لڑکی تلاش کر لی ہے۔ میں نے امی لڑکی ڈھونڈی ہے امی۔ امی۔

(اس شور پر اس کی آواز غالب نہیں آ سکتی۔)

امی: چپ کرو، میں فون کر لوں۔ خاموش (سب چپ ہو جاتے ہیں) ہیلو۔ جی میں بیگم صمد بول رہی ہوں۔ جی ہاں میری طرف سے بات طے ہے، عبداللہ مان گیا ہے۔ لڑکی کو کیا دیکھنا ہے، میں نے دیکھی ہوئی ہے میری بچپن کی۔ میں کل صبح آؤں گی۔ خدا حافظ۔

(لڑکیاں، جمی، اختر زور زور سے شور کرتے ہیں۔)

تینوں: مبارک مبارک ہو بھیا جی۔ مبارک مبارک ہو بھیا جی۔ (اس وقت مسز بخاری آتی ہے)

بخاری: ہائے مسز صمد کتنی Lovely فیملی ہے آپ کی۔ جب آؤ خوشی، جب آؤ قہقہے۔ I envy your family۔ کس قدر Ideal گھرانہ ہے آپ کا۔ (عبداللہ چپ بیٹھا ہے۔ شکیلہ داخل ہوتی ہے۔ [illegible] فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

---o---

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 6

کردار

امی:

عبداللہ:

بڑے ابا: مولوی عبدالجبار

رکھی:

شازی:

تابش:

عورت:

ابا: مولوی عبدالصمد

سین 1 شام ان ڈور (بیڈ روم)

(تابش کا بیڈ روم جس میں ڈریسنگ ٹیبل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جس وقت کیمرہ کھلتا ہے، تابش ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے نئے قسم کے آویزے پہنتی ہے اور اپنی شکل کا جائزہ لیتی ہے۔ پھر بالوں کو ایک دو طریق سے سنوارتی ہے۔ اتنی دیر تیز قسم کی مغربی موسیقی سنائی دیتی ہے اور بڑے ابا کے کمرے کا کچھ حصہ دکھایا جاتا ہے، جہاں رکمی ان کے پاس بیٹھی اپنے پیسوں کا حساب کرتی ہے۔

اس پروگرام میں ایک نئی عورت داخل ہوتی ہے جس کا آگے چل کر کوئی پارٹ نہیں۔

تابش کسی پارٹی پر جانے کے لیے تیار ہو چکی ہے اور اس وقت اپنے آپ کو آخری Touches دے رہی ہے۔ عبداللہ جلدی سے داخل ہوتا ہے۔ اس وقت اس نے سوٹ کے اوپر سفید over all پہن رکھا ہے، جس پر لہو کے دھبے جا بجا ہیں۔)

عبداللہ: امی۔

امی: عبداللہ میں کتنی بوڑھی لگتی ہوں۔ تمہارے ابا مجھے شاید پسند نہ کرتے ہوں اس بڑھاپے کی وجہ سے۔

عبداللہ: آپ بالکل بوڑھی نہیں لگتیں۔ پلیز چل کر ابا جی کو سمجھائیں۔

امی: ان کی سمجھنے سمجھانے کی عمر نکل چکی ہے۔ کل مجھے خورشید آپا ملیں اور کہنے لگیں

تابش ہزار Dieting کرو، چہرے پر عمر تو آ کر ہی رہتی ہے۔

عبداللہ: ابا جان جلال میں ہیں، چلیے۔

امی: پنجرے کے شیر کا جلال کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا عبداللہ۔ مسز رفیق مجھ سے دس سال بڑی ہیں اور مجھے آپا آپا کہہ رہی تھیں رات ڈنر پر (کھڑی ہو کر)

عبداللہ: کہاں جا رہی ہیں آپ؟

امی: کرنل احمد یار کے ہاں۔ ان کا بیٹا امریکہ سے آیا ہے۔ کیسی لگ رہی ہوں میں عبداللہ؟

عبداللہ: اپنی ہم عمروں میں آپ سب سے زیادہ سمارٹ ہیں۔ میرے دوست مجھے کہا کرتے ہیں، تمہاری امی تمہاری بہن لگتی ہیں، ماں نہیں لگتیں۔

امی: مسز بخاری نے وعدہ کیا تھا کہ میرے لیے وگ لے آئیں گی، لیکن کسی کو کسی اور کام کا ہے کو یاد رہتا ہے۔

عبداللہ: امی کرنل چچا کے گھر جانے سے پہلے پلیز ابا جی کو سمجھایئے۔

امی: ہوا کیا ہے؟

عبداللہ: وہ ناراض ہو رہے ہیں۔ ساری کیس ہسٹری کھولے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے مجھے بنانے میں میرا مستقبل سنوارنے میں کیا کیا قربانیاں دیں اور میں نے مولوی عبدالغفار اور مولوی عبدالجبار اور مولوی عبدالصمد کے خاندان کو بٹہ لگانے کے کیا کیا منصوبے بنا رکھے ہیں۔

امی: تمہارا مطالبہ کیا ہے سرِ دست؟

عبداللہ: میں میں نے انہیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ میں شکیلہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

امی: (حیران ہو کر) لیکن تم نے۔ تم نے مجھ سے ذکر کیوں نہ کیا اس بات کا۔

عبداللہ: اس کی تین وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ پہلے ہی بہت نروس ہیں، میں آپ کو مزید نروس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسرے یہ وجہ تھی کہ گھر دراصل ایمرجنسی ڈیپارٹمنٹ کی طرح ہے۔ یہاں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی رہتی ہے۔

امی: عبداللہ!

عبداللہ: اور تیسری اور اصلی وجہ یہ ہے کہ میں اندر سے مولوی عبداللہ ہوں اور میں جانتا ہوں کہ بالآخر ساری باتیں مردوں تک پہنچتی ہیں اور وہی اہم فیصلے کرتے ہیں۔

(ماں عبداللہ کے بالکل مقابل آجاتی ہے۔ اس طرح کہ دونوں کے چہرے بالکل آمنے سامنے ہوجاتے ہیں اور دونوں کی Profile سکرین پر آتی ہے۔)

امی: لیکن میں نے تو تمہاری اجازت لے کر سید اقبال شاہ کے گھر فون کیا تھا۔

عبداللہ: میں آپ پر الزام نہیں دے رہا امی۔

امی: میں نے تم سے پوچھا تھا عبداللہ کہیں تمہیں کسی سے محبت تو نہیں؟

عبداللہ: جب آپ نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا، تب تک میں نے شکیلہ کو نہیں دیکھا تھا۔

امی: لیکن وہ تو قریباً ہر روز آتی ہے اس گھر میں۔

عبداللہ: چاہے ایک لڑکی ساری عمر نظروں کے سامنے رہے امی' نظر تو وہ کسی ایک دن کسی ایک لمحے کسی ایک طے شدہ گھڑی میں آتی ہے۔

امی: لیکن عبداللہ میں تو سید اقبال شاہ کے گھر سارے معاملات طے کر آئی ہوں۔

عبداللہ: میں بھی سارا وقت اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش میں رہا امی کہ آپ کا فیصلہ درست ہے۔ مجھے شکیلہ نہ ملے نبیلہ مل جائے، وحیدہ نہ ملے صدیقہ مل جائے۔ مجھے تو کلینک پر ہی وقت گذارنا ہے' لیکن ہر بیماری کا ایک Specific علاج ہوتا ہے۔ ہر بیماری کا علاج آپ کوئی سی دوا سے نہیں کر سکتے۔

امی: تمہارے ابا نہیں مانیں گے۔ اس لیے نہیں کہ انہیں سید اقبال شاہ کے گھرانے سے محبت ہے، اس لیے نہیں کہ انہیں اپنی بات کا پاس ہے، محض اس لیے کہ وہ سکینڈل سے ڈرتے ہیں۔ وہ جو کام بھی کرتے ہیں اس طرح کرتے ہیں کہ بدنامی کا ایک چھینٹا بھی ان [illegible] اتنی بڑی واردات کو وہ یونہی کیسے [illegible] بھلا؟

عبداللہ: [illegible] طرح۔

امی: عبداللہ!

عبداللہ: مجھے شکیلہ سے ویسی محبت نہیں ہے جیسی عام طور پر مرد کیا کرتے ہیں۔ قلعے کے چوبی دروازے کو بڑے شہتیر سے توڑ دینے والی محبت' لیکن خدا جانے مجھے کیوں احساس ہوگیا ہے کہ شکیلہ Demanding نہیں ہے۔ اس نے اپنا گھر جلتے دیکھا ہے۔ وہ دونوں چھوٹے بہن بھائی آزاد کشمیر سے بھوکے اور پیاسے آئے ہیں۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ دوسروں کی مدد کرنا کتنی اہم بات ہے۔

امی: مجھے افسوس ہے عبداللہ کہ اس گھر میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا جو اس خاندان کی ساکھ کو کھا جائے۔ اگر سب اپنی اپنی بنسری بجانے لگے تو اس گھر میں اتنے چور دروازے پیدا ہوجائیں گے کہ دیواریں ہی غائب ہو جائیں گی اور کھلا میدان رہ جائے گا اور ہم سب اس کھلے میدان سے یوں بھاگ جائیں گے جیسے گدھ سیر ہو کر لاشے کو چھوڑ جاتے ہیں۔

عبداللہ: جب میں فیصلہ کر لیا کرتا ہوں تو فیصلہ بدلا نہیں کرتا۔

امی: اور عبداللہ جب خاندان کچھ فیصلے کر لیا کرتا ہے تو اکیلا آدمی اس فیصلے کے آگے نہتا ہو جاتا ہے۔ وہ دروازے پر ٹکّے مارتا رہتا ہے' لیکن دروازے عموماً کھلا نہیں کرتے۔

سین 2 وہی وقت اِن ڈور (بڑے ابا کا کمرہ)

(یہاں کیمرہ دوسرے سیٹ پر پہنچتا ہے۔ بڑے ابا قلم کے ساتھ بیٹھے طغری لکھ رہے ہیں۔ پاس ہی رکھی انگیٹھی کو پنکھا جھل کر اُسے سلگانے میں مشغول ہے۔)

بڑے ابا: میرے ابا مولوی عبدالغفار نے جلیانوالہ باغ کی جنگ میں فتویٰ دے دیا تھا کہ اس جنگ میں شریک ہونے والا کوئی مسلمان اپنے نام کے ساتھ غازی نہیں لکھ سکتا۔

رکھی: غازیوں کی خیر ہووے مولوی جی۔ میں تو کہتی ہوں مولوی جی کہ اتنی سڑکوں پر

شہیدوں کے ناموں کی تختیاں لگادیں، دو چار غازی جوانوں کے نام بھی ہونے چاہیے تھے۔

بڑے ابا: امرتسر میں بڑے بڑے مذاکرے ہوتے تھے لیکن مولوی عبدالغفار جیسی منطق کسی کی نہ تھی۔ ایک ملحد نے کہا، مولوی جی یہ ثابت کیجیے کہ روح ہے؟ تو ہمارے ابا صاحب بولے، پھر اگر میں نے یہ ثابت کردیا تو تم کہو گے کہ مولوی جی ثابت کرو کہ ہوا ہے۔ پھر کہو گے کہ یہ ثابت کرو کہ نیکی ہے، خوف ہے، بہادری ہے۔ میاں روح اسم صفت کی طرح ہے' انسان اسے محسوس کرتا ہے، چھو نہیں سکتا۔

رکھی: میاں جی، وہ اپنے دھوبی بشیرے کی بہو مری تھی ناں عید کے دوسرے روز۔ کل اس کی روح آئی تھی کوارٹروں میں، گئے روتے رہے دیر تک۔

بڑے ابا: قائل کردیا مولوی عبدالغفار نے۔ طوطی بولتا تھا سارے پاک و ہند میں۔ ایسا جید عالم کب کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس ملحد سے بولے' میاں پڑھا کرو دینی کتابیں سب صاف ہوجائے گا شیشے کی مانند۔ روح کے بارے میں لکھا ہے، اے پیغمبر یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا امر ہے اور تم لوگوں کو کم علم دیا گیا ہے۔

رکھی: تعلیم سے تو ساری دنیا چڑھی ہے اوپر۔ مولوی جی یہ بیس اے والے نہیں دیکھے آپ نے۔ پڑھے لکھے تھے تو زندگی بن گئی ورنہ اکیلے بہن بھائی کو کون پوچھتا ہے زمانے میں۔ خدا جانے کس خاندان کے ہیں؟ مولوی جی مجھے تو لگتا ہے کہ لڑکی والوں نے جواب دے دیا ورنہ جس لڑکی کی شادی ہو رہی ہو، وہ کب زہر کھاتی ہے؟ خاندان دیکھتے ہیں لڑکی والے مولوی جی، لڑکا نہیں دیکھتے۔

ابا: خاندان؟ خاندان کیا چیز ہے پدرم سلطان بود؟ اپنی صلاحیت نہ ہو، اپنے میں بل بوتا نہ ہو تو خاندان کیا معنی رکھتا ہے؟ سنو رکھی بی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا سب سے زیادہ خبردار ہے۔ (اس وقت شازی پھولوں کا ایک بڑا سا

گلدستہ خوبصورتی سے پیک کیا ہوا اٹھائے گنگناتی آتی ہے۔)

شازی: رکھی اللہ کی بندی کبھی تو آواز کا جواب دے دیا کر ہم غریبوں کو۔

رکھی: پوچھ لو مولوی صاحب سے ایک آواز آئی ہو مجھے فرمائیے؟

شازی: اچھا رکھی جان کا کیا حال ہے تمہارا۔ خوش اے جوڑا اے خوشحال تے تگڑی اے۔

مولوی: یہاں تو واقعی کوئی آواز نہیں آئی بیٹا۔

رکھی: بی بی میں چولہے پر شب دیگ چڑھا کر آئی ہوں۔ اس وقت میں تمہاری اس عینک والی مس کے پاس نہیں جاسکتی۔

شازی: عینک تو مس اکبر صرف فیشن کے لیے لگاتی ہیں۔

(مولوی صاحب پھر طغریٰ لکھنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اگر یہ طغریٰ پہلے سے لکھوالیا جائے تو بہتر ہوگا۔

در بود و نبود من اندیشہ گماں ہا داشت
از عشق ہویدا شد ایں نکتہ کہ ہستم من

(ایک آدھ مرتبہ اگر بیک کی طرف سے مولوی صاحب کو اور اس طغریٰ کو دکھایا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ مولوی عبدالجبار خوش نویس ہے)

شازی: چلی جا پلیز' بڑی پیاری جان ہے۔ خدا قسم اس بار جب دعوت ہوگی تو سارا مسالہ میں پیس کے دوں گی۔

رکھی: دیکھی ہوئی ہے میں نے آپ کی مدد۔ دعوت کا نام سنتے ہی آپ کو ہیئر ڈریسر یاد آجاتا ہے۔

شازی: چلو اچھا نہ سہی۔ (مڑتی ہے اور دکھ بھرے لہجے میں کہتی ہے) لاکھ دنیا کو اپنا بناؤ۔ کبھی کوئی اپنا بنا ہے۔ غیر غیر' سب طرف غیر۔

رکھی: لاؤ ادھر۔ کیا کہنا ہے مس اکبر کو۔

شازی: یہ خط دے دینا۔ اس میں سب کچھ لکھا ہے اور یہ پھول ہیں ہمارے باغ کے اور یہ تحفہ ہے ان کی سالگرہ کا۔

رکھی: خدا جانے بی بی تمہیں کیا نظر آتا ہے اس پروفیسرنی میں جھٹپٹے جیسا تو اس کا رنگ

ہے، قد پورے مرد جتنا اور بات اس طرح کرتی ہے۔ (ناک میں بول کر)
رجھیں کیا حال ہے تمہاری بی بی کا، ہمارا اسلام کہنا۔

شازی: کبھی مس اکبر کو میری نظر سے بھی دیکھنا۔ تمہیں سفید چاندنی کا شبہ ہوگا۔ (یہ گفتگو بڑے ابا سے ذرا ہٹ کر ہوتی ہے۔)

رجھی: اچھا شازی بی بی۔ شب دیگ کا دھیان رکھنا، شوربہ نہ سوکھ جائے سارا۔

بڑے ابا: ادھر آؤ شازی۔

شازی: جی بڑے ابا۔

بڑے ابا: بیٹھو۔

شازی: جی بڑے ابا۔ (بیٹھ جاتی ہے۔ اب شازی بڑے ابا کی چارپائی سے کاغذ اٹھا کر اسے رول کرتی رہتی ہے اور ایک سگریٹ کی طرح اس کی بتی بناتی رہتی ہے اور اس کو جلا کر اس کا دھواں دیکھتی ہے جس پر سگریٹ کا شبہ ہوتا ہے۔)

بڑے ابا: یہ کیا بھیجا ہے تم نے اپنی استانی کو؟

شازی: استانی نہیں بڑے ابا، پروفیسر صاحب۔

بڑے ابا: چاہے استانی کہو، چاہے مُعلّانی، چاہے پروفیسرنی کہو۔ چاہے ہیڈ ماسٹرنی کچھ عزت تو نہ بڑھ جائے گی اس کی، اچھے حروف کے استعمال سے۔

شازی: ہائے بڑے ابا۔ استاد قابلِ احترام ہستی ہوتی ہے۔

بڑے ابا: کہاں، کس شہر میں، کس قصبے میں؟

شازی: کالجوں میں بڑے ابا، سکولوں میں، مدرسوں میں۔

بڑے ابا: سنو بی صاحبزادی! ان کی عزت دل سے کرو لیکن یوں آسمان پر چڑھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

شازی: آسمان پر۔ حد ہوگئی بڑے ابا۔

بڑے ابا: کیا تھا اس ڈبے میں؟

شازی: جی ایک ساڑھی تھی ڈھاکہ کی۔

بڑے ابا: کتنے روپے۔ صرف کئے تھے اس کی خرید پر؟

شازی: کل اکتیس روپے بیاسی پیسے۔

بڑے ابا: بتیس کی ہی ہوئی۔ یہ بتیس روپے تمہیں کہاں سے ملے؟

شازی: پاکٹ منی اکٹھی کی تھی میں نے بڑے ابا۔ دو مہینے تک شاپ پر کچھ نہیں کھایا۔

بڑے ابا: تم نے اپنے جسم پر کیوں ظلم کیا۔ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور جو یہ حق ادا نہیں کرتا، وہ بھی گنہگار ہے۔

شازی: غلطی ہوگئی بڑے ابا، سوری دے دیجیے۔

بڑے ابا: ایک تو یہ سوری لفظ تم نے بڑا اچھا اختراع کر لیا ہے۔ قتل کر دیا سوری پلیز مانگ لی، چوری کر لی، سوری۔ غیبت کر کے کسی کے گھر کو آگ لگا دی، سوری مانگ لی۔ دو ملکوں میں جنگ کرا دی۔ سوری مانگ لی۔

شازی: امی رو دیتی ہیں جی، سوری پر ہمیں تو شرمندگی ہوتی ہے۔

بڑے ابا: ہر الزام اپنی ماں کے سر مت تھوپا کرو۔ وہ قرآن کا ایک اصول نہیں مانتی، باقی اس کی زندگی ٹھیک ٹھاک ہے۔ اللہ کے فضل سے۔

شازی: کونسا اصول نہیں مانتیں امی؟

بڑے ابا: لاکھ دفعہ سمجھایا ہے کہ بی بی حکم ہے عورتوں کے لیے کہ وہ پردہ کریں اور اندرونِ خانہ کے فرائض سرانجام دیں اور حتی الامکان عام حالات میں مردوں کے ساتھ گھر سے باہر کی تگ و دو میں شریک نہ ہوں۔ اپنی آرائش و زیبائش کا برملا اظہار نہ کریں لیکن وہ اپنے آپ کو کیا ٹھیک کرتی، اس نے تم دونوں کو بھی کھلا چھوڑ دیا ہے۔

شازی: بڑے ابا اس وقت مجھے اجازت دیجیے۔ ریڈیو پر ایک بہت ہی اچھا پروگرام آ رہا ہے، فرمائشی پروگرام۔

بڑے ابا: اور کیا ہوتا ہے اس پروگرام میں؟

شازی: فرمائشی پروگرام میں بڑے ابا؟

بڑے ابا: ہاں ہاں فرمائشی پروگرام میں۔

شازی: کچھ پند و نصائح ہوتے ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی، دو چار نصیحتیں ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی میلاد ریکارڈ کر کے سنا دیتے ہیں۔ ایک آدھ قوالی ہو جاتی ہے۔

سنایا کرو۔ ایسا مفید پروگرام ہمیں بھی سنایا کرو۔

بڑے ابا: جاؤ ریڈیو میرے پاس لے کر آؤ۔ ایسا مفید پروگرام ہمیں بھی سنایا کرو۔

شازی: (گھبرا کر) اچھا جی۔

بڑے ابا: کھڑی کیوں ہو جاؤ۔

شازی: اچھا جی۔ (بادل نخواستہ چلتی ہے)

بڑے ابا: اور ریڈیو لانا مت بھول جانا جس طرح رات کو ساگ لانا بھول گئی تھیں۔

(شازی جاتی ہے)

فیڈ آؤٹ

سین 3 ان ڈور تابش کا کمرہ (وہی وقت)

(اس منظر کے بدلتے ہی دوبارہ تابش کے کمرے میں جاتے ہیں۔ اس وقت ابا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہے اور Spray کے ساتھ اپنے وجود پر خوشبو بکھیر رہا ہے۔ ماں گم صم سٹول پر بیٹھی ہے۔ عبداللہ کچھ ہٹ کر شعلہ صورت، لیکن جذبات پر قابو کیے کھڑا ہے۔ باپ اپنی عادی ٹون میں نصیحت کر رہا ہے)

ابا: مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ خاندان اسلامی معاشرت میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتۂ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے رشتۂ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے۔

عبداللہ: آپ کی بات ختم ہو گئی تو میں کچھ عرض کروں؟

ابا: ابھی نہیں۔ ہمارے مذہب میں مرد اور عورت کا رشتہ بڑا مقدس ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو حکم ہے کہ ایک دوسرے کے مخلص اور وفادار رہیں، بلکہ یک جان اور دو قالب رہیں۔

عبداللہ: اگر آپ برا نہ مانیں تو پہلی اور آخری بار میں بھی اپنا نکتہ نظر بیان کر دوں؟

ابا: تمہارے نقطہ نظر سے ٹنکچر آیوڈین کی بو آئے گی لیکن خیر کہو۔

کہو عبداللہ۔

امی:

عبداللہ: میں جانتا ہوں کہ میری باتیں گستاخی پر محمول ہوں گی لیکن ایک بار میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ آپ اسلام کے زیادہ شیدائی ہیں۔ یہ آپ کو کیسے علم ہو گیا کہ آپ اسلام کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ آپ نے کیوں سمجھا کہ میری عقیدت آپ سے کسی طرح بھی کم ہے؟

ابا: اس لیے کہ ہماری تعلیم اس سلسلے میں مکمل ہے اور جب تک کسی چیز کی سمجھ، اس کا ادراک اس کا فہم مکمل نہ ہو، انسان اس سے صحیح معنوں میں پیار نہیں کر سکتا۔

عبداللہ: اسلام بڑا سیدھا سادا مذہب ہے ابا جی۔ یہ تو امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ درگذر کا مذہب ہے۔ دوسروں کے عیوب چھپانے اور شرافت اور محبت کا مذہب ہے۔ آپ ایسے مشفق مذہب کے دروازے دوسروں پر کیوں بند کر رہے ہیں۔

ابا: میں بند کر رہا ہوں اس کے دروازے؟ میں میں؟

عبداللہ: جب آپ برتری کے ساتھ اس کے اجارہ دار بنے رہیں گے، اس گھر کا ہر فرد آپ کو غیر اسلامی حرکت کرتا نظر آئے گا۔

امی: کیا بک رہے ہو عبداللہ؟

عبداللہ: آئی ایم سوری امی...... (یکدم) لیکن پھر میں کہوں گا۔ سردار کہوں گا، زہر کا پیالہ پی کر کہوں گا۔ الیکٹرک چیئر پر بیٹھ کر کہوں گا کہ اپنے آپ کو زیادہ محب وطن سمجھنے والا اپنے آپ کو اسلام کا سچا عاشق سمجھنے والا اور دوسروں کے جذبے کو اپنے سے کمتر سمجھنے والا ظالم ہے، تھرڈ ایٹ ہے، کمینہ ہے۔ (یکدم ماں کا چہرہ دیکھ کر) آئی ایم سوری امی۔

امی: ابا جی سے معافی مانگو......

عبداللہ: (پاس آ کر) میں معافی چاہتا ہوں ابا جی۔

ابا: (کندھے پر ہاتھ رکھ کر) اگر تم ہماری ایک بات مان لو گے تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے دل سے۔

عبداللہ: میں معذور ہوں ابا جی...... میں اپنے ارادے کا ذکر شکیلہ سے کر چکا ہوں، وعدہ

خلافی میرے مذہب میں حرام ہے۔

ابا: جو بات تمہارے لیے حرام ہے، ہمارے لیے حلال ہے؟ ہم وعدہ توڑیں سید اقبال شاہ کے ساتھ، ہم؟

امی: آپ لوگ کس طرح معاملہ سلجھا رہے ہیں۔ یہ طریقہ ہوتا ہے ایسی باتوں کو نمٹانے کا۔ سنو عبداللہ، بہت بڑا اسکینڈل ہوگا گھر میں، برادری میں، شہر میں۔ گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

عبداللہ: کوئی سکینڈل دیرپا نہیں ہوتا امی۔ ہمیشہ نیا سکینڈل پرانے سکینڈل کی جگہ لے لیا کرتا ہے۔ ہر سال وہی لڑکی مس یونیورس نہیں بن سکتی بد قسمتی سے۔

ابا: تم کو یاد ہے عبداللہ اس گھر میں چوری ہوئی تھی؟

عبداللہ: یاد ہے اباجی، سب جاگ رہے تھے اور چوری ہو گئی تھی۔

ابا: اور تم کو یہ بھی یاد ہے کہ میں نے تم کو پولیس اسٹیشن سے واپس بلایا تھا اور منع کیا تھا سختی سے کہ تھانے میں رپورٹ درج نہیں کرنا ہے۔

عبداللہ: یاد ہے جی۔

ابا: وجہ معلوم ہے تم کو؟

عبداللہ: وجہ تو غالباً یاد نہیں ہے مجھے، شاید آپ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی تھی۔

ابا: میں نے گھر کے ایک ایک فرد کو حتیٰ کہ نوکر تک کو منع کیا تھا کہ اس بات کا ذکر آپس میں بھی نہ کیا جائے۔

امی: آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے صمد صاحب سب نے۔

ابا: جب ایک مقدمہ درج ہوتا ہے تو خاندان کے سارے بخیئے اُدھڑتے ہیں۔ نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے عبداللہ، نیک نامی ایک بار جائے تو پھر کبھی واپس نہیں ملتی۔

عبداللہ: پھر چوری کی رپٹ لکھوانا کچھ ایسی بدنامی والی بات نہیں ہے اباجی۔

ابا: تم کیا سمجھو کہ رپٹ لکھتے ہی [illegible] کیا کیا انکوائری ہونا تھی۔ پوچھا جاتا کہ دس ہزار کیسے آئے ان کے سیف میں۔ بھائی میاں تو ایک معمولی

D.A/T.A کے کیس میں ماخوذ ہو کر تو افسر کی Screening ہو جاتی ہے۔ تم معاملات کو کیا جانو۔

عبداللہ: اگر اسی طرح لوگوں نے چوریاں ہضم کیں تو رہزنی، لوٹ مار، چوری کو خوب فروغ ہوگا۔

ابا: تم کو کیا معلوم تمہارے والدین نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں اس نیک نامی کی خاطر۔ بھائی میرے ایک پائی کی رشوت کبھی نہیں لی تمہارے باپ نے۔ کوٹھی بنوائی ہے تو قرض سے، پوزیشن رکھی ہے تو کفایت سے، شہر میں نام پیدا کیا ہے تو خدمتِ خلق سے۔ راست باز، نیکوکار کہلائے ہیں تو اپنی محنت اور ایمانداری سے۔ ہمارے خاندان نے ہمیشہ اپنے نام کی یوں حفاظت کی ہے جیسے سپاہی اپنی تلوار کی کرتا ہے اور تم کہتے ہو سید اقبال شاہ کو جواب دے دوں؟ کوئی آدمی اپنی بنی بنائی ساکھ بگاڑتا ہے یوں؟

عبداللہ: اچھا امی جی آپ جو بھی فیصلہ کریں، مجھے کلینک پر فون کر دیجیے گا۔ اگر آپ کا یہی فیصلہ رہا تو میں آپ کی نیک نامی کو بٹہ نہیں لگاؤں گا اور لیبیا چلا جاؤں گا۔ (جاتے ہوئے) چشم ما روشن دل ما شاد۔

امی: عبداللہ۔ عبداللہ، سنو عبداللہ۔

ابا: مت پیچھے پیچھے جاؤ کمبخت کے۔ پڑھاؤ لکھاؤ، کسی کام جوگے کرو اور نتیجہ وہی۔ جس کا کھائیں گے، اُسی کے آگے اُترائیں گے احسان فراموش۔ گستاخ، بدتمیز۔

سین 4　　　اِن ڈور　　　بڑے ابا کا کمرہ

(یہاں کیمرہ چند ثانیے ماں کے چہرے پر مرکوز رہتا ہے جو باپ سے دور کھڑی ہے اور پھر یہ تصویر دھندلا جاتی ہے۔)

(کچھ دیر بعد واپس بڑے ابا کے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ بڑے ابا بیٹھے

طفری رکھ رہے ہیں۔ رکھی آتی ہے)

بڑے ابا: دے آئیں تجھے ان لاڈلیوں کے؟

رکھی: دے آئی بڑے ابا اور پتہ ہے وہ نوابزادی کیا بولی مس اکبر؟

بڑے ابا: کیا بولے گی کالج کی پروفیسرنی۔ عورت گھر کی زینت ہے، اس کے منہ سے دال چپاتی کا ذکر ہی اچھا لگتا ہے۔

رکھی: کہنے لگی کہ رکھیں (ناک میں بولتی ہے) تم مس صمد کو کہہ دینا، اس بار تو یہ تحفہ میں نے لے لیا ہے لیکن پھر نہ بھیجے، ہمیں حکم نہیں ہے۔

بڑے ابا: جو بھی گھر سے بھوکے ہوتے ہیں، ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے گفتگو کا۔

رکھی: (پلے سے بیس روپے کھولتے ہوئے) میاں جی۔ یہ بیس روپے رکھ لیجیے میرے۔

بڑے ابا: پھر لے آئی تو پیسے۔

رکھی: بارہ روپے تو جی عید کے روز ہو گئے تھے اور یہ آٹھ روپے بن گئے جمی میاں کی سالگرہ کے دن۔

بڑے ابا: تیری تو چاندی رہتی ہے رکھی۔ اب یہ سالگرہ منانے کا بھی عجب بدیسی رواج ہو گیا ہے۔ ہم لوگوں میں بچوں سے کیک کٹواتی پھرتی ہیں مائیں۔ موم بتیاں پھونک مار کر بجھاتے ہیں بچے۔

رکھی: جم جم جئیں جی بچے۔ جم جم جی صدقے سالگرہ ہو سب کی۔

بڑے ابا: تو تو ایسے ہی کہے گی، آٹھ روپے جو بن گئے تیرے۔ ہمارے زمانے میں مائیں عمر نہیں بتاتی تھیں اپنے بچوں کی۔ اب موم بتیوں کے شوق میں گھر گھر چرچا ہے ان کی عمروں کا۔

رکھی: سب دعائیں دیتے ہیں میاں جی۔ جو بھی آتا ہے، تحفہ ہی لے کر آتا ہے۔

بڑے ابا: اور وہ جو بچے کی سالگرہ میں موم بتیاں گل کر دیتے ہیں، وہ؟ کبھی چراغ گل کر دینا بھی [illegible] سے منسوب ہو سکتا ہے بتا؟

رکھی: اب میاں جی آپ کی تو کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ لیجیے بیس

روپے، اب آپ کے پاس کل پچاسی روپے ہو گئے ہیں میرے۔

بڑے ابا: کیا دل پر لکھے ہیں اپنے پچاسی روپے؟

رکھی: بس جی ڈیڑھ سو روپیہ ہو جائے تو شازی بی بی جیسا Transistor خرید کر غلام رسول کو بھیجوں گی۔

بڑے ابا: بھیج غلام رسول کو ٹرانسسٹر۔ کر دے اسے راحتوں، آسائشوں کا عادی۔ بڑے ہو کر وہ بھی تاج دین کی طرح بڑا گھر دیکھے گا۔

رکھی: ہائے اللہ کرے میاں جی، کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، توبہ میرے اللہ۔

بڑے ابا: کیا تیری جیسی مائیں لاڈ پیار سے بگاڑتی نہیں ہیں بچوں کو۔

رکھی: شوق ہے اس کا میاں جی۔

بڑے ابا: مری جا اس کے شوق کے پیچھے مری جا۔ لعنت تم ایسی عورتوں پر، نہ تربیت، نہ تعلیم۔ میرے بچے کا شوق پورا ہو جائے کسی طرح۔ جا اندر سے شازی بی بی سے ریڈیو لا۔ تو کب عقل سیکھنے والی ہے، مجھے کہہ گئی تھی کہ لاتی ہوں ریڈیو۔ جا۔

رکھی: اچھا میاں جی۔

سین 5 وہی وقت ان ڈور (تابش کا کمرہ)

(تابش کے کمرے میں تابش پھر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی میک اپ درست کر رہی ہے۔ رکھی آتی ہے۔)

رکھی: بیگم صاحب ایک عورت آئی ہے مانگی سے۔

تابش: کہاں سے؟

رکھی: مانگی گاؤں ہے بیگم صاحب۔

تابش: تو پوچھو اس سے کیا کام ہے اسے۔

رکھی: وہ کہتی ہے کہ چھوٹے میاں صاحب سے ضروری کام ہے۔

تابش: بلاؤ اسے۔

(تابش اپنے کام میں پھر مشغول ہو جاتی ہے۔ وہ عورت سفید برقعہ اور ایک تھیلا سا اٹھائے اندر آتی ہے)

عورت: السلام علیکم بیگم صاحب۔

تابش: کیا بات ہے بھئی؟

عورت: مجھے صاحب سے ملنا ہے جی۔

تابش: تم مجھ سے کہو، ہم دونوں کوئی دو نہیں ہیں۔

عورت: اس کا بچہ مر گیا ہے جی۔

تابش: کس کا بچہ؟

عورت: میں اس کی ہمسائی ہوں بیگم صاحب۔ بڑا بُرا حال ہے بیچاری کا۔ سارا دن سر پر مٹی ڈالتی رہتی ہے۔

تابش: کون بیچاری۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

عورت: اب خدا جانے مجھے یہ سب کچھ آپ کو بتانا بھی چاہیے کہ نہیں۔ صاحب کا بیٹا مر گیا ہے جی، آٹھ برس کا۔

تابش: (حیران ہو کر) کیا بک رہی ہو، میرا بچہ تو......

عورت: بیگم صاحب وہ بڑی مظلوم ہے، اس کا کوئی نہیں ہے دنیا میں۔ خدا کے لیے اسے یہاں بلا لیجیے۔ اتنی بڑی کوٹھی کے کسی کونے میں پڑا رہنے دیجیے۔ خدا قسم میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں صرف خوف خدا کے مارے آئی ہوں۔

(اس وقت ابا اندر آتا ہے اور عورت کو دیکھ کر یکدم ٹھٹک جاتا ہے)

عورت: السلام علیکم صاحب جی۔

ابا: تم یہاں کیسے آئی ہو؟

عورت: بڑی مشکل سے پتہ لگایا ہے آپ کا۔ پہلے ڈاکخانے گئی مانگلی کے، وہاں سے پوسٹ ماسٹر صاحب سے پتہ پوچھا آپ کا مگر اس سودائی عورت سے تو بہت پوچھا، پر اس کے ہوش ٹھکانے بھی ہوں۔

ابا: [illegible] تابش یہ ایک غریب عورت

ہے، اس کی مدد ہم پر فرض ہے۔

تابش: صمد مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ واقعی غریب عورت ہے لیکن بڑی ہمدرد ہے۔

ابا: (یکدم برس کر) کیا وعدہ کیا تھا تم نے میرے ساتھ؟ کیا طے تھا میرا ماہ گل کے ساتھ؟ تم سے میں نے نہیں کہا تھا کہ اگر کوئی بھی شہر سے میرے تعاقب میں آیا تو مجھ سے کوئی برا نہ ہوگا۔

تابش: تم جانتے نہیں ہو کہ یہ کس مجبوری کے تحت آئی ہے۔

ابا: (منہ سے جھاگ بہتا ہے) میں نے ان غریبوں پر ترس کھایا، خدا ترسی کی۔ میں نے ان سے سوا لاکھ ہزار مرتبہ کہا کہ یہ شادی محض خوف خدا ہے اور تم نے یہ اجر دیا مجھے؟ یہاں میرے شہر میں میرے گھر میں آگ لگانے آ گئیں، درد کی ماری بیچاری۔

تابش: صمد آہستہ بولو۔

ابا: اب کیا آہستہ بولوں۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے۔ گھر گھر باتیں ہوں گی۔ بچے کیا کہیں گے۔ ابا جی کیا سوچیں گے؟

تابش: ابا جی کچھ نہیں سوچیں گے۔ انہوں نے خود تین شادیاں کی تھیں۔

ابا: تم کیا سمجھو گی، بتاؤ۔ کبھی میں نے تمہاری حق تلفی کی۔ کبھی ایسا کوئی کام کیا جس سے تمہیں بے وفائی کی بُو آتی ہو۔ میری ساری ساکھ میری ساری عزت، میری ساری نیک نامی برباد کر دی اس بدبخت بڑھیا نے۔

تابش: صمد!

ابا: تمہاری یہی سزا ہے کہ میں ماہ گل کا طلاق نامہ تمہارے ہاتھ میں پکڑا دوں اسی لمحے، اسی وقت۔ یہی ہونا چاہیے تم لوگوں کے ساتھ۔

تابش: صمد...... تمہارا بیٹا۔ ماہ گل کا اور تمہارا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔

ابا: فوت ہو گیا خدا بخش، کیسے کیونکر کب؟

عورت: بس جی رات کو آیا۔ ہلکی سی سردی لگی، دو بار تے آئی اور ختم ہو گیا۔

تابش: دیکھئے آپ اسی وقت ماچھی واپس چلی جائیں۔ (پرس سے پیسے نکال کر) اور یہ سو روپیہ ماہ گل کو دیں۔

ابا: کیوں دے رہی ہو اس کو پیسے بابا۔ یہ اس کی ہمسائی ہے۔ اس کی رشتہ دار نہیں ہے۔

تابش: جو اطلاع دینے یہاں تک آسکتی ہے، اس کے سپرد ایک سو روپیہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عورت: آپ بڑی نیک دل ہیں۔

تابش: اس بات کا آپ کسی سے ذکر نہ کریں اور ماہ گل کو یہاں بھجوا دیں میرے پاس لیکن ایک بات آپ اسے سمجھا دیں کہ یہاں مولوی عبدالصمد صاحب کی بڑی عزت ہے۔ یہاں وہ اپنے آپ کو ان کی بیوی ظاہر نہیں کر سکتی۔

عورت: جی؟ کیا کہا......؟

تابش: آپ مجھ پر اعتماد کریں۔ ماہ گل اس گھر میں خوش رہے گی لیکن یہاں اسے میری بہن بن کر رہنا ہوگا۔ میاں صاحب کی بیوی بن کر وہ یہاں بھی زندہ نہ بچے گی۔

عورت: اچھا جی۔ خدا حافظ۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے بیگم صاحب۔

تابش: میں آپ سے ایک ہی امید رکھتی ہوں کہ اس بات کا ذکر آپ کسی سے نہیں کریں گی۔

عورت: آپ بے فکر رہیں جی۔ (عورت چلی جاتی ہے۔ تابش خاموشی سے فون کا نمبر ملاتی ہے۔ ابا بولتا جاتا ہے)

ابا: یہ تم کیا کر رہی ہو۔ بھی ایک میان میں دو تلواریں رہی ہیں۔ تم یہ کیا سوچ سمجھ کر کر رہی ہو۔ پھر نہ کہنا تابش تمہاری حق تلفی ہوگی۔ میں انصاف نہیں کر سکوں گا۔

[illegible]

تابش: [illegible] سید اقبال شاہ کے گھر جا کر معاملہ ختم کر دوں گی۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[illegible] فائدہ اٹھا رہی ہو۔

تابش: بیٹے صمد! انسان اپنے فیصلے، اپنی رائے صرف اس وقت بدلتا ہے جب اس میں خود تبدیلی آجاتی ہے یا اس کے ارد گرد اس کے عزیزوں کی رائے اس سے مختلف ہو جاتی ہے۔ چور کی ماں کے نزدیک چوری گناہ نہیں۔ قاتل کی بیوی قتل کو چھپاتی ہے۔ فیشن کرنے والی بیٹیوں کا باپ ہمیشہ فیشن کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔

ابا: کمال ہے۔ میں ...... میں چاہ رہا ہوں پر تم یہ مصیبت خود گلے منڈھ رہی ہو۔ خدا قسم میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا۔

(چلا جاتا ہے۔ تابش ایک کھلے بالوں والی وگ سر پر لگاتی ہے۔ آئینے میں اس کی شکل کھنڈر میں نظر آتی ہے۔ چہرے پر آہستہ آہستہ آنسو اترتے ہیں۔)

———O———

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 7

کردار

ابا: مولوی عبدالصمد
امی: تابش
ڈاکٹر: عبداللہ
شکیلہ:
شازی:
لبنا:
بڑے ابا:
جمی:
اختر:
ماہ گل: خوبصورت خاموش اور مظلوم۔ تیس کے لگ بھگ
رنگی:
اور چند لڑکیاں

سین 1 ان ڈور
ڈرائنگ روم

(اس سکرپٹ میں عبداللہ کی شادی شکیلہ سے ہو جاتی ہے اور ماہ گل عبدالصمد کے
گھر میں آ جاتی ہے۔ ماہ گل کے کردار کا انتخاب بڑی توجہ سے کرنا چاہیے۔ یہ
عورت خاموش، مظلوم اور بہت خوبصورت ہے۔ تعلیم واجبی ہے۔ گاؤں میں
رہنے کے باعث یہ شہری اطوار سے بخوبی واقف نہیں لیکن اس میں ایک قدرتی
کشش اور گریس موجود ہے جو مخالف جنس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ماہ گل کی
آنکھیں سب سے زیادہ بولتی ہیں۔ ان میں ایک خاص چمک اور ذہانت ہے
مجروح ہرنی کا سارا الزام ہے۔
جس وقت کیمرہ کھلتا ہے، سات آٹھ لڑکیاں شادی کے خوبصورت لباس پہنے
لڈی ناچ رہی ہیں۔ ان کے درمیان شازی موم بتیوں سے سجا ہوا تھال لیے ناچ
رہی ہے۔ منظر بھرپور ہونا چاہیے۔ لڈی میں مسز بخاری اور لبنا بھی شامل ہیں۔)

سین 2 رات ان ڈور (عبداللہ کا کمرہ)

(ہم عبداللہ کے کمرے میں آتے ہیں۔ یہاں کیمرہ ایک میز پر مرکوز ہوتا ہے
جہاں بہت سے پھولوں کے ہار پڑے ہیں۔ کمرہ خوب سجا ہوا ہے اور شکیلہ پلنگ
پر دلہن بنی بیٹھی ہے۔ اس کے پاس تابش خوبصورت لہنگے قمیض میں ملبوس بیٹھی

ہے لیکن اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نہیں ہیں۔)

تابش: شکیلہ اگر تم شروع میں ہماری غلطیوں کو معاف کرتی رہو گی تو بالآخر تمہیں علم ہوگا کہ ہم لوگ کچھ ایسے برے لوگ نہیں ہیں۔

شکیلہ: (بہت آہستہ) یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟

تابش: تم ہم سے...... دراصل تم اس گھر میں آتی جاتی رہی ہو لیکن آنے جانے والے گھر کو باہر سے دیکھتے ہیں، اندر سے نہیں دیکھ پاتے۔

شکیلہ: میں آپ کی بیٹی بن کر رہوں گی جی۔

تابش: اگر میری بیٹی بن کر رہنا چاہو گی تو تمہارا مقابلہ شازی اور لبنا سے ہوتا رہے گا اور جب مقابلے ہوتے ہیں تو جیت ہار یقینی ہو جاتی ہے۔ بیٹی بن کر کوئی بہو سسرال میں زندہ نہیں رہ سکتی۔

شکیلہ: جی؟

تابش: اس گھر میں تم صرف عبداللہ کی بیوی بن کر رہنا شکیلہ۔ اس کی عینک لگا کر ہم سب کو دیکھنا۔ اس کی پسند، ناپسند کو ہماری پسند، ناپسند پر ترجیح دینا۔ عورت کی زندگی شادی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اسے پہلی بار اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔

شکیلہ: میں بھی یہی سمجھتی ہوں جی۔

تابش: خدا جانے مجھے تمہیں یہ سب کچھ بتانا بھی چاہیے کہ نہیں؟

شکیلہ: کیا جی؟

تابش: جس وقت لڑکی اپنے سسرال میں داخل ہوتی ہے تو اس پر عجیب قسم کی رقت طاری ہوتی ہے۔ بیک وقت خوشی اور غم کا احساس ہوتا ہے...... ہے نا؟

شکیلہ: جی!

تابش: عورت کی ساری عمر اسی دوہرے جذبے میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ جب اس کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ درد سے کراہتی ہے اور خوشی سے پھولی نہیں سماتی۔ جب [illegible] بچیاں [illegible] رخصت ہوتی ہیں تو وہ بچی کی جدائی سے بلبلاتی ہے اور شکرانے کے نفل بھی پڑھتی ہے۔ جب بیٹا بیاہا جاتا ہے تو وہ بہو کے ہاتھوں بیٹا گنوا کر دکھ سے بدل ہوتی ہے اور خوشی کے ساتھ بہو کو سلامی بھی دیتی ہے۔

شکیلہ: آپ کی طبیعت ٹھیک ہے امی؟

تابش: میں تم سے۔ یہ باتیں اس لیے کہنے آئی ہوں شکیلہ کہ تم میں بھی عورت موجود ہے اور مجھ میں بھی۔ ہم دونوں اسی وقت ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گی جب ہم دونوں اس دوہرے جذبے کو پہچانیں اور ایک دوسرے میں اس دوہرے پن کی عزت کریں۔

شکیلہ: میں کوشش کروں گی جی۔

تابش: شادی دراصل کوئی ایک دن کا واقعہ نہیں ہے شکیلہ کہ پلاؤ بریانی کھا کر دولہا دلہن اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو جائیں۔ یہ تو ساری عمر کے لیے ایک قلعے پر اپنا جھنڈا لہرانے کے مترادف ہے۔

شکیلہ: جھنڈا؟

تابش: شادی کی محافظ صرف عورت ہوتی ہے شکیلہ کیونکہ شادی صرف عورت کی ہوتی ہے مرد کی کبھی شادی نہیں ہوتی۔ اسے شادی کی ضرورت نہیں۔ دراصل......

شکیلہ: آپ سو جائیں امی جی۔

تابش: سو ہی جانا ہے شکیلہ۔ سب آرام سے لیٹ جائیں تو سو جاؤں گی۔

شکیلہ: آپ نے کھانا کھا لیا ہے امی؟

تابش: (نہ سنتے ہوئے) شادی کی راہ میں اتنے مرحلے ہیں۔ اتنے اونچے اونچے پہاڑ، گہری کھائیاں ندی نالے ہیں کہ کبھی کبھی سوچتی ہوں ایسا سفر کیوں مقرر کیا ہے میرے اللہ نے؟

شکیلہ: آپ بہت تھک گئی ہیں۔

تابش: (آہ بھر کر) واقعی میں جی جی کر بہت تھک گئی ہوں لیکن تم نہ تھک جانا شکیلہ۔ جب محافظ تھک جائے تو قلعے کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

شکیلہ: (ہاتھ بڑھا کر تابش کے ماتھے کو چھوتی ہے) آپ کو تو بخار ہے امی۔

تابش: جب بھی میں تھک جاتی ہوں تو بخار سا ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں تپنے لگتے ہیں۔

یوں لگتا ہے اندر ہی اندر کسی کنوئیں میں مجھے کوئی گھسیٹ رہا ہے۔ پھر زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔

شکیلہ: آپ نے انہیں بتایا ہے، وہ آپ کو کوئی دوا دیتے؟

تابش: آج کے دن تو وہ ڈاکٹر نہیں ہے دولہا ہے شکیلہ۔ (شکیلہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر) سنو شکیلہ۔ ہمت سے کام لینا۔ بچوں کی بیماری سے نہ گھبرانا۔ دولت کی فراہمی کی کمی بیشی ہوگی، پر دولت کبھی خوشی کی مترادف نہیں ہوتی۔ تمہیں بڑی نصیحتیں کرنا چاہتی ہوں اور پھر سوچتی ہوں کہ شاید اس وقت تم مجھ پر اندر ہی اندر ہنس رہی ہوگی۔

شکیلہ: کیسی باتیں سوچ رہی ہیں آپ؟

تابش: جب ہاتھوں پر مہندی لگی ہو اور چہرے پر افشاں چمک رہی ہو تو شادی کے چاند کے گرد خوشیوں کا یہ بڑا سا ہالہ نظر آتا ہے۔ بڑے مرحلے آتے ہیں۔ بڑی آزمائشیں، غریبی، بیماری، بے وفائی، جدائی۔ اللہ جانے ان منزلوں سے نکل کر بھی کوئی کہیں پہنچتا ہے کہ نہیں۔ (اٹھ کر شکیلہ کا ماتھا چومتی ہے اور اپنے گلے سے ہار اتار کر اس کے گلے میں ڈالتی ہوئی کہتی ہے۔)

تم ہمت نہ ہارنا شکیلہ۔ شادی ایسی عورتوں کے لیے نہیں ہے جو اندر سے دیمک کھائی لکڑی کی طرح بودی ہوں۔ تمہیں اپنی خاطر اپنے بچوں کی خاطر بہت کچھ کرنا ہوگا۔ مجھ سے چھین کر عبداللہ کو اپنانا ہوگا۔ زمانے سے لڑ کر عبداللہ کو زنجیر پا کرنا ہوگا۔ (جاتے ہوئے) اور کبھی کبھی سب کچھ کر چکنے کے بعد بھی محافظ کے سینے میں اچانک کہیں سے تیر آ لگتا ہے۔ اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ ایسی بدقسمتی کا کیا علاج ہو سکتا ہے میرے اللہ۔

سین 3 رات ان ڈور

(جس ہال میں پہلے لڈی ناچ ہو رہا تھا، وہیں اب پھر لڑکیاں ناچ رہی ہیں لیکن

تعداد کم ہو گئی ہے۔ دو چار لڑکیاں فرش پر رضائیاں لے کر سو چکی ہیں۔ لیکن شازی اسی زور شور سے لگی ہوئی ہے۔ یہ سین بار بار کٹ کر کے آئے گا اور اس سے ظاہر ہوگا کہ رات کتنی جا چکی ہے۔)

سین 4 رات ان ڈور (دفتر)

(کٹ کر کے ہم ابا کے گھریلو دفتر میں چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک خوبصورت کمرہ ہے جس میں ایک طرف راکنگ چیئر پڑی ہے۔ اس سکرپٹ میں ایکشن تین سینوں میں بٹا ہوا ہے۔ عبداللہ کا بیڈروم، لڑکیوں کا کمرہ اور آفس جس میں دیوار پر تابش کی بہت بڑی فوٹو لگی ہوئی ہے۔ جس وقت کیمرہ اس کمرے میں آتا ہے، وہیل چیئر خالی ہے۔ اس کی پشت پر ہاتھ رکھے تابش کھڑی ہے اور کرسی کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔)

اس وقت اختر اندر آتا ہے۔ وہ ہاتھوں میں پھولوں کا ایک گجرا لیے ہوئے ہے۔

اختر: امی۔ آپ۔ یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟

امی: تمہارے اباجی کی عینک تلاش کر رہی تھی۔

اختر: انہیں کیا کرنا ہے عینک سے۔ اس وقت تو صرف لڈی ہو رہی ہے گھر میں۔

امی: صبح کا اخبار نہیں دیکھا انہوں نے آج۔

اختر: آج تو ہماری امی سب میں سے نمبر لے گئی ہیں۔ سب سے سمارٹ، سب سے پیاری، کوئی نکال کر دکھائے ہمیں کوئی بھی ایسی امی۔

امی: سچ اختر۔

اختر: لیجیے مقابلہ کر لیجیے چل کر نیچے۔ شازی اور لبنا باجی بھی گلابی گلابی لپ سٹکوں میں میکبتھ کی ڈائنیں لگ رہی ہیں۔ کیا بات ہے ہماری امی کی!

(اس وقت رکھی اندر آتی ہے۔)

رکھی: بیگم صاحبہ مانگلی سے آپ کی بہن آئی ہے۔

(چہرہ فق ہو جاتا ہے) اس وقت؟ اب......؟

امی: آپ کی سگی بہن ہیں جی وہ؟ دیہات کی لگتی ہیں مجھے تو......

رکھی: مانگی؟ بہن۔ امی کی ساری بہنیں نیچے پلنگوں پر لیٹی بارہ بارہ خواب بھی دیکھ چکی ہیں۔

اختر: میرے ایک رشتے کے ماموں مانگی میں رہتے ہیں اختر۔ ان کی بیٹی ماہ گل ہو گی۔

رکھی: ماہ گل۔ واہ واہ کیا نام ہے۔ ماہ بھی اور گل بھی۔

اختر: وہ جی باہر والے برآمدے میں بیٹھی ہیں بلا لاؤں انہیں؟

رکھی: یہیں لے آؤ انہیں اور کھانا بھی بھجوا دو رکھی۔

امی: فرنی ختم ہو گئی ہے بیگم صاحب۔

رکھی: نہ سہی، زردہ بھجوا دینا۔ تم چلو...... اختر۔

امی: میں کیوں نہ خالہ ماہ گل کو دیکھوں۔

اختر: میں اسے برسوں بعد مل رہی ہوں، خدا جانے کیسی ہو گئی ہو۔

امی: (رکھی چلی جاتی ہے)

بچپن میں جب کبھی ہم مانگی جاتے تھے تو وہ اور میں راجہ رانی کھیلا کرتے تھے۔

وہ ہمیشہ رانی بنتی اور میں ہمیشہ سپاہی بنتی، لکڑی کی تلوار والا سپاہی۔

اختر: اور راجہ کون ہوتا تھا امی؟

امی: تھا ایک...... اچھا اب تم جاؤ اختر پلیز۔

اختر: ہاتھ بڑھائیے امی۔

(امی ہاتھ بڑھاتی ہے۔ اختر اس پر گجرا باندھتا ہے۔ خوشی اور دکھ سے امی کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔)

امی: تمہیں میں اچھی لگتی ہوں اختر؟

اختر: تمھی [illegible] امی، وہ تو...... اس وقت بھی ساتھ رہتی ہے جب وہ پاس نہیں رہتی۔ (امی اختر کے ہاتھ کو بوسہ دیتی ہے۔ ایک آنسو ہاتھ پر گرتا ہے۔)

اختر: آپ رو رہی ہیں امی Shame-Shame-Shame

امی: ایک بیٹا گنوایا ہے آج۔ جانے کیا کچھ گنوایا ہے آج اور تو مجھے منع کرتا ہے رونے سے۔

اختر: یہ جیلسی کیوں ہوتی ہے عورتوں میں ممی۔ خدا قسم امی میں تو آپ کو ایسی باتوں سے بہت اونچا سمجھتا ہوں۔

امی: کوئی آدمی اونچا یا نیچا نہیں ہوتا۔ سب پر لمحات آتے ہیں برتری اور کمتری کے۔

اختر: اگر آپ بہو گھر لا کر روئیں گی تو خدا قسم ہم عبداللہ بھائی کو مع بھابی کے نکال دیں گے گھر سے۔

امی: ناں ناں محبت کرنے والوں کو گھروں سے نکالا نہیں جاتا۔ ان کو تو گھروں میں بسانا ہی پڑتا ہے اختر۔ چاہے اپنے دل پر قیامت بیت جائے۔

اختر: Be brave امی (ماں کی گال کو تھپکتا ہے) Like a soldier

امی: تم چلو میں آتی ہوں۔

اختر: چل کر دیکھیں تو شازی ناچ ناچ کر دیوانی ہوئی جاتی ہے۔ کہتی ہے آج تو کوئی نہیں روک سکتا ناں۔ آج میں خوب ناچوں گی۔ جلدی آ جانا امی۔

امی: ابھی آئی تمہاری خالہ کو لے کر۔

(اختر چلا جاتا ہے۔ امی گم صم کھڑی ہے۔ دروازہ کھول کر رکھی داخل ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک گٹھڑی ہے۔)

رکھی: بی بی آئی ہے بیگم صاحب۔ (امی جواب نہیں دیتی) یہ ان کا سامان کہاں رکھوں؟

امی: میرے کمرے میں رکھ دو رکھی۔

(رکھی چلی جاتی ہے۔ اب ماہ گل اندر آتی ہے۔ اس نے کھلا کرتا اور تنگ پائینچوں کی گھیر دار شلوار، سر پر پرنٹ والی چادر پہن رکھی ہے۔ دونوں عورتیں آمنے سامنے کھڑی ہیں...... یکدم ڈھولک کے ساتھ شادی والے گھر کا یہ گیت بلند ہوتا ہے۔)

نیوں لوگے یارا رنگیاں مورے سیاں آج کی رتیاں
مہندی ہماری خوب سجی ہے دیکھو آج کی رتیاں

(یار بار اس مصرعے پر زور دیا جائے۔)

(نیوں لوگے یارا رنگیاں مورے سیاں آج کی رتیاں......

دونوں عورتیں چپ چاپ گم صم کھڑی ہیں۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو رکے ہوئے ہیں۔)

فیڈ آؤٹ

سین 5 رات ان ڈور (ڈرائنگ روم)

(ڈھولک پر یہ گیت جاری رہتا ہے اور پھر ہم لڑکیوں کے کمرے میں آتے ہیں۔ یہاں لڑکیوں کی تعداد اب صرف تین رہ گئی ہے۔ یہ تینوں اس گیت پر ناچ رہی ہیں۔)

فیڈ آؤٹ

سین 6 رات ان ڈور (عبداللہ کا کمرہ)

(ہم عبداللہ کے کمرے میں پہنچتے ہیں۔ شکیلہ پلنگ پر حسب سابق بیٹھی ہے۔ اس کے پاس لبنا مٹھائی کی پلیٹ لیے بیٹھی ہے۔)

لبنا: منہ کھولو بھابی جی...... (شکیلہ سر جھکاتی ہے)

شکیلہ: (آہستہ) پہلے میرا نام لیجیے باجی۔

لبنا: چلیے شکیلہ [illegible] بھابی ہے [illegible] ہے۔)

(شکیلہ آنکھیں بند کر کے منہ کھولتی ہے۔ لبنا منہ میں برفی کی ٹکڑی دیتی ہے۔

بڑے ابا آتے ہیں۔ لبنا آہستہ سے کہتی ہے)

لبنا: بڑے ابا آئے ہیں شکیلہ۔
(شکیلہ ہاتھ کو کشتی بنا کر ماتھے تک لے جا کر سلام کرتی ہے)

بڑے ابا: جیتی رہو، خوش رہو۔ خاندان کی آبرو عزت بنی رہے تم سے۔ مولویوں کا گھرانہ شاد رہے تم سے۔ ہم سے بوڑھوں کے پاس تو صرف دعائیں ہیں بیٹا۔

لبنا: آپ کی دعائیں ہی سب کچھ ہیں بڑے ابا۔

بڑے ابا: بہو بیگم عورت مثل سیمنٹ کے ہوتی ہے۔ اینٹ سے اینٹ جو جڑتی ہے تو سیمنٹ سے۔ گھر کی عمارت کھڑی ہوتی ہے تو عورت سے۔ سب پیغمبر، اولیا، صوفیائے کرام، قطب سب عورتوں کی گود میں کھیلے۔

شکیلہ: (اثبات میں سر ہلاتی ہے) جی۔

بڑے ابا: ہمارا عبداللہ کچھ اور ہی طبیعت کا مالک ہے۔

لبنا: کیا ہے بھائی عبداللہ کی طبیعت کو بڑے ابا؟

بڑے ابا: عام آدمیوں کی طرح نہیں ہے عبداللہ۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کے ماتھے پر سرخ لاٹ تھی۔ میں نے تابش سے کہا، بہو بچے کا صدقہ اتار دو فوراً ایسے بچے حیات نہیں رہتے۔

لبنا: ہائے بڑے ابا۔

بڑے ابا: پانچ برس کی عمر میں تو اس نے قرآن پڑھا۔ ساڑھے تیرہ سال کا تھا تو میٹرک کیا۔ دھن کا پکا ہے۔ جو سما جائے دل میں بس جائے، ہو جائے۔

لبنا: ہائے نہیں بڑے ابا۔

بڑے ابا: تو کیا میں بد تعریفی کر رہا ہوں اس۔ (جیب سے دس روپے نکال کر) لو بہو ہم لوگوں کا تبرک ہی ہوتا ہے۔ پیٹ نہیں بھرتا ہم لوگوں کے ہاتھوں کسی کا۔ (نوٹ لے کر شکیلہ پھر سے سلام کرتی ہے)

بڑے ابا: ایک نصیحت کرنا تھی تمہیں، پلے سے باندھ لو بیٹا۔

شکیلہ: جی۔

بڑے ابا: شوہر کو ہر ماسوائے ایمان کے ہر ہر معاملے میں اپنے سے برتر جانو۔ وہ تمہارا

مجازی خدا ہے۔ اس کی دل آزاری گناہ کبیرہ ہے۔ اپنے آپ کو مثل اس کے جوتے کے سمجھو۔ یوں سمجھو کہ تمہارا اوڑھنا اوڑھنا بچھونا' کھانا پینا' راحت خوشی' زندگی موت سب ہی اس کی مٹھی میں ہے۔ اللہ کے بعد وہ رازق' اللہ کے بعد وہ محافظ اور اللہ کے بعد وہی تمہارا فریاد رس ہے۔

لبنا: اور جو فریاد اسی کے خلاف کرنا ہو بڑے ابا...... تو...... تو کس در جائے عورت؟

بڑے ابا: نعوذ باللہ۔ توبہ توبہ کیسے کلمے منہ سے نکالتی ہو لبنا تم، شوہر کے خلاف فریاد تو اللہ بھی نہیں سنتا۔ وہی عورت جنت میں داخل ہوتی ہے جو ساری عمر مرد کی اطاعت گذار رہے۔

لبنا: اور مرد کے لیے کیا حکم ہے ایسی اطاعت گذار بیوی کے حق میں؟

بڑے ابا: عورت مرد کی کھیتی ہے بیٹے۔ کھیتی کی دیکھ بھال مرد پر فرض ہے۔ مرد اس کا کفیل ہے، محافظ ہے۔ کفالت کا بھی ذمے دار ہے۔

لبنا: اور اس سے زیادہ کچھ نہیں بڑے ابا؟

بڑے ابا: عورت لباس ہے مرد کا۔

لبنا: بس بڑے ابا؟

بڑے ابا: دلجوئی اور انصاف کے ساتھ رہے۔ بیویوں کے ساتھ یہی مرد کی شان ہے۔ یہی اس کی عظمت ہے۔

شکیلہ: (حیران ہو کر اوپر دیکھتی ہے)

بڑے ابا: لو بیٹی۔ پلے سے باندھ رکھو میری نصیحت اس پر عمل کیا تو دین و دنیا دونوں میں بھلا ہوگا تمہارا۔ (جاتے ہیں۔ ساتھ ہی اختر آتا ہے۔)

اختر: السلام علیکم بڑے ابا۔

بڑے ابا: شکر ہے تمہاری صورت بھی نظر تو آئی۔ میں تو سمجھا چچا کے پاس کراچی گئے ہوئے ہو۔

اختر: نہیں بھائی جی...... وہ دراصل کالج میں ان دنوں Debates ہو رہی ہیں۔ سارا دن وہیں گزرتا ہے۔

بڑے ابا: وہی دن اچھے تھے۔ جب قلم بنوانے آ جایا کرتے تھے۔ ہمارے کمرے میں اپنے زندہ رہنے کا جواز تو مل جاتا تھا ہمیں۔ (آہ بھرتے چلے جاتے ہیں)
تم روز جاتے کیوں نہیں بڑے ابا کے پاس؟

لبنا: جاتا تو ہوں جمعے کے جمعے ٹوپی مانگنے۔

اختر: کالج جانے سے پہلے سلام کر کے جایا کرو۔

لبنا: دیکھ لیجیے بھابی جان، یہ سلوک ہوتا ہے یہاں اختر نیم جاں کے ساتھ۔ اتنی بے رحمی تو تانگے والے اپنے گھوڑوں کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔

اختر: بڑی باتیں بنانا آ گئی ہیں تمہیں مباحثوں میں گھس گھس کر۔

لبنا: نوازش، شکریہ، عنایت، ذرہ نوازی، مہربانی۔ من دانم کہ من آنم۔ بندہ کس قابل ہے۔ (ہنس کر) کیوں کیسا باجی؟

اختر: یا تم رہو گے یا میں رہوں گی یہاں۔

لبنا: ناں ناں باجی اللہ میاں کا حکم ہے۔ منکر نکیر دونوں رہیں بیک وقت ایک انسان کے ساتھ۔

اختر: اختر Serious ہو جاؤ Serious۔

لبنا: مجھے سنجیدہ کرنے کے لیے کوئی بہت بڑا حادثہ چاہیے باجی۔ یہ چھوٹے موٹے واقعات تو مجھے اور بھی Light mood میں دھکیل دیتے ہیں۔ بھابی جان، پیاری دلفریب، مفرح قلب، آفت جاں، تیز گام، سبک رو دیکھنے میں دیدہ زیب کھانے میں خوش ذائقہ ایک ہی رنگ میں دستیاب ہونے والی بھابی جان (شکیلہ ہنس پڑتی ہے) موتیوں جیسی مسکراہٹ والی مس شکیلہ کے حسن کا راز موتی چور ٹوتھ پیسٹ ہے۔

اختر: اختر تمہارا کیا بنے گا۔ خدا قسم میں سوچتی رہتی ہوں۔

لبنا: میرا وہی بنے گا باجی جو ایک پڑھے لکھے Bewildered revolutiouary ungrateful نوجوان کا بن سکتا ہے۔

اختر: یعنی؟

لبنا:

اختر: یعنی ایک خوبصورت Mounment جس کے نیچے لکھا ہو Searching and never finding

(اس وقت جب اختر ذرا سا سنجیدہ ہے، دروازہ کھلتا ہے اور عبداللہ داخل ہوتا ہے۔)

اختر: (جس طرح شاہانِ مغلیہ کی آمد پر نقیب آواز لگاتے ہیں۔ اسی طرح بولتا ہے۔) نظر روبرو دست بستہ دل، شاد خاندانِ قاضیاں' راولپنڈی کے فرزندِ اکبر' راحتِ جان تابش خانم، مولوی عبدالصمد کے نورِ چشم پہلی بار ڈاکٹری امتحان میں بغیر کمپارٹمنٹ کے پاس ہونے والے، دماغ میں خدمتِ خلق کا سودا رکھنے والے، مریضوں سے محبت اور صحت مند بہن بھائیوں کو ڈرے ڈرے کہنے والے، مولوی عبدالجبار کے ہونہار پوتے، مولوی عبدالغفار جید عالم کے پڑپوتے، ابنِ فراست ابنِ فراست ابنِ فراست تشریف لاتے ہیں۔ نظر روبرو ہوشیار خبردار۔

عبداللہ: تم سب ابھی یہیں ہو؟

اختر: (تالی بجا کر) یہ کس ہندی پرندے نے صبح صبح بول کر ہماری نیند میں خلل ڈالا۔ تخلیہ۔ تخلیہ۔ (لبنا کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے جاتا ہے۔ خوشی سے عبداللہ اس طرف دیکھتا ہے)

(کٹ)

سین 7 رات اِن ڈور (اباجی کا دفتر)

(اس وقت Rocking chair میں ابا صمد بیٹھے ہیں۔ سامنے ملازموں کی طرح ماہ گل کھڑی ہے۔ اس نے اس وقت ایک سادہ سا سوٹ پہن رکھا ہے اور اوپر [illegible] ہے [illegible] سے شہر کے قریب کرنے کے لیے یہ لباس [illegible])

ابا: تم سے کس نے کہا تھا یہاں آنے کو۔ جب ایک بار میں نے تمہیں سمجھا دیا تھا کہ بھلی [illegible] تمہاری [illegible] ہے [illegible]۔ پھر تو کیوں آئی یہاں۔

ماہ گل: (ڈر کر) غلطی ہو گئی صاحب جی۔

ابا: مجھے افسوس ہے خدا بخش کے مر جانے کا۔ مجھے تم اطلاع بھجوا دیتیں دفتر کے پتے پر، میں خود آ جاتا۔

ماہ گل: (آہ بھر کر) مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آئی جی۔ کیوں اللہ نے مجھے یہ سزا دی۔ میں نے ضرور کوئی گناہ کیا ہو گا، ضرور کوئی گناہ کیا ہو گا جی۔

ابا: اب اللہ کی ہر حکمت تمہیں سمجھ نہیں آ سکتی ماہ گل۔

ماہ گل: ہاں جی۔

ابا: میں تمہیں واپس بھجواؤں گا کل صبح ہی۔

ماہ گل: (ہاتھ جوڑ کر) خدا کے لیے مجھے وہاں نہ بھجوائیے۔ مجھے ہر راستے پر، ہر جگہ وہاں خدا بخش کی یاد بہت ڈستی ہے۔ میں یہاں پڑی رہوں گی، آپ سب کے قدموں میں جی۔

ابا: اور تابش کیا تمہیں پڑا رہنے دے گی اپنے قدموں میں؟

ماہ گل: آپ مجھے خدمت کا موقع تو دیں۔

ابا: پہلی بار میں تب مرا جب امی فوت ہوئی، دوسری موت میری ماں کے بعد آئی۔ ساری عمر چھوٹی امی نے میری ماں کے پاؤں دھو دھو کر پیئے۔ بڑی بہن سمجھا میری امی کو' لیکن وہ رہی سوتیلی ماں ہی۔

ماہ گل: میرے لیے تو بیگم صاحب بڑی بہن سے بھی زیادہ ہیں جی۔

ابا: دیکھو ماہ گل۔ میں انصاف پرست آدمی ہوں۔ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا' لیکن تم یہ مت بھولنا کہ تابش کا پہلا حق ہے۔

ماہ گل: آپ مجھے آزما کے تو دیکھیں جی۔

ابا: خدمت میں راحت ہے۔ یہ اصول مت بھولو۔

ماہ گل: ٹھیک ہے جی۔

ابا: تم ہمارے رہن سہن سے ناواقف ہو۔ تمہیں آہستہ آہستہ بہت کچھ سیکھنا ہو گا۔

ماہ گل: میں پوری کوشش کروں گی۔

ابا: ہمارے خاندان کا بڑا نام ہے۔ میں نے کوئی معیوب حرکت نہیں کی۔ ہمارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت ہے لیکن آج کل لوگ کچھ مغربی خیالات کے مالک ہو گئے ہیں، اس لیے تمہیں یہاں میری بیوی ظاہر نہیں کیا جا سکتا تھوڑی دیر۔

ماہ گل: کوئی حرج نہیں...... آپ صرف مجھے مانگی نہ بھیجیں وہاں...... خدا بخش کے کپڑے ہیں۔ اس کا بستہ ہے۔ اس کے جوتے ہیں۔ (روتی ہے) یا میرے اللہ مجھے بتا دے۔ میں نے کونسا گناہ کیا تھا۔ مجھے پتہ تو چل جاتا کہ میں نے کیا کیا ہے؟ میں نے کیا کیا میرے اللہ؟ کس گناہ کی سزا ہے یہ......؟

ابا: مت رو۔ یہاں میرے بیٹے کا بیاہ ہے۔ آج بدشگونی مت کر رو رو کر۔

ماہ گل: (آنسو پونچھ کر) اچھا جی۔

ابا: (سر ہلا کر) مجھے افسوس ہے ماہ گل، مجھے تمہیں واپس ہی بھیجنا پڑے گا۔ یہاں تم نہیں رہ سکو گی۔ تمہارا خرچ تمہیں باقاعدگی سے ملتا رہے گا۔ میں تمہیں ملنے آیا کروں گا انشاءاللہ۔

(ماہ گل دوڑ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتی ہے)

ماہ گل: خدا کے لیے مجھے واپس نہ بھیجئے۔ وہاں ہر جگہ خدا بخش موجود ہے۔ میں اسے بلاتی ہوں لیکن وہ جواب نہیں دیتا۔ میں اسے چھونا چاہتی ہوں لیکن وہ میرے ہاتھ لگاتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ میں نے کونسا گناہ کیا تھا کہ میرا خدا بخش روٹھ گیا مجھ سے۔ یا اللہ میرے ایک بار ایک بار مجھے یہ تو بتا، میرا قصور کیا ہے؟ کیا قصور ہے میرا؟

(فیڈ آؤٹ)

سین 8 رات عبداللہ کا کمرہ

(حجلہ عروسی میں شکیلہ اور عبداللہ بیٹھے ہیں۔ عبداللہ اس وقت نائٹ سوٹ میں

ملبوس ہے اور پلنگ پر بیٹھا باتیں کئے جاتا ہے اور ساتھ ساتھ جوتے جرابیں بھی اتارتا جاتا ہے۔)

عبداللہ: اگر شکیلہ تم مجھ سے ویسی توقعات وابستہ کرو گی جیسی عام مردوں سے وابستہ کی جاتی ہیں تو تمہیں بہت دھچکا لگے گا۔ میرا وقت میرا نہیں، مریضوں کا ہے۔

شکیلہ: میں سمجھتی ہوں جی۔

عبداللہ: مجھ میں جذبے کی کمی نہیں ہے۔ جذبے کے اظہار کی کمی اگر ہو تو ہو۔

شکیلہ: اظہار کی کیا ضرورت ہے جی۔

عبداللہ: محبت کا اظہار خوبصورت چیز ہے لیکن بدقسمتی سے ڈاکٹروں کے پاس نہ تو وقت ہوتا ہے کہ وہ زبانی کلامی یہ اظہار کر سکیں، نہ ان کے پاس وہ سب کچھ کرنے کا وقت ہوتا ہے جس سے عورتیں عموماً خوش ہوتی ہیں۔

شکیلہ: وہ سب کچھ کیا ہوتا ہے جی؟

عبداللہ: شاپنگ، پکنک، فلم، ٹیلی ویژن، کھیل تماشا، پارٹی، ہلا گلا۔ شاید ان کاموں کے لیے تمہیں میرے بہن بھائیوں میں سے کوئی چننا پڑے گا۔

شکیلہ: آپ میرا فکر نہ کریں جی۔

عبداللہ: میں تمہارا وقت چرا کر دوسروں کو دیا کروں گا۔ اس خیانت کی تم مجھے اجازت دوں گی ناں شکیلہ؟

شکیلہ: جی......

(شکیلہ زانو پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہے۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے)

عبداللہ: کون ہے؟

اختر: میں ہوں بھیا (باہر سے)

عبداللہ: آ جا۔

(اختر آنکھیں ملتا اندر آتا ہے)

اختر: بھیا جی اکبتری سے فون آیا ہے بیگم وحید کا۔ وہ کہتی ہیں کہ اسی لمحے اسی وقت پہنچیں، وحید صاحب پھر کوما میں چلے گئے ہیں۔

(عبداللہ جلدی سے ڈریسنگ گاؤن پہنتا ہے اور اپنا بیگ اٹھاتا ہے۔ Matter of fact لہجے میں شکیلہ سے کہتا ہے۔)

عبداللہ: (گھڑی دیکھ کر) شکیلہ تم سو جاؤ پلیز، ڈھائی بج گئے ہیں۔ مجھے شاید وحید صاحب کے ساتھ ہسپتال جانا پڑے۔

(عبداللہ اور اختر باہر جاتے ہیں)

اختر: شب بخیر بھابی ڈارلنگ

(اب کیمرہ آہستہ آہستہ شکیلہ کے چہرے پر آتا ہے۔ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں پر آتا ہے اور آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہتے ہیں۔ پیچھے سے اس گیت کی آواز بلند ہوتی ہے۔ ویر میرا گھوڑی چڑھیا...... چند ثانیے بعد پھر دروازے پر دستک ہوتی ہے اور ساتھ ہی اختر Enter ہوتا ہے۔)

اختر: ایسا دولہا بھی زمانے میں نہ ہوگا کوئی جو اپنی دلہن کو انگوٹھی پہنانا بھی بھول جائے۔ بھابی جان عادی ہو جایئے عبداللہ بھائی کی بدحواسیوں سے۔ (پاس آ کر بیٹھتا ہے۔ اپنی جیب سے رومال نکال کر شکیلہ کے آنسو پونچھتے ہوئے)

اختر: ناں ناں ناں اچھے بچے نہیں روتے۔ ابھی آ جائیں گے عبداللہ بھائی۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی آنکھ جب کھلے گی سورج کی پہلی کرن کے ساتھ عبداللہ بھائی وارد ہوں گے اسی وقت۔

(شکیلہ مسکرا کر اختر کی طرف دیکھتی ہے)

اختر: پرانے زمانے میں بھابی جان جب سپاہی لوگ لمبی لمبی جنگوں پر جایا کرتے تھے تو ان کی تلواروں کے ساتھ نکاح ہو جاتے تھے لڑکیوں کے۔ بہادر بنئے۔ (شکیلہ آنسو پونچھتی ہے۔)

اختر: عبداللہ بھائی نہ سہی ان کا [illegible] ہی سہی۔ خیر اپنی بھی [illegible] ایسا برا نہیں بلکہ میں کہوں گا کہ شکل وصورت میں بہتر سمارٹ عبداللہ بھائی سے اچھا ہے۔ ہاتھ دکھایئے۔ واہ وا...... کیا [illegible] ہاتھ ہیں۔ (انگوٹھی پہناتا ہے) ہمیشہ اختر جیولرز سے انگوٹھی بنوایئے [illegible] فیشن [illegible] خواتین کی پسند [illegible] تقریب اور پارٹی کے لیے۔

(اب پہلے تو شکیلہ ہنس پڑتی ہے اور پھر یکدم اپنا منہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگتی ہے۔ اختر اسے چپ کراتا ہے۔)

کیا ہوا بھابی...... یہ یکدم بارش کیسی؟ بھابی جان کیا ہوا ہے بھئی...... مجھے تو بتایئے اختر ناچیز کو بھابی۔ بھابی دیکھئے میں بھی رونے لگوں گا۔ بھابی...... بھابی۔

(بھیں بھیں کر کے روتا ہے۔)

(فیڈ آؤٹ)

سین 9 رات ان ڈور (ڈرائنگ روم)

(تمام لڑکیاں اور عورتیں جگہ بہ جگہ کچھ صوفوں پر کچھ نیچے سوئی ہوئی ہیں۔ ریڈیو بج رہا ہے اور اکیلی شازی ناچ رہی ہے۔ آنکھیں نیند سے بند ہیں لیکن ناچے جاتی ہے۔ ''دیساں دا راجہ'' ٹیپ ریکارڈر پر لگا ہے اور جہاں سے یہ بند شروع ہوتا ہے، وہاں سے گیت جاری ہے۔ ''نچ نچ اجی میرا جی نیوں بھردا'' ۔ ہدایتکار اگر گیت بدلنا چاہیں تو وہ ناچنے سے ہی متعلق ہونا چاہیے۔)

(کٹ)

سین 10 رات ان ڈور (اباجی کا آفس)

(یہاں سے آفس جاتے ہیں۔ اب آفس ٹیبل پر کہنیاں جمائے تابش بیٹھی ہے اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہے۔)

ابا: آخر تم چاہتی کیا ہو، کیا کیا جائے؟

تابش: میں کچھ نہیں چاہتی صمد۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں تاکہ میں دل بھر کے رو سکوں۔

ابا: اچھی ماں ہو تم، بیٹے کے بیاہ پر رو رہی ہو۔ انتہا کی بدشگونی کر رہی ہو تابش۔

آپ مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھوڑی دیر......؟

تابش: آپ مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھوڑی دیر......؟

ابا: آخر ہوا کیا ہے۔ کیا میں نے پہلی بار دوسری شادی کی ہے؟ کیا ایسا واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوا آج تک؟ تم تو اس طرح رو رہی ہو جیسے خدانخواستہ کوئی بچہ مرگیا ہو تمہارا، خدا کا شکر کرو۔ عبداللہ کی شادی ہوئی ہے۔ خدا کا شکر کرو کہ تم پر وہ سب نہیں بیتی جو ماڈگل پر بیت گئی۔

تابش: جس وقت کوئی اندھا ہو جائے، اسے یہ نہیں یاد رہتا صمد کہ اس کے باقی تمام اعضاء سلامت ہیں۔ اسے لگتا ہے وہ دنیا میں پہلا اندھا ہے۔

ابا: تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ مجھ میں کوئی شرعی عیب نہیں ہے۔ شراب میں نہیں پیتا۔ جواء میں نہیں کھیلتا۔ کوئی ایسا عیب مجھ میں نہیں جس کا تم رنج کرو۔ ہاں یہ حادثہ تمہارے لیے تکلیف دہ ضرور ہے لیکن اسے منجانب اللہ سمجھ کر صبر و شکر سے برداشت کرو۔

تابش: چلے جاؤ صمد ورنہ میں کچھ سخت باتیں کہہ دوں گی تمہیں۔

ابا: کہہ دو کہہ دو، تمہارا حق ہے سخت باتیں کرنے کا۔

تابش: تم نے...... تم نے شادی کے روز مجھے کہا تھا صمد کہ میں زندگی میں کچھ بننا چاہتا ہوں۔ میرا ساتھ دینا تابش۔

ابا: شکر ہے میرے مولی نے میری یہ آرزو پوری کر دی۔

تابش: میں نے تمہاری راہ کے ہر روڑے کو ہٹانا چاہا، میں نے تمہیں با اصول رہنے دیا اور خود وہ تمام اصول توڑ دیے جو میرے نزدیک بامعنی تھے۔

ابا: یہ تمہاری غلطی تھی۔ اپنے اصول نہیں توڑنے چاہئیں کسی کی خاطر۔

تابش: جاؤ صمد سو جاؤ جا کر۔ کیا رکھا ہے ان باتوں میں ہم تو زخم پر پھاہا رکھنا بھی نہیں جانتے۔

ابا: سنو تابش ابڑے ابا نے تین شادیاں کیں۔ ایک بار بھی ایسا واویلا نہیں مچا۔ میری ماں نے اپنا تمام زیور سوت کو پہنا کر بنا سنوار کر اسے اپنے پلنگ پر بٹھایا اور خود باہر چلی گئی۔

تابش: [illegible] ان سے کس کام کا [illegible] گیا تھا؟

ابا: ساری عمر میری امی اور چھوٹی امی کا ایسا سلوک رہا جیسے سگی بہنیں ہوں۔ ہم سوتیلے

بہن بھائیوں کو دیکھ لو۔ ہے کوئی غیریت؟

تابش: جاؤ صمد سو جاؤ، بہت رات ہوگئی ہے۔ زمانہ بدل گیا ہے۔

ابا: تم کو اگر اسی قدر رونا تھا تو تم نے اسے بلایا کیوں؟

تابش: اس لیے کہ قصور اس کا نہیں تمہارا ہے۔

ابا: میرا قصور...... حد ہوگئی، کمال کرتی ہو۔ شرعی حق ہے میرا۔

تابش: تم تو سفید قوموں کی طرح ظلم کرتے ہو صمد۔ ظلم بھی کرتے ہو اور سیاہ لوگوں کو رونے بھی نہیں دیتے۔

ابا: تو رو لو بھئی تمہاری مرضی ہے۔ ہمارے خاندان میں تو سبھی عورتیں ہمیشہ شاکر و صابر رہیں۔ رو لو، جب دل ٹھنڈا ہو جائے تو سو جانا۔ شب بخیر (چلا جاتا ہے۔ تابش کا چہرہ C.U. میں آتا ہے۔ موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے ہیں۔ جمی فرنی کی چینی لیے آتا ہے)

جمی: آپ نے کھانا نہیں کھایا امی؟

امی: کھایا تھا بہت سا کھانا۔ تم سوئے نہیں ابھی تک؟

جمی: کیا کھایا تھا آپ نے؟

امی: بریانی پلاؤ۔ ساگ گوشت، قورمہ۔

جمی: میں دیکھ رہا تھا امی۔ آپ نے پلیٹ تک نہیں اٹھائی۔ میں نے یہ فرنی رکھی تھی آپ کے لیے کھائیے۔

امی: نہیں جمی۔

(جمی فرنی انگلی سے لگا کر ماں کو کھلاتا ہے۔ ماں کے آنسو گرتے ہیں)

-------O-------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 8

کردار

امی: تابش
ابا: مولوی عبدالصمد
ماہ گل: خوبصورت عورت
شازی:
لبنا:
عبداللہ:
شکیلہ:
اختر:
فرید:
جمی:

سین 1 شام آؤٹ ڈور (لان)

(اس سکرپٹ میں دو سیٹ درکار ہوں گے۔ ایک تو کمروں کے اندر جانے والی کشادہ گیلری، جس میں اوپر کی منزل کی طرف جانے والی ریلنگ والی سیڑھیاں ہیں۔ ایکشن ان سیڑھیوں پر ہوتا ہے۔ یہاں تھوڑا سا خوبصورت پائپ فرنیچر بھی ہے اور ایک طرف فون کا ریک بھی موجود ہے۔
سیٹ کا دوسرا حصہ لان کا ہے۔ یہاں سے ڈرامہ شروع ہوتا ہے۔ باغ کے اس حصے میں اتنا کھلا پن ضرور ہونا چاہیے کہ اس میں آنکھ مچولی کھیلی جا سکے۔ جس وقت منظر کھلتا ہے، ماہ گل دائرے کے بیچ میں ہے اور اختر اس کی آنکھوں پر رومال باندھ رہا ہے۔ شازی کے ریڈیو کو لان کے کونے میں بجتا چھوڑ دیں۔ ریڈیو پر بڑی تیز دھن جاری ہے۔ گھر میری جنت قسم کا کوئی گیت بھی لگا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ماہ گل کے ارد گرد ابا، تابش، شازی، لبنا، شکیلہ، فرید، جمی اور عبداللہ نے ہاتھ پکڑ کر گھیرا ڈال رکھا ہے۔ اختر نے اس وقت بی اے والا سیاہ گاؤن پہن رکھا ہے۔ چہرے پر زبردست قسم کی عینک لگا رکھی ہے۔)

لبنا: زیادہ زور سے مت باندھو۔

اختر: آج میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ آج اختر صمد پورا بی اے ہو گیا۔ معمولی بات نہیں ہے۔

تابش: عینک تو اتار دو اختر۔

اختر: عینک کے بغیر آدمی پڑھا لکھا نہیں لگتا امی۔ یہ میک اپ ہے تعلیم یافتہ بی۔ اے پاس کا۔

(اب باہر کا دائرہ آہستہ آہستہ گھومتا ہے۔ اختر اندر ماہ گل کو دو چار چکر دے دیتا ہے۔ باہر کے سب لوگ گیت کے ساتھ Rythum میں تالیاں بجاتے ہیں۔ ماہ گل ان کو پکڑنے کے لیے بڑھتی ہے۔ جدھر وہ جاتی ہے اُدھر سے آدمی نکل جاتا ہے۔ بلآخر وہ ابا کو بھاگ کر پکڑتی ہے۔ موسیقی میں ایک دھماکے کا Bang ہو کر موسیقی بند ہوتی ہے۔)

ب: پکڑے گئے ابا پکڑے گئے، واہ خالہ واہ۔

(جس وقت ماہ گل ابا کو پکڑتی ہے اور آنکھوں سے پٹی کھولتی ہے۔ ابا، امی اور ماہ گل کا Expression باری باری دکھایا جاتا ہے۔ ابا خوش ہیں۔ ماہ گل ڈری ہوئی چور سا محسوس کرتی ہے۔ امی کا چہرہ یکدم فق ہو جاتا ہے۔ اختر بھاگ کر ابا کو پکڑ کر دائرے کے اندر لے جاتا ہے۔ موسیقی ہلکی ہو جاتی ہے۔ کیمرہ عبداللہ اور امی پر آتا ہے۔)

امی: میں ابھی آتی ہوں عبداللہ، تم لوگ کھیلو۔

عبداللہ: کہاں جا رہی ہیں آپ امی؟

امی: بس ذرا!

عبداللہ: (یکدم ماں کا ہاتھ پکڑ کر) Are you all right?

امی: Don't worry perfectly well

(ماں جلدی سے جاتی ہے۔ دائرے کے درمیان اختر باپ کی آنکھوں پر پٹی باندھتا ہے۔ دائرے میں سب گھومتے اور تالیاں بجاتے ہیں۔ موسیقی بڑی روشن اور تیز ہوتی ہے۔ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

سین 2 وہی وقت گیلری (ان ڈور)

(ڈور منظر جب فیڈ ان ہوتا ہے تو سیڑھیوں پر ایک Shaded light اوپر

سے نیچے کی طرف آتی ہے۔ اس کی روشنی میں ریلنگ کے ساتھ امی سر لگائے بیٹھی ہے۔ اس روشنی میں نظر آتا ہے کہ اسے سانس چڑھا ہوا ہے اور جیسے وہ کچھ فیصلہ نہیں کر پائی کہ اس لمحے اسے کیا کرنا چاہیے۔ اب کیمروں کی جانب سے ابا Entry دیتا ہے اور ایک بتی جلاتا ہے اور پھر مسکراتا ہوا گیلری میں اندر کی جانب چلا جاتا ہے۔ وہ تابش کو نہیں دیکھتا)

تابش: (آواز دیتے ہوئے) صمد...... (دکھ سے) صمد...... (حیرانی سے) صمد...... (Disillusion ہو کر) صمد۔ (ٹوٹے اور بکھرے ہوئے انداز میں اپنے آپ سے سوال کے سے انداز میں) صمد؟ (آواز بتدریج ہلکی ہوتی جانی چاہیے۔)

صمد اپنی پائپ سلگاتا اندر کی طرف نکل جاتا ہے۔ ماں پرس کھول کر دو گولیاں نکالتی ہے اور چائے کی پیالی جو اس کے پاس سیڑھیوں پر ہے۔ اس میں سے دو گھونٹ پی کر گولیاں نگلتی ہے۔ پھر کوئی خیال جھٹک کر مسکراتی ہوئی اوپر کی منزل کی طرف چلی جاتی ہے۔ اب یہاں لبنا آتی ہے اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر اپنی ڈائری میں لکھنا شروع کر دیتی ہے۔ وہ لکھتی جاتی ہے اور اس کی آواز جو پہلے سے ریکارڈ کی گئی ہے، آتی رہتی ہے۔)

لبنا: خدا جانے امی کو کیا ہو گیا ہے۔ جس روز سے بھیا جی کی شادی ہوئی ہے، امی پہلے سی نہیں رہیں۔ میں دیکھتی رہتی ہوں، وہ ہر لمحے آنسو پینے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ کیا بہو کا آ جانا ساس کے لیے ایسا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(اب ماہ گل اندر آتی ہے)

ماہ گل: آپ یہاں لکھ رہی ہیں؟

لبنا: میرا لکھنا ایسا ہی ہوتا ہے خالہ شتابی شتابی۔ زیادہ دیر تک خیال کو اٹھائے پھروں تو ذہن پر بوجھ سا پڑتا ہے۔

ماہ گل: میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں یہاں؟

لبنا: ضرور خالہ۔

ماہ گل: آپ لوگ سب...... کتنے خوش رہتے ہیں ایک دوسرے سے۔

لبنا: ابھی آپ نے امی کو نہیں دیکھا خالہ، عبداللہ بھائی کی شادی سے پہلے تو امی بالکل جوان لگتی تھیں۔ سب انہیں ہماری بہن سمجھتے تھے۔

ماہ گل: لبنا۔

لبنا: جی خالہ۔

ماہ گل: میں نے سوچا ہے کہ میں مانگلی واپس چلی جاؤں گی۔

لبنا: واہ ہم آپ کو جانے دیں گے بھلا؟ امی آپ کی وجہ سے بہلی ہوئی ہیں ورنہ عبداللہ بھائی کی شادی سے انہیں بڑا سخت احساسِ محرومی ہو رہا ہے۔

ماہ گل: میں بہت بڑا بوجھ ہوں، بہت بڑا پتھر ہوں اس گھر کے لیے۔ مجھے ہر وقت خوف آتا ہے اپنے آپ سے۔

لبنا: خدا کے لیے خالہ رومانٹک ہونے کی کوشش نہ کریں، میں بہت زُود اثر ہوں۔

ماہ گل: تم سب بہت اچھے ہو۔ کہیں کسی روز......

لبنا: خالہ آپ کے میاں کہاں رہتے ہیں، یہ بتائیے......؟

ماہ گل: یہیں کہیں پنڈی میں رہتے ہیں۔

لبنا: آپ کو ان کا پتہ معلوم نہیں ہے خالہ......؟

ماہ گل: بس کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی لبنا۔ وہ ہی آ جاتے ہیں ہمیں ملنے مانگلی میں۔

لبنا: خدا بخش کی وفات کا سن کر انہیں بہت رنج ہوا ہوگا، ہے نا خالہ؟ وہ وہیں تھے اس وقت؟

ماہ گل: ہوا ہوگا لبنا...... پر...... تم لوگوں میں رہ کر تو مجھے خدا بخش بھی بھول گیا۔ تم سب کی محبت ہی ایسی ہے۔

لبنا: خالہ...... امی کو بھی معلوم نہیں کہ آپ کے Husband کہاں رہتے ہیں؟

ماہ گل: وہ مجھ سے بولتے نہیں ہیں لبنا۔ ان کے پاس جا کر میں کیا کروں گی؟

لبنا: خالہ کب ہوئی تھی آپ کی شادی؟

ماہ گل: دس برس ہو گئے اس واقعے کو...... شادی کیا تھی لبنا...... بس ایک سودا ہو گیا تھا میرے ابا کے ساتھ۔ میرا سودا کر کے ابا نے جو زمین خریدی، وہ میرے سوتیلے

بھائی نے چھین لی۔ ابا اللہ کے گھر چلا گیا، زمین بھائی کی ہو گئی اور خدا بخش ناراض ہو گیا ہمیشہ کے لیے۔

لبنا: آپ فکر نہ کریں خالہ۔ امی آپ کے سارے نقصان پورے کر دیں گی۔ آپ ان کے فیشنوں پر نہ جائیں۔ بڑا اچھا دل ہے امی کا بڑا محسوس کرنے والا۔

ماہ گل: اسی لیے تو کہتی ہوں مجھے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔

لبنا: یہ کیا بات کی آپ نے خالہ؟

ماہ گل: (اٹھتے ہوئے) ابھی میں بوجھ نہیں ہوں لیکن رفتہ رفتہ بن جاؤں گی لبنا۔ میں جانتی ہوں۔ ایسی باتوں کو سمجھنے کے لیے (سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی جاتی ہے) کچھ لکھنا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

(اس کے جانے کے بعد لبنا پھر لکھنے میں مشغول ہو جاتی ہے)

لبنا: ماہ گل خالہ کتنی مظلوم ہے، کتنی بے سہارا ہے۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے، یہ یہاں سے کہیں نہ جائیں۔ ساری عمر ہمارے ساتھ رہیں پر انہیں کسی روز ان کا شوہر ہم سے دور لے جائے گا۔ یہ بھی میں جانتی ہوں۔

(اب فرید ہاتھ میں ایک رسالہ لیے آتا ہے۔)

فرید: یہ آپ کا رسالہ رجسٹری آیا ہے۔

لبنا: شکریہ۔

فرید: میں نے Acknowledgement due پر دستخط کر دیے تھے آپ کے۔

لبنا: (رسالے کا باہر والا کاغذ کھولتے ہوئے) مہربانی ہے آپ کی۔

فرید: آپ کو تو بہت سے رسالے آتے ہوں گے Complementry۔

لبنا: جی ہاں تقریباً سبھی رسالے آتے ہیں۔

فرید: اس میں آپ کی کوئی کہانی چھپی ہے؟

لبنا: جی نہیں۔ اس میں میرا قسط وار ناول چھپ رہا ہے 'لگن اپنی اپنی'۔

فرید: واہ صاحب کیا خوبصورت نام ہے۔ Excuse me ذرا میں رسالہ دیکھ لوں۔ واہ لگن اپنی اپنی۔

لبنا: ضرور دیکھئے۔

فرید: یہ تو چوتھی قسط ہے۔

لبنا: جی۔

فرید: پچھلے رسالے آپ کے پاس ہوں گے۔ کیا آپ مجھے Lend کر سکیں گی؟

لبنا: ضرور۔

فرید: کیا اچھا نام رکھا ہے آپ نے ناول کا۔ ''لگن اپنی اپنی'' واقعی یہ انسان کے اندر جو ایک کیڑا سا ساجاتا ہے، ایک دھن سی جو اسے لیے پھرتی ہے، اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو عموماً بڑی بے وقوفی سی ہوتی ہے اس دھن میں۔

لبنا: بھیا جی کہا کرتے ہیں کہ انسان دراصل دو راستوں پر چلتا ہے دنیا کی طرح۔ ایک تو دنیا اپنے محور پر گھومتی ہے۔ دوسرے مدار ارضی پر گھومتی ہے سورج کے گرد...... مدار کی رفتار سست اور محور کے گرد کا سفر تیز ہوتا ہے۔

فرید: بھیا جی بھی پورے فلاسفر ہوتے رہے ہیں۔

لبنا: جس روز محور کے گرد سفر ختم ہو گیا، دنیا میں قیامت آ جائے گی۔ جس روز انسان کے اندر کی لگن مر گئی، وہ قبر میں جا پہنچے گا بلا وجہ۔

فرید: آپ لکھنے والے کتنے ذہین ہوتے ہیں۔ جھٹ دل کی بات سمجھ لیتے ہیں۔

لبنا: (سیڑھیوں پر بیٹھتی ہے۔ فرید ریلنگ کے ساتھ لگا کھڑا ہے) آپ جہلم گئے تو؟

فرید: بس آپ سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا جہلم سے واپسی پر۔

لبنا: آپ لبنا سے ملے تھے؟

فرید: کس سے؟

لبنا: لبنا شمشیر علی سے جس سے آپ...... آپ نے کہا تھا ناں کہ آپ اس سے محبت کرتے تھے؟

فرید: اچھا لبنا شمشیر علی سے۔ عابدہ کے جنازے پر وہ آئی تھی۔ خدا جانے کیا بات تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ عابدہ کی موت پر دل ہی دل میں بڑی خوش تھی۔

لبنا: جی؟ یہ اندازہ آپ نے کیسے لگا لیا؟

فرید: پتہ نہیں جی۔ ویسے تو وہ پٹی پکڑ کر بڑی دیر روتی رہی۔ جب اس نے سپارہ پڑھ کر رکھا تو میں نے چھو کر دیکھا تھا۔ سارا بھیگا ہوا تھا لیکن...... پتہ نہیں کیوں مجھے لگا جیسے وہ عابدہ کی موت سے Relieved ہو، خوش ہو۔

لبنا: اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے آپ سے بڑی محبت ہے۔

فرید: آپ جانتی ہیں۔ یہاں سے میں لبنا کو دیکھنے کی آرزو میں گیا تھا لیکن عابدہ کے جنازے پر اسے دیکھ کر پتہ نہیں میری محبت کو کیا ہوا، خود بخود ختم ہو گئی۔ جیسے ہی عابدہ کا جنازہ گھر سے نکلا، میری محبت میرے دل سے پر لگا کر اڑ گئی۔

لبنا: آپ کی محبت تو بڑی خطرناک اور بے اعتباری قسم کی ہے۔

فرید: دراصل...... ابھی تک میں ایسے کسی تجربے سے دوچار نہیں ہو سکا جو برسوں میرا ساتھ دے سکے۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے میرے ذہن کا محاصرہ کیے رہے، تمام آزمائشوں کے باوجود ساتھ رہے میرے۔

لبنا: آپ بہت خوش نصیب ہیں فرید صاحب۔

فرید: میں آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سناؤں اپنی زندگی کا؟

لبنا: جی سنائیے۔

فرید: ایک دفعہ مجھے دل ہی دل میں ایک لڑکی بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ آپ کو میں ادیب سمجھ کر دل کی باتیں بتا رہا ہوں ساری۔

لبنا: ضرور بتائیے۔

فرید: وہ تانگے پر سکول آتی جاتی تھی۔ میں سائیکل پر اس کے پاس سے گذر جایا کرتا۔ میں نے کبھی پلٹ کر اسے نہیں دیکھا، نہ ہی اس کا تعاقب کیا۔ بس جس طرح وہ نیلا نقاب اٹھائے بستہ سیٹ پر رکھ کر بیٹھی رہتی، مجھے یوں لگا کرتا کوئی مغل شہزادی کسی ہودے میں بیٹھی ہے، راج ہنس کی طرح گردن اٹھائے۔

لبنا: پھر؟

فرید: پھر جی ایک روز میں نے اسے دیکھا۔ دو پیسے کے پکوڑے اخبار کے ٹکڑے میں لیے کھا رہی تھی، بے تکلف، تانگے کے پیچھے بیٹھی...... پتہ نہیں ان پکوڑوں میں

کچھ تھا کہ اس کے کھانے کے انداز میں کچھ ایسی چیز تھی۔ اس Cheap اور معمولی حرکت پر میرا سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ مطلب شہزادی کی جگہ ایک معمولی لڑکی آ بیٹھی۔

لبنیٰ: پکوڑے کھانا کچھ ایسا معیوب تو نہیں ہے فرید صاحب......

فرید: جی تو میں سمجھایا کرتا تھا اپنے آپ کو لیکن دل جب ضد کرتا ہے تو پھر پرانے راستے پر نہیں جایا کرتا۔ اس کی اڑان تو بادل کی طرح بے پروا ہوتی ہے۔

لبنیٰ: آپ کی محبت دراصل ابھی آپ کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس کا تعلق کسی انسان سے نہیں ہو پایا۔ جب آدمی سچ مچ محبت میں مبتلا ہوتا ہے تو دماغی Images ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ شخص واحد Image بن جاتا ہے، معیار بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی انسان اپنے Ideal کی تلاش نہیں کرتا بلکہ اسی انسان کو دوسروں میں تلاش کیا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے اپنے آئیڈیل کو......

فرید: آپ کا کیا خیال ہے۔ دنیا کی عظیم ترین ٹریجڈی کیا ہے؟

لبنیٰ: (نظریں جھکا کر) محبت میں شکست۔

فرید: ہاں جی ہاں۔ میں سمجھتا ہوں سب سے بڑی ٹریجڈی یہ ہے کہ پہلے انسان کسی کا Image بنائے اسے دل کے تخت پر بٹھائے اور پھر اچانک ایک دن اسے علم ہو کہ یہ انسان ابن مریم، دیوتا، پیر مغاں کچھ بھی نہیں، گوشت پوست سے بنا ہوا انسان ہے۔ ہاتھ سے روٹی کھانے والا منہ کھول کر چھینکیں مارنے والا جس کے ناخنوں میں میل اور سر میں سکری ہے۔ جس کے پیروں میں سخت جوتوں سے گٹھے پڑے ہیں اور جس کے دو دانتوں میں Filling ہو چکی ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں میرا مطلب؟

لبنیٰ: میں پوری کوشش کر رہی ہوں۔

فرید: آپ کہیں گی [illegible] Thesis [illegible] محبت پر اور آتا جاتا کچھ نہیں۔

ادیبوں کو سمجھانا تو چراغ کو روشنی دکھانا ہے۔

لبنیٰ: آپ اس قدر انکساری سے کام نہ لیں۔

فرید: جس طرح ایکٹروں کے گرد ایک خاص قسم کا Aura ہوتا ہے ان کی بات کا بھلا۔

Aura کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟

لبنیٰ: خوشبو، مہک، مہکار، سگندھ۔

فرید: ایکٹروں کے ارد گرد بھی ایک ایسی خوشبو، ایسی مہک ہوتی ہے۔ انہیں خود لکھنے والے، ان کے خواب دیکھنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہ بھی گوشت پوست کے بنے ہوتے ہیں۔ انہیں بھی غصہ آتا ہے۔ وہ بھی غیبت کرتے ہیں۔ انہیں بھی چوری، بدعہدی کی عادت ہو سکتی ہے۔

لبنیٰ: آپ ہیرو ورشپ کی بات کر رہے ہیں۔ محبت یہ چیز نہیں ہے۔

فرید: پھر محبت کیا ہے؟

لبنیٰ: محبت تو محبوب کے سارے عیوب کو اس طرح چاہنے لگتی ہے جیسے انسان کو اپنے عیوب سے پیار ہوتا ہے۔ اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھ کر کسے احساس ہوتا ہے کہ وہ بدصورت ہے۔ محبوب آئینے میں نظر آنے والی صورت ہے۔

فرید: یعنی یہ تو Self-love کی ہی ایک شکل ہوئی ہے نا؟ یہ تو پھر ہیرو ورشپ سے بھی خراب چیز ہے۔

لبنیٰ: اصلی محبت چاہے Self-love سے ہی نکلتی ہو فرید صاحب لیکن اس جذبے سے ماوراء ہے۔ اسے Transcend کرتی بڑی بلندیوں کو چھوتی ہے۔

فرید: آپ سے میں بلا تکلف ایسی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ آپ کہیں Mind تو نہیں کرتیں۔

لبنیٰ: جی نہیں بلکہ آپ کی باتوں سے تو مجھے بہت کچھ سوچنے کا مواد ملتا ہے۔

فرید: آپ کے افسانوں سے ظاہر ہے کہ آپ کے خیالات میں بڑی پختگی ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں آپ سے؟

لبنیٰ: فرمائیے۔

فرید: جیسی محبت کا ذکر آپ کر رہی ہیں، دوسرے کے عیوب کو چھپانے والی محبت...... ایسی محبت کبھی آپ کو بھی ہوئی ہے کسی سے......؟

(اس وقت شازی اندر آتی ہے)

شازی: فرید بھائی، خدا کے لیے آپ اس قدر جان نہ چھپایا کریں کام سے۔

لبنا: ہوا کیا؟

شازی: خدا قسم باجی ان سے کہا فرید بھائی، ذرا میرا ریڈیو دیکھئے۔ لگاتی لاہور ہوں لگتا آزاد کشمیر ہے۔ کہنے لگے ذرا سا قصور ہے۔ میں نے کہا دیکھ لیجیے اور یہ یہاں آ بیٹھے ہیں۔

لبنا: تم اختر کو دیتیں، وہ دکان پر دکھا لاتا۔

شازی: اختر تو آج بی اے کی ڈگری لے کر لاٹ صاحب بن گیا ہے، وہ کسی کی سنتا ہے؟

فرید: چلیے میں تو صرف پانی کا گلاس تلاش کرنے آیا تھا۔

لبنا: ایسا کیا ضروری ہے ریڈیو......

شازی: ہائے ضروری کیوں نہیں، میرا تلقین شاہ Miss ہو جائے آج کا؟ چلیے فرید بھائی پلیز۔

فرید: سچ کس لے آئی ہیں آپ؟

شازی: سچ کس، پلاس، ہتھوڑی سب لے گئی ہوں باہر۔

فرید: اگر آپ کو ضرورت نہ ہو تو میں یہ رسالہ لے جاؤں اپنے ساتھ؟

شازی: (جاتے ہوئے) باجی باہر آ کر بیٹھیں دھوپ میں، یہاں تو بلا کی سردی ہے۔
(شازی اور فرید جاتے ہیں)

لبنا: (لکھتی ہے، آواز Over lap کرتی ہے) کبھی کبھی موقع زندگی میں آتا ضرور ہے لیکن یوں نکل جاتا ہے جیسے زندہ مچھلی جال سے نکل جائے۔ (چہرہ اٹھا کر) کبھی کبھی ہم ایک دوسرے کا کتنا نقصان کر دیتے ہیں بلا سوچے سمجھے۔ (اب شکیلہ آتی ہے۔ اس نے باہر جانے کی خوب تیاری کر رکھی ہے۔)

شکیلہ: باجی آپ چلیں، ہمارے ساتھ فلم دیکھنے۔

لبنا: [illegible] Booking [illegible] کتنی سیٹوں کی [illegible]

شکیلہ: بکنگ تو صرف دو کی ہے لیکن ہم ٹکٹ خرید لیں گے۔

لبنا: (محبت سے) آپ دونوں جائیں [illegible] پہنچیں۔ آپ میلے میں فلم دیکھنا

چاہتی ہیں؟

شکیلہ: ہائے برا لگتا ہے۔

لبنا: کچھ برا نہیں لگتا۔ ہم سب تو ڈنر پر جا رہے ہیں، آپ کیوں برا منا رہی ہیں؟

شکیلہ: میں نے عبداللہ سے کہا تھا کہ سب کی بکنگ کروا لیں، وہ صرف دو ٹکٹیں......

لبنا: خدا قسم شکیلہ۔ ہمیں سب کو اس بات کی زیادہ خوشی ہوگی اگر آپ دونوں اکیلے فلم دیکھنے جائیں۔ میرے لیے میٹھا پان اور جمی کے لیے Chips لانا مت بھولنا۔

شکیلہ: ضرور...... امی کے لیے گجرا...... ماہ گل خالہ کے لیے سادہ پان، ابا جی کے لیے Nuts والے چاکلیٹ، شازی کے لیے گانوں والی کاپی۔

لبنا: (جاتے ہوئے) Long live Shakila
(شکیلہ نمبر ملاتی ہے۔ جمی کاپی کھول کر ہاتھ میں پن لیے آتا ہے)

جمی: بھابی شکیلہ ذرا مجھے یہ سوال کروا دیجیے۔

شکیلہ: ہائے میں ضرور کروا دیتی جمی، لیکن میں تو فلم دیکھنے جا رہی ہوں۔

جمی: آپ تو شادی سے پہلے کہا کرتی تھیں کہ مجھے روز پڑھائیں گی۔

شکیلہ: اب تجھے کیا بتائیں جانِ من شادی کے بعد کیا ہوتا رہتا ہے۔ ہر روز کبھی یہ دعوت، کبھی وہ پارٹی۔

جمی: بھابی پلیز چھوٹا سا سوال ہے۔ (سوال پڑھتے ہوئے) Explain what diseases are spread by water? میں نے کالرا، ٹائیفائیڈ اور Dysentry تو لکھ لیا ہے، دو بیماریاں اور بھی تھیں۔

شکیلہ: (محبت کے ساتھ گال پر ہاتھ رکھ کر) میرا چاند بھائی، آج شازی سے پوچھ کر سوال کر لے۔ کل سے میں ضرور پڑھاؤں گی تجھے۔

جمی: کس فلم پر جا رہے ہیں آپ لوگ؟

شکیلہ: پھل کیکراں دے۔

جمی: مجھے بھی لے چلیں بھابی جان۔

شکیلہ: یہ بچوں کے دیکھنے کی فلم نہیں ہے جمی۔

جمی: تو پھر آپ کیوں دیکھنے جا رہی ہیں بھابی؟

شکیلہ: ایسے ہی بھیا جان، ذرا دو گھڑی ہنس لیتا ہے آدمی۔

جمی: میں بھی ہنس لوں گا بھابی جی۔

شکیلہ: کوئی اچھی سی انگریزی فلم آئے گی نا جانوروں والی یا سرکس کی تو تمہیں دکھانے لے چلوں گی۔

جمی: میری کلاس کے تو سارے لڑکے پنجابی فلمیں دیکھتے ہیں بھابی۔

شکیلہ: تو کوئی اچھی بات تو نہیں کرتے ناں۔ اچھا تو بھاگ کر ہوم ورک کر لے، پھر ٹیلیویژن لگ جائے گا۔

جمی: بھابی جی۔

شکیلہ: جی۔

جمی: Essay کو اردو میں جواب مضمون کیوں کہتے ہیں؟

شکیلہ: (حیران ہو کر) جواب مضمون؟

جمی: اگر صرف مضمون کہیں تو بات بھی ہو۔

شکیلہ: اب کل تم پوچھو گے کہ طوطے کو میاں مٹھو کیوں کہتے ہیں۔ بس کہتے ہیں، رواج ہے لوگ اسی طرح کہیں گے۔

جمی: مجھے فلم دکھانے لے چلیں بھابی جی۔

شکیلہ: وعدہ جمی۔ جب کوئی اچھی انگلش فلم آئے گی ناں بچوں والی تو تمہیں ضرور لے جاؤں گی۔ اب تم سیدھے شازی کے پاس جاؤ شاباش۔ Good bye (جمی کچھ سوچتا ہوا چلا جاتا ہے۔ شکیلہ فون ملاتی ہے)

شکیلہ: ہیلو...... خالہ بخاری بول رہی ہیں۔ جی میں شکیلہ۔ خالہ میں اور عبداللہ نہیں آسکیں گے ڈنر پر۔ آپ ہمیں Excuse کر دیں خالہ پلیز...... وہ دراصل عبداللہ نے سیٹیں بک کروائی ہیں فلم کی...... جی؟...... نہیں خالہ پتہ تو تھا آپ کے ڈنر کا عبداللہ [illegible] والی...... میں جانتی ہوں

خالہ آپ نے ہمارے لیے دعوت کی ہے So nice of you...... خالہ ہم سیدھے وہاں سے آ جائیں گے Right...... اچھا خدا حافظ۔

(اب اندر کی طرف سے عبداللہ آتا ہے۔)

شکیلہ: تیار ہو گئے آپ؟

عبداللہ: بالکل...... رومال، کنگھی، بوٹ سب چیک کر لو۔

شکیلہ: آج میں بہت خوش ہوں۔

عبداللہ: اچھا......؟ کس لیے۔

شکیلہ: آپ نے چھٹی جو کی ہے کلینک سے (آہستہ) میرے لیے۔

عبداللہ: اچھا کون سی فلم دیکھ رہے ہیں ہم دونوں؟

شکیلہ: پھل کیکراں دے۔

عبداللہ: پنجابی فلم...... لاحول ولا۔

شکیلہ: آپ کو مزا نہیں آتا پنجابی فلم دیکھ کر، خدا قسم میں تو ان کے ناچ گانے بہت Enjoy کرتی ہوں۔

عبداللہ: میں بھی Enjoy کرتا ہوں۔

شکیلہ: ایک غلطی ہو گئی عبداللہ......

عبداللہ: کیسی غلطی؟

شکیلہ: سب کو لے کر چلنا چاہیے تھا، میں نے صرف دو سیٹوں کی بکنگ کروائی۔

عبداللہ: Never mind......

شکیلہ: ہائے برا لگتا ہے...... عبداللہ

(اندر سے آواز آتی ہے)

شازی: بھابی...... بھابی...... بھابی جان۔

(شکیلہ جاتے ہوئے)

شکیلہ: ابھی آئی عبداللہ۔

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ عبداللہ چونکا اٹھا کر فون اٹھاتا ہے۔)

عبداللہ: ہیلو...... کون؟ ڈاکٹر مصطفےٰ۔ کیا بات ہے بھئی؟ کیا کہا؟ تو آپ پھر اس کیس کو نہ Handle کریں اور اسے ہسپتال بھجوادیں۔ خود آپ دیکھئے ڈاکٹر مصطفےٰ میں نے آپ کو کس لیے لگا رکھا ہے اپنے ساتھ؟ اسی لیے ناں کہ میری غیر موجودگی میں آپ پورا کام سنبھالیں بھئی۔ میں نہیں آسکتا جی...... اچھا...... میرے لیے بہت مشکل ہے۔ میں کسی کے ساتھ Appointment کرچکا ہوں۔ خدا حافظ۔ (فون رکھ کر پریشان خاطر سیڑھیوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ اختر ایک خط ہاتھ میں لیے آتا ہے)

اختر: بھیا جی خط ہے آپ کا۔ لیبیا کی ٹکٹ لگی ہوئی ہے۔

عبداللہ: ڈاکٹر فیروز کا خط ہوگا۔ اسے تو بس جنون ہوگیا ہے کہ لیبیا آجاؤ فوراً۔

اختر: کیا بات ہے بھیا جی؟

عبداللہ: میں کلینک جانا چاہتا ہوں فوراً۔

اختر: تو چلے جائیے۔

عبداللہ: لیکن میں تو پکچرز پر جارہا ہوں۔

اختر: تو مت جائیے۔

عبداللہ: تمہاری طرح فیصلے کرنے والا آدمی کتنا خوش نصیب ہے۔

اختر: بات کیا ہے بھیا جی؟

عبداللہ: اگر تم...... اختر اگر تم شکیلہ کو فلم دکھانے لے جاؤ تو؟

اختر: لیکن میں تو تصویر کھنچوانے جارہا ہوں اس گاؤں میں۔

عبداللہ: تصویر تو کل بھی کھنچوائی جاسکتی ہے۔

اختر: اچھا جی۔

عبداللہ: اور شکیلہ کو سمجھا دینا اختر کہ کلینک پر ایک ایسا مریض آگیا ہے جسے ڈاکٹر مصطفےٰ Handle نہیں کرسکتا۔

اختر: آپ خود بھابی سے مل کر سمجھا دیں بھیا۔

عبداللہ: اسے بڑی Disappointment ہوگی۔ جب اس کے چہرے پر اداسی چھا

جاتی ہے تو مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے۔

اختر: میں...... پوری کوشش کروں گا۔

عبداللہ: That's a good boy (جیب سے دس روپے نکال کر دیتے ہوئے) انٹرول کے وقت اسے چائے ضرور پلا دینا اچھا۔

اختر: ناں بھیا جی، میرے پاس پیسے ہیں۔ تھینک یو۔

عبداللہ: تھینک یو اختر۔ (چلا جاتا ہے)

(اب شکیلہ پرس جھلاتی آتی ہے۔)

شکیلہ: وقت بالکل کم رہ گیا ہے۔

اختر: واہ واہ کیا بھابی ہے ہماری...... شوکیس سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی بھابی کون بنائے۔ عبداللہ بھائی، عبداللہ بھائی۔ عبداللہ بھائی۔ (بروزن۔ برکت علی۔ برکت علی۔ برکت علی۔)

شکیلہ: بنالے...... بنالے جتنا جی چاہے تیرا۔ بھیا جی کہاں ہیں تیرے؟

اختر: وہ...... تو گئے کلینک۔

شکیلہ: کلینک؟

اختر: وہاں شاید کسی کا سر کھل گیا ہے، بڑے پریشان تھے بھیا جی۔

شکیلہ: مجھے...... ہی مل لیتے جانے سے پہلے۔

اختر: ان کو بڑی جلدی تھی بھابی۔ فون آیا تھا۔ انہوں نے تو ڈاکٹر فیروز کا خط بھی نہیں پڑھا۔

(یکدم شکیلہ دل شکستہ ہوکر سیڑھیوں پر بیٹھتی ہے)

شکیلہ: میں جانتی ہوں۔ انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ وہ تو شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ سب نے زبردستی ان کی شادی کردی۔

(پاس بیٹھ کر اختر تسلی دینے کے انداز میں)

اختر: بھیا آپ سے بڑی محبت کرتے ہیں بھابی۔ یہ آپ ان سے سراسر ناانصافی کر رہی ہیں۔

شکیلہ: یہ محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت ہے۔ شادی کے بعد کہیں بھی گئے ہیں وہ میرے ساتھ۔ کبھی وقت ہوا ہے ان کے پاس میرے لیے۔ انہیں صرف کلینک سے پیار ہے۔ صرف کلینک سے۔

اختر: بھابی وہ تو مجھے دس روپے دے رہے تھے کہ آپ کو چائے پلا دوں۔

شکیلہ: ان کو صرف زخموں پر پھاہا رکھنا آتا ہے۔

اختر: بھابی مجھے خدا کے لیے۔ ایک ضروری کام سے گئے ہیں۔ کہیں کسی سے ملنے تو نہیں۔

شکیلہ: لو اپنے بھائی کی Side...... میرا نکتہ نظر کب سمجھو گے تم؟

اختر: کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ کبھی کبھی تو آپ مجھے اتنی اچھی لگتی ہیں کہ...... کہ......

(چپ کر جاتا ہے۔ اب شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔)

شکیلہ: اگر انہیں مجھ سے محبت ہوتی تو کیا وہ مجھ کو بتا کر سمجھا کر نہ جاتے۔ پرواہ نہیں ہے انہیں کسی کی۔ شکیلہ کے ساتھ فلم دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے ان کے لیے۔

اختر: میں آپ کو لے جاؤں گا بھابی...... پلیز نہ روئیے۔

(اختر کے زانو پر شکیلہ اپنا سر رکھتی ہے۔)

شکیلہ: تم عبداللہ تو نہیں ہو سکتے ناں اختر...... کاش انہیں مجھ سے محبت ہوتی......

اختر...... انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ نہیں ہے، نہیں ہے۔

اختر: کیسے بتاؤں بھابی کہ۔ ہے۔ ہے۔ ہے۔

(یہ جملہ پہلی بار سنجیدگی سے ادا کیا جائے اور اس کے کہنے سے ظاہر ہو گویا یہ اعتراف اس کی اپنی محبت کا ہے۔ شکیلہ سسکیاں بھرتی ہے۔ اختر کچھ خوفزدہ، کچھ حیران اس کے سر کو سہلاتا ہے۔)

(کٹ)

سین 3 کچھ دیر بعد لان (آؤٹ ڈور)

(جب ہم دوبارہ لان میں آتے ہیں تو امی اکیلی لان میں بیٹھی ہے۔ اب اندر کی

طرف سے ماہ گل اپنی گٹھڑی لیے آتی ہے۔)

امی: (آنکھیں بند کر کے بیٹھی ہے) تم کہاں جا رہی ہو ماہ گل؟

ماہ گل: مانگلی جا رہی ہوں۔

امی: تم مانگلی نہیں جا سکتیں۔

ماہ گل: میں...... میں اس گھر کی خوشیاں تباہ نہیں کر سکتی۔

امی: تم اس گھر کی خوشیاں تباہ نہیں کر سکتیں۔ یہ وہم تم چھوڑ دو۔

ماہ گل: صمد صاحب۔ آج یا کل سب کو بتا دیں گے۔ وہ مجھے کہہ چکے ہیں۔

امی: کیا کہہ چکے ہیں وہ تم سے؟

ماہ گل: وہ...... (لب کاٹ کر) جی انہوں نے کہا ہے کہ وہ اب...... اب اور برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کوئی چوری نہیں کی جو وہ چھپاتے پھریں سب سے۔

امی: بچے...... بچے کیا اثر لیں گے؟ کیا اندازہ لگائیں گے ہماری محبت کا۔ شہر والے کیا کہیں گے؟ کہیں آنا جانا مشکل ہو جائے گا۔

ماہ گل: یہی سب کچھ سوچ کر تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔

تابش: (محبت سے) ماہ گل! یہ تمہارا بھی اتنا ہی گھر ہے جتنا میرا ہے۔ اس پر تمہیں بھی اتنا حق حاصل ہے جتنا مجھے۔ دکھ یہ ہے ہر ایک چیز اکیلی میں نے بنائی ہے اور اچانک کوئی اور حق دار بھی نکل آیا۔

ماہ گل: جی!

تابش: اس گھر کی ساری عزت میں نے کمائی ہے۔ تم سمجھ نہیں سکتیں کہ میں نے کیا کیا کیا ہے اس گھر کے لیے...... تم نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تمہیں اجر دے ماہ گل، میں تمہارا خرچ باقاعدگی سے بھیجا کروں گی۔

ماہ گل: خدا حافظ۔

تابش: خدا حافظ۔ (دونوں بے ساختگی سے ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ جاتی ہیں۔ اندر سے شازی، لبنا، جمی اور فرید آتے ہیں)

شازی: پتہ چل گیا ہے ہمیں ساری سکیم کا خالہ۔

لبنا: کون جانے دیتا ہے آپ کو؟

شازی: جمی ان کی گٹھڑی چھین لو—— چھین لو گٹھڑی۔

(اب خالہ درمیان میں لبنا، شازی، جمی اور فرید دائرے میں چلتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں)

سب: اب کیسے جاؤ گی خالہ جان، کیسے کیسے؟ کیسے جاؤ گی خالہ جان۔

(کیمرہ ان کو چھوڑ کر ماں پر آتا ہے۔ وہ زیر لب کہتی ہے۔)

تابش: شکریہ بچو۔ شکریہ۔ تم نے مجھے ایک خود غرض فیصلے سے بچالیا۔

——O——

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 9

کردار

اختر:

شکیلہ:

شازی:

عبداللہ:

امی:
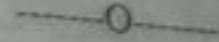
سین 1 دن اِن ڈور (اختر کا بیڈروم)

(اس سکرپٹ میں اختر Mature ہو کر مردوں کی زندگی میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہ ایک جوکر اور نوجوان لڑکے کی دنیا چھوڑ رہا ہے۔ اس سکرپٹ میں شکیلہ بھی محبت کی طالب اور خود ترسی کا شکار رہنے والی لڑکی کی جگہ یکدم ایک سنجیدہ عورت میں بدل جاتی ہے۔ اس کے رول میں بالآخر ایک قد آور بہادر اور Dependable عورت کی تمام جھلکیاں نظر آنا چاہئیں۔ اس سکرپٹ میں String music سے پرہیز کریں۔ اگر موڈ موسیقی نہ ملے تو موسیقی نہ لگائیں۔ اختر کے دو تین سوٹ کیس کھلے ہوئے ہیں اور وہ بڑی پھرتی سے چیزیں پیک کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ہینگروں سے سوٹ اتارتا ہے۔ کتابیں اکٹھی کرتا ہے۔ جوتیاں جمع کرتا ہے۔ اس کا یہ مشغلہ سارے سین میں جاری رہتا ہے۔
جس وقت کیمرہ کھلتا ہے، وہ سامان پیک کر رہا ہے۔ شازی دروازہ کھول کر ذرا سا دیکھتی ہے۔)

شازی: ہیرو؟...... ہیرو ویکنگ جاری ہے؟

اختر: کیا بات ہے۔ (لب و لہجے میں سنجیدگی)

شازی: تو کیا بات ہے؟ سبحان اللہ (اندر آ کر یکدم فلمی عاشقوں کا سا موڈ بنا کر آنکھیں تنگ کرتی ہوئی کہتی ہے) کیا بات ہے شازی بیگم! جی چاہتا ہے پنچھی بن جاؤں اور بن بن گھوموں۔ کسی کے ہاتھ نہ آؤں، لیکن کیا کروں ظالم زمانہ مجھے نہیں

چھوڑے گا۔ ظالم سماج میرے تعاقب میں ہے۔

اختر: تجھے بھی ایک دن اچانک چلتے چلتے ٹھوکر لگے گی اور تو بھی منہ کے بل گرے گی۔ پھر میں تجھ سے پوچھوں گا۔

شازی: (اس کی بات اڑا لیتی ہے) کہہ تا شازی۔ کیا اس کا بھی مجھ سا حال ہے؟ کیا وہ بھی میری طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر تارے گنتی ہے۔ کیا وہ بھی میرا خط نہ پا کر ڈاکیے کے پیچھے بھاگتی ہے۔

اختر: جا شازی کام کر۔

شازی: کام کر بے دام کر۔ صبح کر اور شام کر۔ پیدا اپنا نام کر۔ نہ ہو سکے یہ سارا کچھ تو صوفے پر بسرام کر۔ نیندوں کو اپنی عام کر۔ لوگوں کو بدھو جان کر بس اپنا الو رام کر۔

اختر: اب تو شاعر بھی ہو گئی تو۔

شازی: شاعری کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ دن میں کم از کم سات گھنٹے گیت سنتی ہوں۔ ویسے میری طبیعت بھی موزوں ہے۔ ماشاءاللہ کے فضل سے۔

اختر: (آہ بھر کر) تم بھی لبنا باجی کی طرح اپنے اندر چکر لگانے لگو گی آہستہ آہستہ۔

شازی: خدا نہ کرے۔ میں ان کی طرح کنوئیں کا مینڈک بنوں اختر۔ خدا کے لیے امی کو Suggestion دو، میری منگنی کر دیں کہیں۔ مجھے امتحانوں سے بڑا خوف آتا ہے۔ مجھے لگتا ہے اس بار میں فیل ہو جاؤں گی۔

اختر: سب کی منگنی ہو جائے گی رفتہ رفتہ۔

شازی: مجھے رفتہ رفتہ نہیں چاہیے ناں فوراً چاہیے۔ ایک تو یہ لبنا باجی بیچ میں پھنسی ہوئی ہیں، پنکچر کار کی طرح سارا ٹریفک جیم کر رکھا ہے۔ اللہ میاں میری منگنی کر دے، مجھے امتحان نہ دینا پڑے اور اگر امتحان دینا پڑے تو فیل ہونے پر سب کہیں اسے کیا ضرورت ہے پڑھائی کی، سسرال والے بڑا زور دے رہے ہیں شادی پر۔

اختر: جا خدا کے لیے پڑھ کر۔

شازی: کیا کروں؟ پڑھائی مجھ سے ہوتی نہیں۔ سلائی مجھے آتی نہیں۔ صفائی کا مجھے شوق نہیں۔ (یکدم) اور یہ تم کیا کر رہے ہو الٹ پلٹ...... کمرہ کرائے پر دے

رہے ہو کسی دوست کو؟

اختر: میں جا رہا ہوں۔

شازی: ماشاءاللہ۔ برف دیکھنے مری؟

اختر: نہیں کراچی۔

شازی: خدا قسم اختر تمہارے مزے ہیں۔ بی اے کر کے آدمی گھر والوں کی نظر میں کتنا Honourable سا ہو جاتا ہے۔ کہیں آؤ جاؤ کسی کو اعتراض نہیں۔ پاکٹ منی مانگو نہ مانگو ملتی چلی جاتی ہے۔ دوست ملنے آئیں تو فوراً چائے حاضر۔ گھر میں تو صرف بی اے پاس رہ سکتا ہے۔ باقی سب تو ٹوٹے ہوئے فین ہیں نہ چلتے ہیں نہ پھینکے جاتے ہیں۔ (واپس جاتی ہے) تم نے پوچھا نہیں کہ اب میری ٹانگ میں آرام ہے کہ نہیں؟

اختر: چل پھر رہی ہو تو ظاہر ہے کہ آرام ہی ہوگا۔

شازی: درد ہو رہا ہے اس وقت۔ عبداللہ بھائی نے Complete rest کے لیے کہا ہے لیکن امی کہتی ہیں یہ ساری پڑھائی سے بچنے کے بہانے ہیں۔ یا اللہ کیا کرے شازی بیچاری؟ (دروازے سے باہر ہو جاتی ہے، پھر سر نکال کر)

شازی: میاں ہیرو صاحب، امی ناشتے کی میز پر بلا رہی ہیں فوراً۔

(اس کے جاتے ہی امی آتی ہیں۔ امی میں پہلے جیسا کروفر موجود نہیں ہے۔ وہ اس وقت سادہ سی کاٹن کی دھوتی نما ساڑھی پہنے ہوئے ہے۔ چال ڈھال سے تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہیں۔)

امی: مجھے رکھی نے بتایا کہ تم۔ تم کہیں جا رہے ہو؟

اختر: جی۔

امی: کہاں؟

اختر: کراچی۔

امی: کیوں یہاں کیا تکلیف پہنچی ہے تمہیں؟

اختر: (پاس آ کر) آپ کے پاس رہ کر کوئی تکلیف کسی کو پہنچ سکتی ہے کبھی؟

(امی منہ پرے کرتے)

امی: پہنچ سکتی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو بالکل Trouble free سمجھتے ہیں، ان سے بلکہ زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

اختر: امی آپ...... کئی دنوں سے ہیئر ڈریسر کے پاس نہیں گئیں۔

امی: بس ایک آدھ دن میں جاؤں گی۔

اختر: آپ کی طبیعت ٹھیک تو ہے؟

امی: میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں اختر؟

اختر: جی فرمایئے؟

امی: تم یہ سامان کیوں پیک کر رہے ہو اپنا؟

اختر: میں آپ کو بتا چکا ہوں، میں کراچی جا رہا ہوں۔

امی: اتنا سارا سامان لے کر؟

اختر: میں کراچی میں مستقل طور پر رہوں گا۔

امی: کہاں؟

اختر: پہلے میں چچا عبدالرزّاق کے رہوں گا چند دن۔ پھر ملازمت شروع کر دوں گا۔ پھر وہاں Settle ہو جاؤں گا۔

امی: اتنے سارے فیصلے تم نے مجھ سے مشورہ کیے بغیر ہی کر لیے؟

اختر: جب میں فیصلہ ہی کر چکا ہوں تو پھر مشورہ کیا معنی رکھتا ہے امی؟

امی: یہ بھی تمہاری بات ٹھیک ہے۔ مشورہ تو فیصلے سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ اچھا (اختر کا گال تھپتھپا کر) Wish you the best of luck اللہ ہمیشہ خوش رکھے۔

(امی چلنے لگتی ہے۔ اختر حیران ہو کر امی کے پیچھے جاتا ہے اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے)

اختر: آپ نے مجھ سے پوچھا نہیں امی کہ میں کیوں جا رہا ہوں کراچی؟

امی: جب تک کسی کے پاس اپنوں کو چھوڑنے کا کوئی Solid reason نہ ہو، وہ اپنوں کو چھوڑ کر جاتا نہیں۔ تمہارے پاس ضرور کوئی بہت ہی ٹھوس وجہ ہوگی۔

اختر: پھر بھی۔ آپ بدل گئی ہیں بہت زیادہ امی۔ عبداللہ بھائی کی شادی کے بعد سے تو

آپ میں وہ بات ہی نہیں رہی پہلی سی۔

امی: اگر تم مجھے وجہ بتا سکتے تو ضرور بتاتے۔

اختر: امی آپ کو افسوس نہیں ہوا میرے فیصلے کا؟

امی: افسوس کے لیے اختر یا تو دل اچھا ساتھی ہے یا آنکھیں۔ زبان بیچاری افسوس کرنا کیا جانے؟

اختر: امی...... آپ مجھے بالکل نہیں روکیں گی۔

امی: (غم کے ساتھ مسکرا کر) کیوں؟ میں تمہیں کیوں روکوں؟ بیٹے تو جنم ہی اس لیے لیتے ہیں کہ نئے گھر، نئے شہر نئے دل آباد کریں۔ میں تمہیں روک کر کیا کرلوں گی؟ (کمرے سے نکل جاتی ہے۔ پھر آدھ کھلے دروازے میں کھڑی ہو کر کہتی ہے) اختر ایسی تو کوئی مشکل نہیں ہے ناں جس کا علاج میں کر سکتی ہوں؟

اختر: (سر جھکا کر) جی نہیں۔

امی: اللہ تم پر رحم کرے۔ (چپ چاپ چلی جاتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد شکیلہ داخل ہوتی ہے۔ اس کے لباس اور زیورات سے ظاہر ہو کہ وہ نوبیاہتا ہے۔ اختر کی چند دن کی شیو بڑھی ہوئی ہے اور اس وقت وہ کندھے پر دوشالا اور کرتا پاجامہ پہنے ہوئے دیوداس سا لگ رہا ہے۔)

شکیلہ: دیوداس!

اختر: کیا ہے؟

شکیلہ: یہ تم کیا سارے گھر کو Suspense film دکھا رہے ہو جی۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟

اختر: آپ جائیں مہربانی سے اور مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔

شکیلہ: کیسے چھوڑ دیں تم کو تمہارے حال پر، بدقسمتی سے گنجے کو ناخن دے دیے ہیں اللہ میاں نے، احمق آدمی کو ڈگری کا پروانہ مل گیا ہے۔

اختر: بھابی۔ دیکھیے۔ میں اس وقت تنہائی چاہتا ہوں۔

بھابی: چلو اندر غسل خانے میں۔ چلو اور چل کر شیو کرو سیدھی طرح اور اتارو یہ دوشالا...... اور سیدھی طرح سوٹ پہنو اور چلو ہمارے ساتھ راول ڈیم پر۔

اختر: مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھ راول ڈیم نہیں جا سکتا۔ مجھے کراچی جانا ہے، ابھی اسی وقت۔

بھابی: خیر خیر میں امی جان نہیں ہوں جو ایسی باتیں سن کر خاموش رہوں گی۔ چلو...... مُڑو...... میری شکل کیا تک رہے ہو۔ چلو اور خبردار اب کراچی جانے کا نام لیا۔ سب کو ایسی باتیں کر کے ڈرا سکتے ہو، شکیلہ نہیں ڈرتی تم سے۔

اختر: مجھ پر زبردستی نہ کیجیے پلیز۔

شکیلہ: ایک تم ہی پر تو زبردستی ہو سکتی ہے اس گھرانے میں، چلو سیدھی طرح۔

(کٹ)

سین 2 — وہی وقت — ان ڈور (غسلخانہ)

(اب بھابی دروازہ کھول کر اختر کو اندر دھکیلتی ہے۔ اختر سنک کے سامنے لگے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر آئینے میں اپنی شکل دیکھتا ہے۔ ایک ننھا سا آنسو اس کی آنکھ میں اُبھرتا ہے۔ وہ اپنے بازو پر ہاتھ رکھ کر بازو دیوار سے لگا کر چپکے سے کھڑا رہتا ہے۔ کیمرہ باہر آتا ہے۔ شکیلہ سامان باہر نکالتی ہے۔ عبداللہ اندر آتا ہے)

ڈزالو

سین 3 — چند لمحے بعد — ان ڈور (اختر کا کمرہ)

عبداللہ: تم یہاں ہو شکیلہ اور میں سارے گھر میں آوازیں دے رہا تھا تمہیں۔

شکیلہ: جی؟

عبداللہ: میں نے فون کر دیا ہے ڈاکٹر مصطفےٰ کو۔ آج کی مکمل چھٹی۔

شکیلہ: تھینک یو عبداللہ۔ How nice of you

عبداللہ: یہ کمرے کو کیا کر رکھا ہے اختر نے؟

شکیلہ: شہزادے کراچی جا رہے ہیں نوکری ڈھونڈنے۔

عبداللہ: اچھا؟ یوں اچانک کیوں فیصلہ کر لیا اس نے؟

شکیلہ: سارے فیصلے بدل دوں گی اس کے۔ ابھی ہمارے ساتھ راول ڈیم چلے گا۔ پھر بری امام جائیں گے عبداللہ...... میں تو آج شکر پڑیاں بھی جاؤں گی۔ سنا ہے وہاں بیگم بخاری کوٹھی بنوا رہی ہیں۔

عبداللہ: ایک کوٹھی امی بنوا رہی ہیں۔ ایک بیگم بخاری بنوا رہی ہیں۔ ایک تم بنوا لینا (جاتے ہوئے) جلدی اختر کو لے آ جانا۔ میں رکھی کے پاؤں پر دوا لگا دوں اتنی دیر میں۔

شکیلہ: ابھی اسی وقت۔ کیا ہوا رکھی کو؟

عبداللہ: پاؤں پر کھولتے پانی کا دیگچہ گرا لیا تھا کل شام۔

شکیلہ: ہاں وہ تو کل شام کی بات ہے۔

عبداللہ: دوا تو کئی دن لگے گی ناں۔

شکیلہ: ارادہ نہ بدل دینا عبداللہ......

عبداللہ: ہرگز نہیں (واپس آتا ہے) شکیلہ۔

شکیلہ: جی؟

عبداللہ: ذرا شازی کا دھیان رکھا کرو۔ اسے زیادہ چلنا پھرنا نہیں چاہیے۔ اس کی ٹانگ کا درد اچھا نہیں ہے۔

شکیلہ: میں تو اسے بڑا منع کرتی ہوں عبداللہ، پر ایک منٹ آرام نہیں کرتی۔

عبداللہ: بچپن میں اسے ہلکا سا پولیو کا Attack بھی ہوا تھا۔ (جاتے ہوئے) درد اچھا نہیں ہے۔

(جب عبداللہ چلا جاتا ہے، شازی ناشتے کا ٹرے لے کر آتی ہے)

شکیلہ: (شازی کے ہاتھ سے ٹرے لے کر) یہ تم کیوں ٹرے لائی ہو؟

شازی: امی نے کہا تھا۔

شکیلہ: تم چل کر آرام کرو (آواز دے کر) باہر نکلو اختر

شازی: امی کہہ رہی ہیں۔ ناشتہ ضرور کروا دینا۔

شکیلہ: وہ ناشتہ کرے گا، لنچ کھائے گا، ڈنر کھائے گا۔ دیکھتی تو جاؤ۔ خوامخواہ امی کو پریشان کر رہا ہے۔

شازی: تو میں جاؤں (چلی جاتی ہے) خدا حافظ۔

شکیلہ: ضرور...... (دروازے پر Knock کر کے) کھولو دروازہ...... اختر...... اختر...... دروازہ کھولو۔

فیڈ آؤٹ

سین 4 | اسی وقت | ان ڈور (غسلخانہ)

(اندر غسلخانے میں دکھاتے ہیں۔ اختر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ رہا ہے، ایک آنسو گال پر ڈھلک آیا ہے۔ اسے پونچھ کر وہ دروازے کی کنڈی کھولتا ہے اور دوسرے منظر میں داخل ہوتا ہے۔)

اختر: جی؟

شکیلہ: یہ شیو کی ہے تم نے اتنی دیر میں؟

اختر: میں نے اپنا شیونگ کا سامان پیک کر دیا ہے۔

شکیلہ: چلو اچھا میں سامان نکالتی ہوں، تم ناشتہ کرو۔

اختر: میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ مجھے کچھ نہیں کھانا۔

شکیلہ: دیکھو اختر۔ میں تمہاری بڑی بھابی ہوں، میری بات میں حکم کا پہلو نکلتا ہے ہمیشہ۔

اختر: میں سمجھتا ہوں جی۔

شکیلہ: تو چائے پیو...... اور یہ بتاؤ کس سوٹ کیس میں سامان ہے شیونگ کا۔

اختر: آپ زحمت نہ کریں، میں نکال لوں گا آپی۔

(اب شکیلہ توس پر جیم، مکھن وغیرہ لگانے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اختر چائے بنا کر پینے لگتا ہے۔ اس کا چہرہ شکیلہ سے پرے دیکھ رہا ہے اس دوران)

شکیلہ: اختر! یہ احمقانہ فیصلہ تم نے کیوں کیا ہے؟

اختر: میں نے بی اے کرلیا ہے، میں کراچی جاکر اپنا مستقبل بنانا چاہتا ہوں۔

شکیلہ: ایک بی اے پاس کا کراچی میں کیا مستقبل ہے؟ یہاں ابا تمہیں کسی فرم میں نوکری دلوا سکتے ہیں۔ وہاں تو کسی بڑے ہوٹل میں کسی بیرے کی نوکری بھی نہیں ملے گی تمہیں۔

اختر: میں یہاں نہیں رہ سکتا بس۔ سیدھی سی بات ہے۔

شکیلہ: کیا وجہ ہے؟ کیوں نہیں رہ سکتے یہاں۔ یہاں کیا ہے؟

اختر: بس کچھ ہے ناوجہ۔

شکیلہ: اے ہے تم سمجھتے ہو میں منتیں کروں گی، ہاتھ جوڑوں گی۔ گاتی پھروں گی رُک جا او جانے والے رک جا۔ جاؤ جاؤ شوق سے جاؤ۔ کراچی چھوڑ نیو یارک جاؤ، نیو یارک چھوڑ الاسکا جاؤ۔ جس قدر کسی کو اہمیت دو، وہ غبارے کی طرح اوپر ہی اوپر چڑھتا ہے۔ یہ ہے جناب آپ کا سامان۔ اللہ آپ کو خوش رکھے اور روشن مستقبل عطا فرمائے۔ خدا حافظ۔ (ہاتھ بڑھاتی ہے) خدا حافظ، ہاتھ تو ملاؤ کہ اتنا ہی مزاج گرم ہوگیا ہے یکدم۔

(جس وقت اختر ہاتھ ملاتا ہے، وہ کہتی ہے) ہائے اختر مت جاؤ۔ خدا قسم سارا دن تم سے دل لگا رہتا ہے۔ میں کیا کروں گی سارا سارا دن۔ میری خاطر بھی نہیں رک سکتے۔

اختر: (ہاتھ چھڑا کر منہ پرے کرکے) یہی تو مشکل ہے کہ آپ کی خاطر ہی تو نہیں رک سکتا۔

شکیلہ: اچھا جی نہ سہی۔ چشم ما روشن دل ماشاد۔ ہم نے حسبِ توفیق بہت منایا آپ کو، آگے آپ کی مرضی۔ خدا حافظ۔ (غصے میں چلی جاتی ہے۔ اختر اٹھ کر سامان بند کرنے لگتا ہے)

(اب عبداللہ اندر آتا ہے۔ اب جو گفتگو ہوتی ہے، اس میں عبداللہ یہ سمجھتا ہے کہ اختر دراصل ماں کے راز سے واقف ہو چکا ہے اور اس لیے گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ حالانکہ اختر کے جانے کی وجہ اور ہے جو بعد میں کھلے گی۔)

عبداللہ: May I come in Akhtar?

اختر: جی آیئے بھیا

(عبداللہ اور اختر کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپس میں کس طرح گفتگو کی جائے۔ دونوں اس مکالمے میں نہایت گھبراہٹ میں رہتے ہیں اور رک رک کر باتیں کرتے ہیں۔)

عبداللہ: تو تم نے فیصلہ کرلیا ہے جانے کا؟

اختر: جی بھیا جی۔

(عبداللہ جیب سے خط نکالتا ہے اور اسے دیکھتے ہوئے کہتا ہے۔)

عبداللہ: ڈاکٹر فیروز کا خط مجھے کل ملا تھا۔ لیبیا میں تو ڈاکٹروں کے خوب مزے ہیں۔

اختر: باہر کے ملکوں میں ڈاکٹروں کا مستقبل واقعی بہت Bright ہے۔

عبداللہ: لیکن خدا جانے کیا بات ہے، اس کے باوجود میرا کبھی جی نہیں چاہا کہ میں پنڈی چھوڑ جاؤں۔

اختر: آپ کی اور بات ہے بھیا جی آپ...... خدا جانے کس مٹی کے ہیں۔ سب کچھ جان کر بھی معاف کردیتے ہیں سب کو۔

عبداللہ: (اختر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) تو تمہیں...... بھی یقین ہو گیا ہے ساری سچویشن کا؟

اختر: میں شرمسار ہوں بھیا جی، پر کیا کروں۔

(عبداللہ پرے ہوتے ہوئے)

عبداللہ: ہم اس وقت امی کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔

اختر: میں اس Torture کو اور برداشت نہیں کرسکتا۔

عبداللہ: اختر روشنی کا اپنا تو کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ تو جہاں پڑتی ہے بس وہاں کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ احساس کا اپنا تو کوئی وجود نہیں جس پر اس کی ٹارچ پڑتی ہے، وہ جگہ روشن ہو جاتی ہے۔ اس آدمی کو آرام ملتا ہے جس کے لیے احساس ہو دل میں، کیا کروگے کراچی جاکر؟

اختر: (سر جھکا کر) کچھ نہیں۔

عبداللہ: تم اس وقت کلوروفارم کے اثر تلے ہو۔ جب دماغ اصلی حالت پر آجائے گا تو

سب کچھ نارمل نظر آنے لگے گا، سب کچھ۔ کراچی میں تمہارا کیا بنے گا......

اختر: جو آج کی جنریشن کے ہر جوان کا مقدر سا بن چکا ہے۔ وہی کچھ میرا بھی بن جائے گا۔ ہم Bewildered disilluoioned self-tortured لوگ ہیں۔ ہمارا تو ایک Monument بن سکتا ہے جس کے نیچے لکھا ہے۔

"Searching and never finding"

عبداللہ: (محبت کے ساتھ) پچھتانے والا آدمی ہمیشہ اپنے پچھتاوے میں لٹکا رہتا ہے۔ کبھی مرد نہیں بنتا۔ قد بڑھ جاتا ہے، شیو کرنے لگتا ہے۔ بڑے جوتے پہنتا ہے آواز کا کھرج ہوجانا یہ تو بڑی معمولی علامتیں ہیں۔ Maturity ان چیزوں کا نام نہیں ہے۔ جب غلط راستوں سے لوٹ کر آدمی پچھتاوے کا شکار نہیں ہوتا، صرف آئندہ کے لیے سیکھتا ہے۔ جب دوسروں کے الزام سینت سینت کر نہیں رکھتا بلکہ ان کو Blood stained روئی کے پھاہوں کی طرح گندے Basin میں ڈالتا جاتا ہے۔ جب اپنی محرومیوں کو جھولی پسار پسار کر لوگوں سے رحم اور ترس کی بھیک نہیں مانگتا پھر اختر۔ وہ مرد کی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ کرکٹ کا گیند ہے۔ کبھی باؤنڈری کر جاتا ہے، کبھی وکٹوں میں لگ جاتا ہے۔

اختر: آپ مجھے روک رہے ہیں کراچی جانے سے؟

عبداللہ: (اختر کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر) Not at all, not at all میں تو تمہیں یہ کہہ رہا تھا Don't regret your experiences only learn from them. غلط آپریشن حادثہ ہوتا ہے۔ پر اچھا سرجن وہی ہے جو اس حادثے سے کچھ سیکھتا ہے اور آئندہ احتیاط برتتا ہے۔

اختر: بھیاجی، آئی ایم سوری۔

عبداللہ: آئی ایم سوری تو (دو ہم کو) لیکن میرا خیال ہے We should be more sorry for Ammi

اختر: مجھے بڑا خیال ہے بھائی کا۔ پر میں کیا کروں؟

عبداللہ: (ہاتھ بڑھا کر) تم ٹھیک فیصلہ کر چکے ہو۔ جب معلوم ہو کہ ٹائم بم پھٹنے والا ہے

اور یہ بھی معلوم ہو کہ پھٹنے سے پہلے اس تک رسائی نہ ہوگی تو بھاگ جانا ہی بہتر ہے۔

(دونوں ہاتھ ملاتے ہیں) Good luck Like a man Akhtar, Like a man اپنے تجربے پر آنسو نہ بہاؤ، اس سے سیکھو...... سیکھو۔

(اختر لب کاٹتا ہے۔ عبداللہ آگے بڑھ کر اختر کا ماتھا چوم کر چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد اختر اپنا سر تھام کر بیٹھ جاتا ہے۔ شکیلہ آتی ہے۔)

شکیلہ: (ہاتھ میں Sandwitches کا پیکٹ ہے) یہ تمہارے سفر کے لیے ہیں۔ میں نے تو پکنک کے لیے بنائے تھے لیکن راستے میں کام آئیں گی یہ سینڈوچز۔

اختر: شکریہ۔

شکیلہ: (پاس بیٹھ کر) اختر...... تم مجھے اصلی وجہ نہیں بتاؤ گے؟

اختر: میں معذور ہوں بھابی۔ میں ایسی بات کا ذکر کر کے اپنے ہونٹ اور آپ کا دل نہیں جلا سکتا۔

شکیلہ: بھائی کو بھی وجہ نہیں بتائی تم نے؟

اختر: وہ غالباً جانتے ہیں۔ مجھ سے بھی پہلے سے شاید انہیں مجھ سے پہلے کا معلوم ہے۔

شکیلہ: تو آخر وہ مجھے بتائیں گے ناں۔

اختر: بھیاجی باتیں بنانے کے عادی نہیں ہیں۔

شکیلہ: تمہیں میری قسم بتادو اختر۔

اختر: شاید۔ مجھے بتا ہی دینا ہوگا۔ (اٹھ کر دور جاتے ہوئے۔) آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ ہر چیتے کے پنجے میں گدی، گدی کے اندر تیز ناخن...... بھی ہوتے ہیں۔

شکیلہ: کیا؟

اختر: دراصل انسان جب فرشتے کی طرح اڑنے لگتا ہے تو پھر اس کے پر کترنے کو محبت کا فرشتہ آتا ہے۔ خدا یہی چاہتا ہے۔ انسان ہمیشہ انسان رہے، فرشتہ کبھی نہ بنے، کبھی شیطان کا روپ نہ دھارلے۔ انسان رہے۔

شکیلہ: تم...... کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم تو ایسی باتیں کرتے ہی نہیں کبھی۔

اختر: جب کوئی آدمی اپنے آپ کو بہت عقلمند، بہت زیادہ دولت مند، انتہا کا نامی گرامی، بہت خوبصورت، بلا کا نیک چلن سمجھنے لگتا ہے تو پھر اس متکبر پر محبت کی بجلی گرتی ہے۔ اونچے مینارے گر جاتے ہیں پل بھر میں۔

شکیلہ: کیا بک رہے ہو؟

اختر: میں جو بتا رہا ہوں آپ کو۔ خدا نے محبت بنائی ہی اسی لیے ہے کہ ذات کے گڑھے میں گرے ہوؤں کو اٹھا کر تخت و تاج کا وارث کرے۔ بے آسرا لوگوں کے سر پر چھت کی سی چھاؤں دے۔ محبت کے دو روپ ہیں۔ ایک وہ محبت ہے جو کیچڑ کے کنول کی طرح کھلتی ہے اور دوسری محبت وہ ہے جو...... بڑے بڑے مان توڑتی ہے۔ عقل والے بے عقل، دولتمند، تہی دست، نام و نمود پر جان چھڑکنے والے ننگ خاندان بن جاتے ہیں۔ یہ محبت تو Litmus paper ہے۔ اسے آپ آدمی سے چھو کر جان سکتی ہیں کہ اس آدمی میں کتنے فیصد آدمیت ہے؟

شکیلہ: تمہیں کس نے کہا ہے کہ ایسی بے وقوفی کی باتیں سوچا کرو۔ تمہیں تو تصویریں کھینچنا آتا ہے۔ وہ کھینچا کرو رات دن۔

اختر: نوجوان جب پہلی بار نا کام محبت کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کس قدر چھوٹا، کمینہ اور معمولی آدمی ہے۔

شکیلہ: اختر۔

اختر: اور جب یہ محبت احساس گناہ بھی بخشے تو پہلی بار نوجوان کو محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کچھ موسم بہار کا نام نہیں ہے اور وہ یہاں اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنے کے لیے نہیں آیا۔

شکیلہ: کیسی گول مول باتیں کر رہے ہو تم؟ کیسی محبت، کس کی محبت؟

اختر: میرا خیال تھا کہ میں ساری عمر بھائی عبداللہ کے ساتھ رہوں گا۔ میرا خیال تھا کہ [illegible] سمجھتا تھا کہ جیسی محبت مجھے اپنے بھیا جی سے ہے، آج تک کسی بھائی نے نہ کی ہوگی۔ پھر خدا نے مجھ سے محبت کا عمل پیچھے چھوڑ دیکھا، یکدم میرے اندر چھپے تیز ناخن نکل آئے۔

میں فرشتہ نہیں ہوں نہیں ہوں نہیں ہوں۔

شکیلہ: اختر میں سمجھتی نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟

اختر: میرا خیال تھا آپ بہت ذہین ہیں...... لیکن

شکیلہ: لیکن کیا؟

اختر: جو بات اب میں آپ سے کہوں گا، اس کو سننے کے بعد آپ دس سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے چلی جائیں گی۔ وعدہ ہے آپ کا؟

شکیلہ: وعدہ ہے......

اختر: کار میں سے جلتے ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا پھینکنے والا کبھی یہ نہیں سوچتا کہ راہ چلتے کسی پھول سے بچے کا گال بھی اس ٹکڑے سے جل سکتا ہے۔ میں آپ کی نیت پر شبہ نہیں کرتا، پر جو کچھ ہوا، میں بھی بے قصور تھا۔

شکیلہ: دس سیکنڈ ہو گئے ہیں؟

اختر: آپ نے۔ آپ نے شروع دن سے وہ ساری مروتیں مجھ سے برتیں، جو غالباً آپ کو بھیا جی کے لیے محفوظ رکھنا چاہئیں تھیں۔ میں آپ کو الزام نہیں دے رہا لیکن موم آگ کے پاس رہ کر پگھلتی ضرور ہے۔ آپ نے میرے ذہن میں ایسے خواب بسائے جن میں بھائی کی محبت دم توڑ گئی اور اس محبت کا پھول کھلا۔

شکیلہ: میری محبت (پیچھے ہٹتی جاتی ہے) میری محبت کا پھول؟

اختر: آپ نے بھیا جی کی عدم موجودگی میں مجھے اپنی خوشی کی بیساکھی بنایا، لیکن یاد رکھیے بھابی کچھ بیساکھیاں بہت کمزور ہوتی ہیں۔

شکیلہ: کیا بک رہے ہو اختر؟

اختر: اب آپ چلی جائیے۔ اب آپ چلی جائیے۔

شکیلہ: احمق لڑکے...... بے وقوف...... نا سمجھ۔

اختر: (چہرہ چھپاتے ہوئے) آپ نے...... آپ نے مجھے ایسے خواب دکھائے جن میں ہر طرف بھیا جی کا لہو بکھرا پڑا ہے۔ میں آپ کو کیسے معاف کر سکتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو (شکیلہ غصے سے اختر کو دیکھتی ہے۔ پھر چلی جاتی ہے) کیسے معاف

کر سکتا ہوں...... یا میرے اللہ تو نے انسانی دل میں ایسی آرزوئیں کیوں جنم دیں؟ کیوں...... کیوں؟ کیوں؟ کیا تجھے معلوم نہیں تیرا بندہ کتنا کمزور، کتنا چھوٹا، کتنا کمینہ، کتنا رذیل ہے؟ (اختر کے چہرے پر آنسو اترتے ہیں)

(اس کی تصویر چند آؤٹ کرتی ہے۔ اب ہم عبداللہ کے کمرے میں آتے ہیں۔ وہ آرام کرسی پر بیٹھا ہے۔ سگریٹ پی رہا ہے۔ شکیلہ آتی ہے)

(کٹ)

سین 5 کچھ دیر بعد ان ڈور (عبداللہ کا کمرہ)

عبداللہ: چلا گیا اختر؟

شکیلہ: بس جانے ہی والا ہے۔

عبداللہ: تو چلیں ہم تیاری کرلی آپ نے؟

شکیلہ: بس تھوڑا سا کام باقی رہ گیا ہے......

عبداللہ: مجھے تم سے کچھ کہنا ہے شکیلہ؟

شکیلہ: جی مجھے معلوم ہے۔

عبداللہ: تم کسی سے ذکر نہ کرنا شکیلہ۔

شکیلہ: (آہ بھر کر) کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔

عبداللہ: بڑی افسوسناک بات ہے۔

شکیلہ: آئی ایم سوری۔

عبداللہ: امی کے لیے بہت مشکل ہے۔ ذرا سوچو تو۔ (اس گفتگو کے دوران شکیلہ عبداللہ کا بیگ الماری سے نکال لاتی ہے) ذرا خیال کرو، انہیں اس گھر میں رہنا ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے۔

شکیلہ: سبھی کے لیے مشکل ہے جی۔ یہ لیجیے عبداللہ آپ کا بیگ۔

عبداللہ: کس لیے؟

شکیلہ: (Bravely) آپ اپنے کلینک جائیں۔

عبداللہ: لیکن وہاں تو...... میں تو چھٹی پر ہوں۔

شکیلہ: عبداللہ...... یہ میرا گھر ہے، میرا دل اس میں لگنا چاہیے۔ یہ میری کائنات ہے۔ مجھے یہاں اب تک بہل جانا چاہیے۔ میں اب کسی بیساکھی پر بوجھ ڈال کر نہیں چل سکتی۔ کون جانے وہ میرے بوجھ تلے کب ٹوٹ جائے۔ (آنسو گالوں پر آتے ہیں)

عبداللہ: تم رو رہی ہو......

شکیلہ: جب میں اور فرید کشمیر سے بھاگ کر آئے تھے تو ایک رات جنگل میں ہمیں ایسی بھی آئی تھی جب سارا جنگل جانوروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ درختوں سے آوازیں آتی تھیں۔ دور بہنے والے دریا کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ اس روز جب فرید اور میں خوف کے ہاتھوں مرنے والے تھے۔ میں نے عہد کیا تھا کہ...... میں ساری زندگی اپنے آپ کو اکیلا نہیں ہونے دوں گی۔ ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کروں گی۔ ایسے لوگوں کے ساتھ رہوں گی جو مجھے لمحہ بھر کے لیے اکیلا نہ چھوڑیں۔ مجھے تنہائی سے خوف آتا ہے۔ عبداللہ کیونکہ تنہائی میں ہمیشہ وہ وقت لوٹ آتا تھا جب میں کشمیر سے یہاں آئی تھی۔

عبداللہ: (محبت کے ساتھ) چلو آؤ...... ہم پکنک پر جا رہے ہیں۔

شکیلہ: نہیں...... جب تک انسان اپنے آپ سے سمجھوتہ نہیں کر لیتا، جب تک وہ اپنے ساتھ رہنا نہیں سیکھتا۔ وہ دوسروں کے لیے عذاب بنتا ہے۔ آپ جائیے، میرا فکر آج کے بعد کبھی نہ کیجیے گا۔

عبداللہ: تھینک یو......

شکیلہ: (مسکرا کر) اگر وقت ملے تو مجھے فون ضرور کیجیے گا۔ اتنی جلدی ٹریننگ مکمل نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ: انشاء اللہ...... اختر کو میرا پیار دینا، امی کا خیال رکھنا۔ Now that you know...... ان کے لیے بہت مشکل ہے۔

(عبداللہ چلا جاتا ہے۔ شکیلہ چپ چاپ فضا میں دیکھتی ہے)

--------O--------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 10

کردار

ابا:
عبداللہ:
شکیل:
لبنیٰ:
شازی:
ماہ گل:

سین 1 رات ان ڈور (گیلری اور تابش کا بیڈروم)

(اس سکرپٹ میں صمد صاحب کے خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اختر پچھلے سکرپٹ میں گھر چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اس سکرپٹ میں تابش مر جاتی ہے اور عبداللہ لیبیا جانے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ یہ سکرپٹ مکمل طور پر تابش سکرپٹ ہے۔
وہ خواب آور گولیاں کھا چکی ہے اور ایک خوبصورت Double bed پر جس پر بڑا خوبصورت لوہے کا جنگلہ ہے اور اس جنگلے میں دو Love birds ایک ٹہنی پر بیٹھے ہیں۔ اس پلنگ کے اوپر لوہے کا چھپر کھٹ ہے اور جب تابش مر جاتی ہے تو سیاہ چھیددار جالی کی بڑی خوبصورت مسہری جو مستطیل جنگلے پر بندھی ہے، ہر طرف گرادی جاتی ہے۔ اس طرح وہ موت کے بعد ناکامیاب ہونے پر بھی ملکہ کی طرح نظر آتی ہے۔ پلنگ پر پیٹھ کی جانب پانچ چھ خوبصورت ساٹن کے تکیے ہیں۔ پلنگ پر بڑی خوبصورت رضائی ہے۔ پلنگ کے پاس ایک کٹ گلاس کا بہت بڑا گلدان ہے جس میں خوبصورت پھول لگے ہیں۔
اس سکرپٹ میں تابش پر آہستہ آہستہ خواب آور گولیوں کا اثر ہوتا ہے۔ اس پر خوشی کا موڈ طاری ہوتا ہے۔ زبان ہکلاتی ہے۔ پھر یہ خوشی آہستہ آہستہ غم میں بدلتی ہے۔ چہرے پر پسینے آتے ہیں۔ سانس کا اتار چڑھاؤ بدلتا ہے اور بالآخر وہ ایک لمبا سانس لے کر آنکھیں کھولے دم توڑ دیتی ہے۔
عبداللہ اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ آرزومند ہے کہ ماں زندہ رہے۔ وہ اسے

کافی پلاتا ہے، بچکے لگاتا ہے۔ Artificial breathing کرتا ہے۔ تھپڑ مارتا ہے۔ گرم پانی کی بوتلیں دیتا ہے۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار رہا ہے، ساتھ ساتھ باتیں کرتا ہے کہ ماں سونہ جائے۔

اس سکرپٹ میں زیادہ وقت .C.U کی ضرورت رہے گی اور Teaseness کا احساس قائم کیا جائے گا۔ جس وقت کیمرہ کھلتا ہے۔ کیمرہ گیلری میں چلتا ہوا چند تایے بڑے ابا کو دکھاتا ہے جو تابش کی تصویر کے پاس کھڑے ہیں۔ ایک کمرے میں کھلنے والا دروازہ دکھاتے ہیں، جس پر "Do not bisturb" مجے پر لکھ کر ٹانگا گیا ہے۔ کمرے کے باہر دروازے کے ساتھ ابا بیٹھے پائپ پی رہے ہیں۔ کیمرہ اس دروازے سے گزر کر اندر جاتا ہے۔ تابش تکیوں پر ٹیک لگائے لیٹی ہے اور نیند کے نرغے میں آ چکی ہے۔ عبداللہ ماں کو جھنجھوڑتا ہے اور پھر دائیں بائیں دو تین چانٹے گال پر مارتا ہے۔

عبداللہ: امی...... امی آپ کو سونا نہیں ہے۔ میں آپ کو سونے نہیں دوں گا۔ امی...... امی جاگیں۔ آنکھیں کھولیں۔ (اس وقت ماں پر شرابی کی سی کیفیت طاری ہے اور بڑی خوشی کا احساس ہے۔ وہ Euphoria کی سٹیج میں داخل ہو چکی ہے)

امی: (آنکھیں کھول کر) عبداللہ میں نے تو تجھے کبھی پھول کی چھڑی بھی نہیں ماری اور تُو ہے اور تو......

میں جاگ رہی ہوں عبداللہ۔ میں جاگ رہی ہوں (آنکھیں کھول کر) میں بہت خوش ہوں عبداللہ۔ اتنی۔ خوش ہوں جس قدر ایک پائلٹ خوش ہوتا ہے، Forced landing کے بعد۔

عبداللہ: آپ نے...... آپ نے ایسا کیوں کیا؟

امی: کیا کیوں کیا؟

عبداللہ: یہ...... خواب آور گولیاں کیوں کھائیں آپ نے۔ کیوں امی کیوں اتنی مقدار میں۔ (امی کی نبض دیکھتا ہے)

امی: ایسے ہی...... عبداللہ آزادی بڑی چیز ہے۔ مگر [illegible] کے دروازے پر بھی

کوئی تالا موجود ہوا تو انسان اس تالے کو بھی توڑ کر نکل جائیں گے۔ میں نے...... میں نے اپنے آپ کو...... صمد کو...... ماہ گل کو سب کو آزادی بخش دی ہے۔ میں نے جنت کا تالا توڑ دیا ہے۔

عبداللہ: وقت سب سے اچھے زخم بھرتا ہے امی۔ جو علاج ڈاکٹر نہیں کر پاتے، وقت کرتا ہے۔ آپ کو اپنا کیس وقت کے سپرد کرنا چاہیے تھا۔

امی: کیا۔ کیا بہت کیا عبداللہ۔ کئی ہفتے کیا لیکن جب کوئی کار تمہیں Overtake کر رہی ہو تو کیا کرنا چاہیے۔ اپنی کار کی رفتار آہستہ آہستہ کر کے اس کے لیے رستہ چھوڑ دینا چاہیے، ہے ناں عبداللہ ورنہ تو بہت بڑا حادثہ ہو سکتا ہے۔ میں آج بہت خوش ہوں۔ تم...... میری خوشی میں خوش نہیں ہو سکتے عبداللہ؟

عبداللہ: آپ کے لیے اگر یہاں رہنا اتنا مشکل تھا تو ہم...... ہم بچے اور آپ ہم لیبیا جا سکتے تھے۔ آپ میرے ساتھ، ہم ملک چھوڑ سکتے تھے۔ راہ خالی کر سکتے تھے ابا کے لیے۔

امی: (ہنس کر) ان کی راہ خالی کر کے ہم تمہاری راہ میں کھڑے ہو جاتے۔ کیسی باتیں کرتے ہو عبداللہ۔ بہن بھائیوں کی سرپرستی کرنے والے عموماً اچھے شوہر نہیں رہتے۔ (آہستہ) جب پیدا ہوئے تھے عبداللہ تو میں نے بڑے ابا سے کہا تھا۔ بڑے ابا یا تو میں بچے کا نام احمد رکھوں گی یا محمدؐ یا مصطفےٰؐ یا عبداللہ۔ خدا جانے پھر کیسے تمہارا نام عبداللہ رکھ دیا سب نے؟ سب باتیں یاد کیوں نہیں رہتیں؟ اور اگر رہتی ہیں تو ان پر اپنے احساسات کا غلاف کیوں چڑھ جاتا ہے، ہے ناں؟

عبداللہ: اگر آپ میرا ساتھ دیں تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔ میں نے آپ کا Stomach wash کر دیا ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی Will power سے کام لیں تو......

امی: کیا وقت ہو گا اب؟

عبداللہ: ڈھائی بجے ہیں۔

امی: جی کو تو نہیں جگایا کسی نے؟

عبداللہ: جی نہیں۔

امی: بڑا اچھا وقت ہے مرنے کا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ (امی نے اپنے بال کھلے چھوڑ رکھے ہیں اور ان میں انگلیاں پھیر رہی ہیں) تم نے سب کو کیا بتایا ہے؟

عبداللہ: جو کچھ آپ کہا ہے۔

امی: ہارٹ ٹربل سے مرنے والا بڑا Noble سا لگتا ہے۔ تم نے ہارٹ ٹربل ہی بتائی ہے نا لبنا، شازی کو...... (جھرجھری لیتی ہے۔ عبداللہ گرم پانی کی بوتل اس کے ہاتھ میں دے کر)

عبداللہ: اس پر ہاتھ رکھیں اور اسی طرح بالکل اسی طرح مجھ سے باتیں کرتی جائیں، کرتی جائیں۔

امی: فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا عبداللہ' لیکن میں نے سوچا عام طور پر اچھے لوگ Genuine لوگوں کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ میں بھی بہت اچھی ہوں لیکن ماہ گل کو بھی زندہ رہنے کا مجھ جتنا حق ملنا چاہیے...... وہ...... اگر میں زندہ رہتی تو میں اس سے بھی انصاف نہ کرسکتی عبداللہ اور انصاف نہ کرسکنے والے کی بھی کیا زندگی؟ رفتہ رفتہ میرے دل میں اس کے خلاف بڑا زہر بھر جاتا۔ وہ بیوی ہے صمد صاحب کی...... اس کا بھی ان کی محبت پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا...... لیکن خدا جانے دل میں ایک درد سا کیوں اٹھتا ہے؟ جی ایسی بات کو مانتا کیوں نہیں؟

عبداللہ: آپ بہت غلط طریقے پر سوچ رہی ہیں۔ جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ اگر کانچ کا برتن جڑ جائے اور نشان رہے تو بھی یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ برتن کرچیاں کرچیاں ہو کر بکھر جائے اور اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔

امی: نشان کس چیز کا رہا ہے کہ انسان اپنے فانی نشان کی آرزو کرے؟

عبداللہ: یہ بہتر نہیں امی کہ Stiches کا نشان باقی رہے اور آپریشن کامیاب ہو جائے۔ آپ کوشش تو کریں [illegible] کوشش [illegible]

امی: یہ مرنے کے لیے بڑا اچھا وقت ہے۔ کوئی مہمان اس وقت نہیں آسکتا۔ کوئی خبر [illegible] باہر نہیں جا سکتا۔ مجھے بدنامی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ڈر آتا ہے مجھے بدنامی سے۔ تم...... تم اگر مجھے سونے دو تو بڑی مہربانی ہوگی عبداللہ۔

عبداللہ: (پھر سے جھنجھوڑ کر) اسی طرح مجھ سے باتیں کیے جایئے اسی طرح۔

امی: ہم لوگ کیسے ہیں عبداللہ؟ دس دس کورس کا کھانا کھاتے ہوئے ہم افلاس کی باتیں کرتے ہیں۔ ملازموں سے پاؤں دبواتے ہوئے ہم اسلامی اخوت کا مسئلہ سلجھاتے ہیں۔ پڑھتے ہم Everlasting محبت کی کہانیاں ہیں اور وفا کا نام جانتے تک نہیں۔ (ہنستی ہے) بڑی مدد ملی ہے مجھے اپنے فیصلے میں ان باتوں سے...... ان Contradictions سے۔

عبداللہ: (تھرموس میں سے کافی ڈال کر ماں کو دیتے ہوئے) اسے آہستہ آہستہ Sip کریں۔ کوئی بیماری اس وقت تک لاعلاج نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ اسے لاعلاج قرار نہ دے۔ یہ فیصلے اس کے ہیں امی، اوپر والے کے۔

امی: (کافی کا گھونٹ پی کر) اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو آگ اور پانی سے نہ بنایا ہوتا تو زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی۔ اب تو ساری عمر...... تضاد کی سولی پر چڑھ کر گزرتی ہے انسان کی۔ (غنودگی سی طاری ہو جاتی ہے اور وہ تکیوں پر پیچھے کی طرف بے جان ہو کر لیٹتی ہے۔ ڈاکٹر جلدی سے پیالی پکڑتا ہے۔ ماں پر گہری نیند چھا جاتی ہے۔ ڈاکٹر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔)

(کٹ)

سین 2 گہری رات ان ڈور (شازی کا کمرہ)

(ہم شازی کے کمرے میں آتے ہیں۔ شازی بھی اپنی امی کی طرح پلنگ پر لیٹی ہے۔ ماہ گل اس کی پائنتی بیٹھی ہے۔ لبنا اور شکیلہ نے شازی کو پکڑ رکھا ہے۔ شازی، لبنا، شکیلہ اور ماہ گل تمام خواتین کے چہروں پر گہری پریشانی ہے۔)

شازی: تم سب مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہے ہو؟

شکیلہ: امی کی طبیعت اب ٹھیک ہے شازی جی؟

لبنیٰ: عبداللہ بھائی کسی کو اندر نہیں جانے دے رہے شازی!

شازی: بھیا جی کون ہوتے ہیں امی پر پہرہ بٹھانے والے۔ وہ امی کے زیادہ بیٹے ہیں۔

شکیلہ: زیادہ بیٹی تو تم ہو شازی پر...... اس وقت امی کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے، ڈاکٹر کے سوائے ان کے پاس کوئی نہیں رہ سکتا۔

شازی: امی کو جب بھی کوئی تکلیف ہوتی ہے، میں ان کے پاس ہوتی ہوں۔ امی کے پاس آپ مجھے جانے تو دیں پلیز۔ وہ...... میں ان کے پاؤں دباؤں گی، امی ٹھیک ہو جائیں گی۔

شکیلہ: (ایک گولی اور پانی کا گلاس لاتی ہے) یہ گولی پی لو شازی۔

(شازی زور سے ہاتھ مار کر گولی گرا دیتی ہے)

شازی: ایسی گولیاں کھا کھا کر میری امی بیمار ہوئی ہیں، پرے کیجیے انہیں۔

لبنیٰ: تم سو جاؤ شازی، صبح اٹھو گی تو امی ٹھیک ہوں گے۔

شازی: مجھے تم تینوں میکبتھ کی چڑیلیں لگتی ہو۔ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیجیے بھابی۔ لبنیٰ باجی مجھے جانے دیجیے امی کے پاس۔ خالہ جان۔

لبنیٰ: (شازی کا ماتھا چھو کر) کتنا تیز بخار ہے تمہیں؟

شازی: خدا کے لیے میرے بخار کو چھوڑیے (ہاتھ جوڑ کر) کتنے ظالم ہیں اس گھر کے لوگ۔ میں کسی عاشق کے پاس جانے کے لیے تو منتیں نہیں کر رہی، مجھے امی کے پاس جانے دیں آپ لوگ۔

(کٹ)

سین 3 رات امی کا کمرہ

(عبداللہ امی کو تکتا ہے۔)

امی: (نیم غنودگی کے عالم میں ہلکی پیپیاتے ہوئے) کبھی تم نے سوچا عبداللہ انسان کو اصلی خوشی کس وقت نصیب ہوتی ہے؟

عبداللہ: جب وہ دوسروں کے کام آتا ہے۔

امی: یہ تو پانچویں جماعت کی دینیات میں لکھا ہے۔ تم نہیں جانتے تم نے اس سلسلے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔

عبداللہ: جب انسان کی اپنی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جب اس کی انا کو تسکین ملتی ہے اور اس کی جبلی خواہشات سیر ہوتی ہیں۔

امی: غلط راستے پر جا رہے ہو۔ پہلے ٹھیک راستے پر جا رہے تھے لیکن وجہ نہیں جانتے تھے۔ اب اُلٹے چل دیے۔ انسان صرف اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ اپنی انا کو، اپنے آپ کو، اپنی ذات کو بھول جاتا ہے۔ جب انسان محبت کرتا ہے، کسی کام میں محو ہوتا ہے۔ کوئی خیال کوئی Ideology کوئی مشن اس کے دل میں سما جاتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ اپنے آپ سے ہٹ جاتی ہے۔ جب تک مور اپنے پاؤں دیکھتا رہتا ہے، وہ ناخوش رہتا ہے۔ جب اس کی نگاہ اپنے پیروں پر نہیں رہتی، وہ ناچنے لگتا ہے۔

عبداللہ: دیکھیے امی اگر آپ اسی طرح اچھی اچھی باتیں کرتی رہیں اور میری مدد کرتی رہیں تو صبح تک آپ بالکل نارمل ہوں گی انشاءاللہ۔

امی: میں نے اپنے آپ کو بھولنے کا پکا انتظام کر لیا ہے عبداللہ جان۔ میں کب تک False pretences پر اپنے آپ کو بھولتی۔ اب میں نے اپنے وجود کو ہی مٹا دیا ہے۔ نہ ہو گا بانس نہ بجے گی بانسری...... جب یہ تابش نہ ہو گی، اس کا جسم نہ ہو گا۔ پھر مکمل خوشی ہو گی، مکمل خوشی...... (اسے جھولا سا آتا ہے۔ ڈاکٹر سہارا دیتا ہے)

عبداللہ: آپ بہت ظالم ضد کر رہی ہیں امی۔ آپ صرف اپنی ذات کو دیکھ رہی ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کر رہی ہیں اس وقت۔

تابش: محبت؟ یہ کیسا لفظ نکلا تمہارے منہ سے۔ انسان نے جیسی بے حرمتی اس لفظ کی ہے، ویسی کسی گالی کی بھی نہیں کی۔

عبداللہ: میں جانتا ہوں۔ آپ پر یہ مشکل وقت ہے لیکن بہادر بنیں۔

تابش: میں جون آف آرک نہیں ہوں۔ لکڑی کی تلوار ہوں، آؤ محبت کی باتیں کریں

ہیں۔ ان خوابوں کی باتیں کریں جو صبح کی دھند ہوتے ہیں۔ عبداللہ۔

عبداللہ: (محبت سے تابش کے بال سہلاتے ہوئے) آپ جانتی ہیں، مجھے آپ سے کتنی محبت ہے۔

تابش: (عبداللہ کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر) ٹیں ٹیں۔ میں اس محبت کا ذکر نہیں سننا چاہتی۔ میں نے عبداللہ محبت کے مسئلے کو جی سے سیکھا ہے۔

عبداللہ: جی سے؟

تابش: (ذہنی طور پر دور جاتے ہوئے) میں جی کا کوئی حق ادا نہیں کر سکی۔ تم ٹھیک کہا کرتے تھے وہ میری Neglect کا شکار ہو گیا۔

عبداللہ: آپ نے کیا سیکھا امی جی سے؟

تابش: ایک روز اس نے مجھے محدب Lense دکھایا تھا۔ پھر وہ یہ Lense لے کر مجھے چھت پر لے گیا اور اس نے سورج کی طرف یہ Lense رکھ کر ایک کاغذ کو آگ لگا دی۔

عبداللہ: Elementary سا تجربہ ہے امی۔

تابش: تمہارے نزدیک معمولی ہے پر جی اور میرے نزدیک بڑا عجیب ہے۔ جب سورج کی تمام شعاعیں ایک نکتے پر مرکوز ہو جائیں تو کاغذ میں آگ لگ جاتی ہے۔

عبداللہ: آپ تو فلاسفر ہوتی جاتی ہیں۔

تابش: محبت کیا ہے؟ ساری توجہ کا ایک نکتے پر مرکوز ہو جانا...... لیکن ...... عبداللہ توجہ اگر دو نکتوں پر مرکوز ہونے کی کوشش کرے تو پھر کہیں بھی آگ نہیں لگتی۔ جب تک انسان محبوب کو بالکل Rare نہ سمجھے۔ اکلوتا اکیلا۔ علیحدہ تب تک محبت بے معنی ہوتی جاتی ہے۔

عبداللہ: Back up please ۔ (back up) سیدھی ہو جائیں۔

امی: نکتہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ آنکھ کے محدب شیشے سے گذرنے والی توجہ کو ایک ہی نکتے پر مرکوز ہونا چاہیے۔ ممی کیا سمجھیں؟ محبت...... عبداللہ (واپس نیند میں لوٹتی ہے) اس روز جب ہمارے گھر میں چوری ہوئی تھی، اس روز جب جب

میرے سیف کا تالا ٹوٹا۔ اس روز عبداللہ جب ...... (سو جاتی ہے۔ عبداللہ اسے کھبی کی طرح سیدھا بٹھاتا ہے)

عبداللہ: ہاں امی جس روز چوری ہوئی تھی اس روز؟

امی: کیا؟ کس کی چوری؟

عبداللہ: جس روز چوری ہوئی تھی ہمارے گھر؟ بڑے ابا کے بونڈ چوری ہوئے

امی: اگر ہم کسی سے ذکر کرتے۔ اگر پولیس ہمارے ہاں آتی تو کتنی بدنامی ہوتی۔ ہوتی ناں؟ مجھے بدنامی سے بڑا خوف آتا ہے۔ کبھی تمہیں آنے والی صبح سے ڈر آیا ہے عبداللہ؟ اس آدمی سے ڈر آیا ہے جس سے تم ...... نے انتہا کی محبت کی ہو؟

عبداللہ: اس روز کیا ہوا تھا امی جس روز چوری ہوئی تھی؟

امی: میں بڑے ابا کے کمرے میں گئی تھی I feel better now

عبداللہ: Good girl

امی: میں نے بڑے ابا کو بتایا تھا کہ ہماری ساکھ، ہمارا Standard، ہماری پوزیشن سب...... رشوت سے بنے ہیں۔ بڑا سکون ملا تھا مجھے بڑے ابا کی تسلی سے۔ انہیں کبھی نہ بتانا اس رات کے متعلق۔

عبداللہ: رشوت؟...... اس گھر میں رشوت؟

امی: کیوں اس گھر کو کیا ہے؟ یہ بھی دوسرے گھروں کی طرح ہے۔ اس میں بھی انسان بستے ہیں اور انسان چاہے فولاد کا ہو، اسے زنگ لگ جاتا ہے کسی نہ کسی طرح۔

عبداللہ: کس نے رشوت لی امی؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں آج؟

امی: بقول تمہارے آج میں بہادر ہوں۔ میں نے لی تھی رشوت۔ رشوت کوئی ایسی چیز نہیں کہ تم میری مٹھی میں دس ہزار کے نوٹ پکڑا دو اور میں انہیں چپکے سے پرس میں ڈال لیتی ہوں۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔ یہ تو ایک مضمون ہے۔ سو ڈھب سے باندھا جا سکتا ہے۔

عبداللہ: لیکن کیسے امی......؟ آپ کس طرح......؟ مجھے یقین نہیں آتا۔

امی: روٹ پرمٹ میں نے لیے اور بیچ دیے اور اپنی تسلی کر لی کہ آخر جو قیمت مجھے ملی،
یہ میرے Efforts کا نتیجہ ہے۔ اپنی ناکارہ زمینیں صمد کے ماتحتوں کو بیچیں۔
انہوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے چار چار دس گنا قیمت ادا کی۔ سارا کوٹھی
کا Material کبھی اس آدمی کے Credit پر لیا کبھی اس کے...... دوسروں کے
نام پر بینکوں سے قرض لیے۔ کوئی ایک دھاندلی مچی ہے...... کوئی ایک سینہ زوری کی
ہے میں نے۔ کیا کیا گنواؤں...... کیا کیا گنواؤں...... کس کس لمحے کو رووں؟
(آنکھیں بند کر کے پیچھے تکیوں پر گرتی ہے اور سانس ایسا ہموار ہوتا ہے جیسے
گہری نیند آ گئی ہو۔)

عبداللہ: (منہ پر پانی کا چھینٹا مارتا ہے) پھر...... پھر امی اس رات...... اس رات کو کیا
ہوا......؟

امی: کس رات؟...... کس رات کیا ہوا؟

عبداللہ: جس روز بڑے ابا کے بونڈ چوری ہوئے تھے۔

امی: کتنی بدنامی سے بچے ہم...... ایک چوری کھلتی کئی اور پول کھل جاتے۔ (جمائی
لے کر) کتنے بجے ہیں؟

عبداللہ: صبح ہونے والی ہے۔

امی: بڑا اچھا وقت ہے مرنے کا...... عبداللہ اگر اس روز جب چوری ہوئی تھی، اس روز
میں یہ قدم اٹھا لیتی تو اس سے بھی اچھا ہوتا۔ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیتی
ہیں۔ اب تو...... (ماتھے پر ہاتھ رکھ کر) اس روز...... تم لوگ کہہ سکتے تھے کہ چور کو
دیکھ کر بیگم صمد کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ آج تو...... آج تو...... تم سب کو یہی کہنا عبداللہ
ہارٹ ٹربل والی بات...... بدنامی نہ ہو کہیں صمد کی...... بات کسی کے کان میں نہ
پڑے۔ یہ خوشبو کیسی ہے کمرے میں...... شازی اتنا سینٹ مت لگایا کرو......
بالکل Cheap لگتا ہے...... کون اچھا رہتا ہے۔ کیا اچھا رہتا ہے اور کیا برا رہتا
ہے میرے اللہ (روتے ہوئے) کیا اچھا رہتا ہے اور کیا برا رہتا ہے اللہ۔

(کٹ)

سین 4 صبح ان ڈور (شازی کا کمرہ)

(شکیلہ ریڈیو پر کوئی بیرونی ممالک کا سٹیشن لگا کر شازی کی طرف بڑھتی ہے)

شکیلہ: دیکھو شازی۔ یہ شاید ماسکو ہے۔ کتنی پیاری موسیقی ہے۔ سنو تو سہی۔ (شازی
کے پاس جب ریڈیو آتا ہے، وہ اسے پلنگ پر دور پھینکتی ہے۔)

شازی: میری ماں مر رہی ہے اور آپ مجھے ریڈیو سنا رہی ہیں۔ کیسی سنگدل ہیں آپ بھابی۔

لبنیٰ: آؤ امی کی باتیں کریں۔ ابھی میں تمہیں ان کے پاس لے جاؤں گی۔

شازی: (جلدی سے باجی کو چوم کر) سچ باجی......

لبنیٰ: اور کیا...... کیوں شکیلہ؟

شکیلہ: عبداللہ کہتے ہیں۔ اب سانس ٹھیک آ رہا ہے۔

شازی: بھابی آپ مجھے بڑی اچھی لگتی ہیں۔ آئی ایم سوری میں بڑی بدتمیزی کرتی ہوں
کبھی کبھی...... (ساز کے دوران ماہ گل پائینتی چپ چاپ چادر کی بکل مارے
بیٹھی ہے۔ اس کے چہرے پر رنج کے گہرے نشان ہیں۔)

شکیلہ: (شازی کا سر چوم کر) بدتمیز تو تو ہے ہی، یہ کوئی آج کی بات ہے۔

شازی: بھابی! جب میں ساتویں میں تھی تو مجھے ٹائیفائیڈ بخار ہوا تھا' بڑا تیز بخار تھا۔ رات
کو مجھے ایسے خواب آیا کرتے تھے کہ گھر کے سارے آدمی چھت تک لمبے ہو گئے
ہیں۔ چیزیں پھیل کر دیواروں سے جا لگی ہیں اور پلنگ درمیان میں سے اونچا
اور کناروں سے بہہ گیا ہے۔

شکیلہ: بخار میں بڑی عجیب عجیب خوابیں آیا کرتی ہیں۔

شازی: امی میرے پاس آیا کرتی تھیں رات کو...... آدھی رات کو...... صبح کے وقت پچھلے
پہر ان کے آنے سے پہلے ان کی خوشبو آیا کرتی تھی۔

لبنیٰ: امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی تو ان کا سینٹ تجھے دوں گی مانگ کر۔

شازی: (امی سے) سینٹ کی خوشبوئیں نہیں ہوتیں ان کے وجود سے مہک آتی تھی۔ ان

کی جلد سے بالوں سے ایک خوشبو اٹھتی ہے۔ جیسے کھٹے کی باڑھ میں سے تمبا کو کے پھول سے۔ جیسے برسات کے پہلے چھینٹوں میں سوکھی زمین بھیگی ہو۔ میں...... آپ کو بتا نہیں سکتی بھابی ان کے کپڑوں میں ان کے بستر سے ان کے کمرے سے غسلخانے سے ہر طرف سے یہ مہک آتی ہے مجھے (ڈرکر) میں...... ڈرتی ہوں بھابی اگر یہ خوشبو باقی نہ رہے گی تو...... تو کیا باقی رہ جائے گا اس گھر میں...... کیا باقی رہ جائے گا۔ آپ مجھے سچ سچ بتا دیں خدا کے لیے...... کوئی ہے جو مجھے سچ بتا دے؟...... ایک بار......

(کٹ)

سین 5 صبح اِن ڈور (امی کا کمرہ)

(یہاں سے ہم پھر امی کے کمرے کے باہر آتے ہیں۔ یہاں دروازے کے ساتھ Don't bistrub کی تختی لٹک رہی ہے۔ دروازے کے باہر کرسی پر ابا بیٹھے پائپ جلا رہے ہیں۔ دوسرا کیمرہ کٹ کر کے امی اور عبداللہ پر پہنچتا ہے۔ اس وقت عبداللہ پلنگ پر امی کے برابر بیٹھا ہے اور امی کا سر اس کے کندھے پر ہے۔)

عبداللہ: آپ ہم لوگوں کی خاطر زندہ نہیں رہ سکتیں؟

امی: میں نے کوشش کی، بہت کوشش کی۔ اگر تم لوگ چھوٹے ہوتے...... تو بھی شاید...... میں رک جاتی...... پر اب......

عبداللہ: جمی کی طرف دیکھیے۔ وہ کتنا بڑا ہو گیا ہے آپ کے خیال میں؟

امی: اللہ کے بوجھ آدمی کے کندھوں پر مت ڈالو عبداللہ...... مت ڈالو...... مت ڈالو...... یہ کندھے بہت کمزور ہوتے ہیں۔

عبداللہ: یہ امی کوئی پہلی مرتبہ تو ایسا نہیں ہوا کہ کسی مرد نے دوسری شادی کر لی ہو۔ ہوتی آئی ہے ایسے ہی رب کی مشیت

امی: لیکن میں ایک بار پیدا ہوئی تھی۔ میرے پاس صرف ایک زندگی بھر کی مہلت

تھی۔ مجھے دوسروں کے احساسات کا کیا پتہ۔ وہ...... سب عورتیں، وہ سب ضرور مجھ سے زیادہ سخت جان ہوں گی۔

عبداللہ: آپ معاف نہیں کر سکتیں ابا کو؟

امی: یہ...... اور یہ کیا ہے عبداللہ...... یہ معاف کر دینے کا ہی تو ثبوت ہے۔ اگر میں زندہ رہتی تو پھر...... انہیں معاف نہ کر سکتی۔ کتنا گرم ہے تیرا کندھا۔ مجھے سونے دے ظالم، سونے دے۔ اس کندھے پر سر رکھ کر۔

عبداللہ: (اپنے سے پرے کر کے پھر جھنجھوڑتا ہے) میں آپ کو ہسپتال لے جاؤں گا۔ اگر آپ نے میرا ساتھ نہ دیا۔ پھر آپ...... کچھ نہ کر سکیں گی۔

امی: اگر تو مجھے ہسپتال لے جائے گا تو پھر میں ساری عمر تجھ سے کبھی نہ بولوں گی۔ میں تو بدنامی کے خوف سے ہسپتال تک پہنچ بھی نہیں سکتی۔

عبداللہ: پھر آپ ہوش کریں اور خدا کے لیے ہم سب کے لیے شازی، لبنا، اختر، جمی...... میرے لیے زندہ رہیں۔

امی: تمہارے دلوں کے اندر اپنی اپنی لگن کے دیئے روشن ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے۔ اللہ زخم بھرنے کے کئی طریقے جانتا ہے۔

عبداللہ: آپ کو کیا ہو گیا ہے امی؟ آپ میری باتیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

امی: تم سب خدا کا بوجھ ہو...... میرا بوجھ نہیں ہو...... میری تو اپنی ایک زندگی تھی، اس کا جھگڑا میں نے ختم کر دیا۔ میں جانوں میرا رب جانے۔

عبداللہ: یہ گناہ ہے امی۔

امی: میرے ہاتھ کسی ثواب سے آشنا ہی نہیں ہیں۔ تم مجھے کس چیز کی دھمکی دے رہے ہو۔

عبداللہ: اور...... یہ جو غم آپ ہم سب کو بخش رہی ہیں یہ۔ یہ کبھی کسی ماں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے؟

امی: (آہستہ) میرے پاس کان کرو۔

عبداللہ: جی؟

امی: میں ماں نہیں ہوں، عورت ہوں۔ اور عورت...... ہر چیز کے بغیر زندہ رہتی ہے۔

محبت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر زندہ بھی رہے تو اندر مر جاتی ہے...... ہمیشہ کے لیے۔ (آواز میں لکنت آ جاتی ہے) یہ روشنی کیوں اس قدر کم ہو گئی ہے؟

(عبداللہ اٹھ کر بتی جلاتا ہے)

ای: عبداللہ۔

عبداللہ: جی؟

ای: (ہاتھ بڑھا کر) مجھ سے ایک وعدہ کرو۔ (ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر)

عبداللہ: فرمایئے۔

ای: تم۔ تم میرے بعد ماہ گل کے ساتھ محبت کرو گے۔

عبداللہ: (جلدی سے ہاتھ کھینچ کر) میں؟

ای: اسے ایک چانس ملنا چاہیے زندہ رہنے کا۔ تم...... سب...... کچھ ماہ بعد...... ایک Reasonable وقت کے بعد، دو چار مہینے کے بعد اسے امی کہو گے...... اور...... اس کی عزت کرو گے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ ایک بہت اچھی عورت ہے۔ بد قسمتی سے...... بد قسمتی سے۔

عبداللہ: ایسا نہیں ہو سکتا۔

ای: ایسا ہو گا۔ ضرور ہو گا۔ تم میری وجہ سے ایک مردہ عورت کی وجہ سے ایک زندہ عورت کو قبر میں نہیں اتار سکتے۔ وعدہ کرو عبداللہ۔

عبداللہ: میں یہاں سے لیبیا چلا جاؤں گا۔

ای: کیوں؟

عبداللہ: کیونکہ یہاں رہ کر میں وہ سب کچھ نہیں کر سکتا، جس کا حکم آپ دے رہی ہیں۔ میں شازی، لبنا اور جمی کو ساتھ لے جاؤں گا۔

ای: نہیں تم اکیلے جاؤ گے لیبیا۔ بالکل اکیلے، اپنی بیوی کے ساتھ۔ میرا بوجھ تم نہیں اٹھاؤ گے۔ میرے بچے [illegible] یہ میری وصیت ہے۔

عبداللہ: اگر آپ غافل ہو سکتی ہیں [illegible] تو مجھے تو مشورہ نہ دیں ایسا۔

ای: (یکدم آنکھوں میں آنسو آتے ہیں) کیا مزے سے کہہ دیا۔ غافل ہو سکتی ہیں۔

مجھے تکلیف نہ دو عبداللہ...... جاؤ صمد کو بھیج دو میرے پاس...... (آہستہ آہستہ لیٹتی ہے) غافل ہو گئی میں اپنے بچوں سے؟ غافل، غافل۔ جاؤ۔ وقت تنگ ہے مجھے کچھ کہنا ہے صمد سے۔ (جس وقت عبداللہ جانے لگتا ہے۔ وہ ہاتھ بڑھا کر کہتی ہے) ذرا یہ فون مجھے دینا پلیز

عبداللہ: فون اس وقت؟

ای: مجھے ضروری کام ہے۔ (عبداللہ فون پکڑاتا ہے۔ ماں اسے اشارے سے جانے کو کہتی ہے اور نمبر ملاتی ہے)

ای: (نیم غنودگی کے عالم میں) ہیلو...... ہیلو ہیلو...... تاتاتی تا۔ میں بول رہی ہوں نیو شپ بیوٹی کلینک ہے؟ مسز صمد۔ کیا حال ہے۔ بہت صبح ذرا دیا تم کو۔ سوری۔ دیکھو میں خود سوچ رہی تھی۔ تمہاری بیوٹی سیلون کہیں بند نہ ہو۔ اس وقت میری آواز...... ذرا نیند کا اثر ہے مائی ڈیئر۔ تاتاتی تا۔ آج پورے نو بجے صبح پہنچ جانا ہماری کوٹھی پر۔ بہت Important فنکشن ہے ہمارے گھر پر اور میرے بال بالکل خراب ہو گئے ہیں۔ سمجھ گئیں آپ؟ بہت اچھا ہیئر سٹائل بنانا میرا، میں چیف گیسٹ ہوں۔ اچھا بھولنا نہیں۔ صبح صبح آ جانا۔ شہر کے سارے لوگ آئیں گے۔ Make me beautiful ہاں۔ ضرور (یہاں اسے فون کرتے چھوڑ کر ہم دروازے پر جاتے ہیں۔ باہر ابا کرسی پر بیٹھا ہے۔ عبداللہ پاس پہنچتا ہے اور گھڑی دیکھ کر کہتا ہے۔)

عبداللہ: زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ٹھہر سکتے ہیں آپ۔ (باپ کے ساتھ ہم ای کے کمرے میں دوبارہ داخل ہوتے ہیں۔ ای کا سارا چہرہ پسینے میں بھیگ چکا ہے اور وہ کوما کی سٹیج میں داخل ہو چکی ہے۔ صمد پاس آ کر بیٹھتا ہے۔)

ای: صمد۔

ابا: یہ تم نے کیا کیا تابش؟

ای: (لبوں پر انگلی رکھ کر) جو فیصلے ہو چکے ہیں، ہو چکے ہیں۔ ایک بات کہنا تھی تم کو۔

ابا: کہو؟

امی: عبداللہ جب لیا جائے تو اس کے ساتھ بچے نہ روانہ کر دینا۔ لڑکیاں اپنے گھروں والی ہو جائیں گی۔ جی، ماہ گل کے ساتھ ٹھیک رہے گا۔

ابا: تابش! کیا یہ کوئی دنیا میں انوکھا واقعہ ہوا تھا جو تم نے یہ قدم اٹھایا۔ خدا قسم میں بڑا منصف آدمی ہوں۔ کبھی تم پر کوئی ظلم ہونے دیا؟ تمہاری کوئی حق تلفی کبھی ہوئی؟ تمہارے قدموں میں کنیز بن کر رہتی ماہ گل اور اگر وہ نہ رہتی تو ہم اسے مانگی بھیج دیتے۔

امی: انصاف؟ محبت؟ وفا؟ کیسے الفاظ ایجاد کیے ہیں لوگوں نے۔ جن کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ انصاف اتنی معمولی چیز نہیں ہے صمد کہ گوشت پوست سے بنے ہوئے انسانوں کے بس کی بات ہو...... یہ...... تو...... یہ تو...... (نیند میں ڈوبتی ہے) صمد...... میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم مجھے سونے دو گے...... ساری باتوں کے باوجود تم مجھ پر ترس کھاؤ گے۔ مجھے سونے دو گے۔ میں جانتی ہوں۔

ابا: (رومال سے تابش کا چہرہ جو پسینے میں بھیگا ہے، پونچھتا ہے۔)

امی: (ہاتھ بڑھا کر) Lets part as friends

ابا: (ہاتھ بڑھا کر امی کا ہاتھ پکڑتا ہے) تم نے اسے مانگی سے کیوں بلایا؟ کیا میں نہیں جانتا تھا کہ تم کس قدر کمزور ہو۔ کیا میں نہیں سمجھتا تھا کہ ایک غلطی کا ازالہ دوسری غلطی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ پر تمہیں...... تابش؟

امی: مجھے سو جانے دینا صمد۔ سو جانے دینا...... سوئے رہنے دینا۔ قیامت تک...... قیامت کے بعد تک...... سوئے رہنے دینا۔ کبھی نہ اٹھانا۔ کبھی نہ جگانا میرے معبود...... کبھی نہ جگانا......

(صمد۔ تابش کا ٹھنڈا ہاتھ تھپتھپاتا ہے۔ امی کھلی آنکھوں سوئی رہتی ہے۔ ایک لمبا سانس لیتی ہے۔ سانس اکھڑتا ہے اور دم نکل جاتا ہے۔ عبداللہ گھبرا کر اندر داخل ہوتا ہے۔ پائینتی پر کھڑا وہ ماں کو دیکھتا ہے، پھر وہ آگے بڑھ کر اس کی آنکھیں بند کرتا ہے۔ وہ مسہری کی جانب چاروں طرف صف بناتا ہے۔ باپ کے ہاتھ میں ماں کا ہاتھ ہے۔ یکدم دروازہ چوپٹ کھلتا ہے اور شازی دیوانہ وار داخل ہوتی ہے۔)

شازی: مار دیا میری ماں کو ظالموں نے۔ مار دیا سنگدلوں نے۔ (وہ بھاگ کر ماں تک پہنچنا چاہتی ہے۔ دھڑام گرتی ہے۔ اس کے تعاقب میں لبنا اور شکیلہ بھاگی آتی ہیں اور شازی پر جھکتی ہیں۔ عبداللہ پائینتی پر گم صم کھڑا ہے۔ باپ نے اپنی آنکھوں پر ایک ہاتھ رکھا ہوا ہے اور دوسرے ہاتھ میں تابش کا ہاتھ ہے۔ لبنا اور شکیلہ شازی کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ ذرا سا دھڑ اٹھاتی ہے اور پھر گر جاتی ہے۔)

شازی: میں اٹھ نہیں سکتی۔ میری ٹانگ کو کچھ ہو گیا ہے بھیا جی۔ میں اٹھ نہیں سکتی۔ امی، امی میری ٹانگ کو کچھ ہو گیا ہے اور آپ مزے سے لیٹی ہیں امی جی۔ امی جی...... دیکھیے آ کر۔

(اس وقت جب شازی بولتی ہے۔ عبداللہ جلدی سے بہن کی مدد کو پہنچتا ہے۔ باپ سر جھکائے اسی طرح بیٹھا ہے۔ کیمرہ دروازے سے نکل کر باہر گیلری میں آتا ہے۔ دروازے پر وہی تختی لٹکی ہے جس پر لکھا ہے Don't disturb تختی اور ماہ گل پر کیمرہ میں آتا ہے۔ کرسی پر ماہ گل گم صم بیٹھی ہے۔

دور گیلری میں تابش کی تصویر کے پاس بڑے ابو کھڑے ہیں۔ پھر وہ چلتے ہوئے ماہ گل کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

-------O-------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 11

کردار

بڑے ابا:

ابا:

ماہ گل:

شازی:

لبنا:

فرید:

اور

اللہ رکھی:

(تابش کے مرنے کے بعد جمی کی زندگی میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہو چکا ہے۔
اس سکرپٹ میں اسے ایک بار پھر احساس ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے اور کیا نہیں ہے۔
ماہ گل کا کردار ایک نئے موڑ پر آ چکا ہے۔ وہ اپنے لباس، تراش خراش، چال ڈھال اور گفتگو میں دوسری تابش لگتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ماہ گل تابش کی طرح بولنے، چلنے اور لباس پہننے کا طریق سیکھ جائیں۔ وہ مکمل طور پر تابش کی کاربن کاپی لگتی ہے، اس کے اندر کچھ ٹوٹ چکا ہے جس کی مرمت ناممکن ہے۔
اس کی آنکھوں میں ایک مجروح کیفیت ہے جیسے وہ کسی ایسی ڈھال کی تلاش میں ہے جو اسے زندگی کے وار سہنے میں مدد دے۔
صمد نے داڑھی رکھ لی ہے جس میں تھوڑے سفید بال ہیں۔ سر پر ریشمی صافہ ہے۔ شلوار قمیض میں ملبوس ہے۔ تابش کی موت کے بعد اس پر ایک خاص قسم کی سوگواری طاری ہے۔
شازی کی ایک ٹانگ خراب ہو چکی ہے اور وہ وہیل چیئر پر آتی جاتی ہے۔ اب اس نے چہرے پر گہرے سیاہ چشمے لگانے شروع کر دیئے ہیں اور ہاتھوں کو آپس میں مروڑتی رہتی ہے۔
اس سکرپٹ میں ہم کو دو سیٹ درکار ہوں گے۔ ایک تو کوٹھی کا پچھواڑا اور دوسرا بڑے ابا کا کمرہ۔ کوٹھی کے پچھواڑے فلش کی نالیاں اوپر کی طرف کو جاتی ہوئی ضرور دکھائی جائیں۔ یہاں تنگ سی سیڑھیاں کوٹھے پر جاتی ہیں۔ ان سیڑھیوں کے تلے تھوڑی سی چھپنے کی جگہ ہے۔ اس جگہ جمی سارے گھر سے چھپ کر بیٹھتا

ہے۔ جب کیمرہ کھلتا ہے تو جمی اپنے پنجرے کو لیے یہاں بیٹھا ہے۔)

(کٹ)

سین 1 دن کا وقت آؤٹ ڈور (گھر کا پچھواڑا)

جمی: (مٹھو سے) اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو تو امی کے پاس جائے گا مٹھو؟ امی کو بتانا، اب میں اپنا ہوم ورک خود کر لیتا ہوں ٹیلی ویژن سے پہلے...... اگر...... (آنسو کف کے ساتھ پونچھ کر) تجھے امی مل جائے ناں تو بتانا امی کو...... میں روز آدھا سیپارہ پڑھتا ہوں ان کے لیے...... ان کی تصویر میرے پاس سائنس کی کاپی میں...... امی کو بتانا اب میں ساری سبزیاں کھا لیتا ہوں۔ کدو، گوبھی، مولیاں، مونگرے...... نہ میں شازی آپا سے لڑتا ہوں، نہ لبنا باجی کو جواب دیتا ہوں۔

(جمی پنجرہ کھولتا ہے۔ طوطا اڑتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں)

(کٹ)

سین 2 چند لمحے بعد ان ڈور (بڑے ابا کا کمرہ)

(ہم بڑے ابا کے کمرے میں آتے ہیں۔ بڑے ابا اس وقت اپنی تسبیح کے دانے سوئی دھاگے میں پرو رہے ہیں اور صمد ان کے پاس مونڈھے پر بیٹھا ہے)

صمد: میں یقین کرنا چاہتا ہوں، پر مجھے یقین نہیں آتا۔ دل نہیں مانتا میرا۔ تابش میں کمزوریاں تھیں، ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ پر کس طرح کی کمزوریاں۔

ابا: تم تو صمد ان عورتوں کے متعلق کیا علم رکھتے ہو! میں نے تین عورتوں کے ساتھ زندگی گزاری۔ مختلف مقامات پر ان کو پرکھا۔ نہ ان میں تقویٰ، نہ پرہیزگاری نہ توکل۔ بڑی سے بڑی عورت کا بت توڑو اندر سے بھوسہ بھرا ہوا ملے گا۔

صمد: مجھے تو یہ خیال آیا کہ جو کچھ بن رہا ہے لوگوں کو نظر آ رہا ہے۔ سب حلال کی کمائی سے،

سب کفایت کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ توبہ توبہ استغفار...... عورت چاہے تو مرد کو پاکباز رکھے، عورت چاہے تو اس کی ساری عزت منٹوں میں خاک میں ملا دے۔ چلو مر گئی مرنے والی، اب کیا گلہ اس سے۔ تم اپنی عاقبت کی فکر کرو صمد۔ (ایک

ابا: موتی صمد کی طرف کر کے) یہ امام ہے کہ دانہ ہے سادہ؟

صمد: امام ہے جی۔

ابا: مجھ سے ذکر کیا تھا تابش نے۔ اللہ بخشنے والا ہے۔ میں نے کہا، تم توبہ کر لو۔ آئندہ رشوت مت لو۔ پچھلے گناہ اللہ خود معاف کر دے گا۔ میں نے تو صمد خود اسے پندرہ ہزار کے بونڈ دینے کا بھی وعدہ کر لیا تھا۔ بدقسمتی سے چوری ہو گئے بانڈ ورنہ تابش کی زندگی بدل جاتی۔

صمد: خاک بدل جاتی ابا جی...... بے اصول، بے راہ رو لوگوں کی زندگی نہیں بدلا کرتی کبھی بھی...... میں آج سرفراز کے پاس گیا تھا۔

ابا: کون سرفراز؟

صمد: تابش کے بھائی کے پاس...... جس کا لوہے کا کارخانہ ہے۔ ملا تھا مجھے مچھل۔ سارا خاندان ہی بے اصول ہے۔

ابا: اچھا اچھا تو بالآخر ملے تم سرفراز سے۔ پول کھل گیا سارا؟

صمد: میں نے جب اس سے کہا کہ میں آہستہ آہستہ اس کا قرض لوٹا دوں گا اور وہ تابش کی زبان اور میری زبان میں فرق نہ سمجھے تو اس کا چہرہ دیکھنے والا ہو گیا۔ ایسا بے اصول، ایسا بے غیرت، ایسا بے مروت، بہن کو گالیاں دینے لگا۔ مری ہوئی بہن کو۔ کہنے لگا میں نے کئی لوگوں سے سنا تھا کہ آپ کی بیوی دھاندلی مچاتی ہے۔ یقین نہیں آتا تھا مجھے۔ یہ ساٹھ ہزار میرے نام ڈال دیے اس نے۔

ابا: مر گئی بیچاری، اب کیا اس کا ذکر میلا کرتے پھرتے ہو۔

صمد: اسے سمجھائیے جا کر، اس سوا گز مونچھوں والے کو۔ میری اور بات ہے ابا۔ میں جو کچھ تابش کو کہوں، جو مرضی اس کے متعلق سوچوں۔ میری وہ بیوی تھی۔ یہ لوگ ساری عمر تو اس کے روادار نہیں ہوئے اور اب کیڑے نکالنے بیٹھ گئے تابش میں۔

ابا: تابش مجھ سے کہتی تھی کہ اس نے جو کچھ کیا تمہاری خاطر کیا۔ جو رشوت لی تمہاری خاطر لی۔ تمہاری ساکھ کو، تمہاری عزت بنانے کو۔

صمد: اگر اس کے ہاتھوں کسی کا قتل ہو جاتا تب بھی وہ یہی کہتی۔ اب یہ میری ساکھ باقی رہی ہے شہر میں۔ رشوت جس گھر سے منسوب ہو جائے، وہ زنداں میں رہتے ہیں ابا جی۔

ابا: تم کو اپنی بیوی کو ہاتھ سے خرچ دینا چاہیے تھا ماہ بہ ماہ۔

صمد: ماہ بہ ماہ تو دیتا ہی تھا خرچ لیکن اس کی کیا بات تھی۔ چھلاوے کی طرح تھی تابش...... یہ زمین بیچ رہی ہوں۔ وہ شیئرز خرید رہی ہوں۔ اس بینک سے Over-draft مل رہا ہے۔ فلاں روٹ پرمٹ فروخت کر دیا ہے۔ مجھ سے زیادہ تو اسے علم ہوتا تھا۔ ان باتوں کا کہیں جو Stock exchange پر ہوتی تو لاکھوں کماتی۔

ابا: تم بھی عورت کے ہاتھوں گدھے بن کر عقل سیکھتے۔ عورت کا کام ہے گھر کی چار دیواری میں۔ سر شام بچوں کو گود میں لے کر بیٹھے۔ صبح سویرے اس کی تلاوت سے آنکھ کھلے دن بھر وہ اور امور خانہ داری...... تم نے تو خدا جانے کیا سمجھ کر اس کے بال کٹوا دیئے۔ گاڑی چلانا سکھا دی' بینکوں میں گھومنا بتا دیا۔ تابش یہ ہے اور تابش وہ ہے۔ تابش کی یہ رائے ہے' تابش کی وہ رائے ہے۔ تابش نے صبح یہ کیا، تابش نے شام وہ کیا۔

(سر سے صافہ اتار کر)

صمد: ماریئے سو جوتے میرے سر پر اور بھول جایئے اور پھر ماریئے۔

ابا: خیر یہ تو تمہاری سعادت مندی ہے کہ غلطی سمجھ کر توبہ کر لیتے ہو۔ ہمارے خاندان کا ایک نام ہے، ایک عزت ہے، ایک ساکھ ہے۔ ایسے گھرانے کوئی دنوں میں تھوڑی بنتے ہیں۔

[illegible] میری خاطر رشوت لی تابش نے! (سوچ کر) خوب! اچھا الزام دھرا میری ذات پر...... کمیٹیوں کی ہوس مجھ کو تھی کیا؟ سوسائٹی میں پھرنے کا شوق مجھ کو تھا؟ اچھا پہننے کا شوق تو [illegible] کا شوق مجھ کو تھا؟

ابا: چلو غصہ تھوک دو۔ مر گئی بیچاری گناہ گار۔

صمد: ناں ابا یہ بتایئے رشوت کوئی ایک دن میں تو لی نہیں تابش نے۔ اس نے کئی ہیرا پھیریاں کی ہوں گی۔ اب جو عورت اتنی بڑی بات پچا جائے اور شوہر کو نہ بتائے، وہ خدا جانے اور کیا کیا کرتی ہوگی چھپ چھپ کر۔ سوچئے...... سوچئے۔

ابا: (سوچ کر) یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں کبھی۔

صمد: سوچئے ناں سوچئے۔ اس شہر میں جس میں میں سمجھتا ہوں میری عزت ہے۔ خدا جانے کیسی کیسی کہانیاں پھر رہی ہیں۔ کون کون سے لوگ بھیدی تھے اس کے۔ کس کس انسان کو علم تھا اس کی کرتوتوں کا۔

ابا: صمد بڑا افسوس ہے بیٹا۔ پر کیا کیجیے اب؟

صمد: سوچئے اب ذرا۔ جس نے رشوت لی، وہ چپ رہا ہوگا؟ دس لوگوں سے بات کی ہوگی اس نے۔ ایک مرغی کا شوربہ کھلا کر تو ماتحت چپ نہیں رہتے۔ ایسی بڑی باتیں چھپائی ہوں گی انہوں نے؟

ابا: جو ہونا تھا ہو چکا صمد۔ اب وہ لوٹ کر تو آ نہیں سکتی کہ کیے کو مٹا دے۔

صمد: میری عزت خاک میں ملا دی تابش نے...... پشتوں کی بنائی ہوئی ساکھ برباد کر دی۔ کہیں کا نہ رکھا مجھے تابش نے...... کس کے سامنے جا کر روؤں اپنی بیوی نے برباد کیا مجھے۔ سوچئے ابا بیوی کس لیے ہوتی ہے۔ گھر میں سکون کے لیے' آرام کے لیے شوہر کی بہتری کے لیے...... اور تابش کیا تھی۔ ہمارے گھر کے لیے مار آستین...... حرص کی پتلی۔ خدا جانے کس کس طرح ہاتھ ملوث کیے ہیں اس نے......

ابا: ہاں اس طرف تو کبھی دھیان ہی نہیں گیا۔

(کٹ)

سین 3 چند لمحے بعد آؤٹ ڈور (گھر کا پچھواڑا)

(لوٹ کر ہم اسی جگہ جاتے ہیں جہاں جمی تھوڑی دیر پہلے موجود تھا۔ اب پنجرہ خالی پڑا ہے اور جمی وہاں نہیں ہے۔ شازی کو وہیل چیئر پر بٹھائے لبنا ادھر آتی ہے۔)

لبنا: جمی...... جمی

شازی: گیا کہاں؟

لبنا: اس کا بستہ اور پنجرہ تو یہیں پڑا ہے، وہ خود کہاں گیا اکیلا؟

شازی: باجی کسی دوست کے گھر نہ چلا گیا ہو۔

لبنا: دوست کے گھر۔ میری اجازت کے بغیر؟

شازی: کھوکھے تک شاید کوئی پنسل ربڑ لینے گیا ہو۔

لبنا: بابا وہ کبھی بغیر اجازت گیا ہے آج تک؟

شازی: بڑا فرق آ گیا ہے سب میں۔ کون جانے اس میں بھی کوئی تبدیلی آ گئی ہو؟

لبنا: میں تو کوٹھے پر بھی دیکھ آئی ہوں۔ (آواز دے کر) جمی...... جمی۔

شازی: اس طرف امی کسی کو آنے نہیں دیا کرتی تھیں۔ ہیں ناں باجی؟ کتنی آزادی سے آ کر بیٹھ رہتا ہے اب ادھر جمی...... ہے ناں؟

لبنا: پھر تم نے امی کو یاد کیا۔

شازی: امی کو یاد کرنے سے کیا ہوتا ہے لبنا باجی۔ یہ بھی آدمی کو وہم ہوتا ہے کہ وہ کسی کو یاد کرتا ہے۔ دراصل وہ اپنے آپ پر ترس کھا رہا ہوتا ہے اندر ہی اندر۔ (آہ بھر کر) میں تو سمجھتی تھی امی کے بغیر میں مر ہی جاؤں گی۔ (سر ہلا کر) یہ سب انسان کے Caliber پر منحصر ہوتا ہے کہ اس کی محبت کیسی ہے...... ہے ناں؟ جس قدر انسان کا کریکٹر ہوگا، اسی قدر اس کی محبت بھی پختہ ہوگی۔ مجھ سی معمولی لڑکی کیا محبت کرے گی اور وہ بھی اپنی امی سے۔

لبنا: بولتی جاؤ بولنا اچھا ہوتا ہے۔

شازی: رفتہ رفتہ میں سوچنے لگوں گی فلاں موقع پر امی نے مجھ سے انصاف نہیں کیا تھا۔ لبنا باجی کو بہتر قسم کا کپڑا دے دیا تھا اور مجھے گھٹیا پرنٹ پکڑا دیا تھا۔ بھیا جی کو وہ زیادہ پیار کرتی تھیں۔ میری نسبت جمی کا وہ زیادہ خیال رکھتی تھیں...... جب اپنی محبت میں کمی واقع ہونے لگے تو کتنی خامیاں خرابیاں نکل آتی ہیں محبوب کے کردار میں......

(شازی کے سر کو چوم کر) استقامت سوچا کرو شازی۔ پتہ ہے ناں ڈاکٹر مصطفےٰ

لبنا: نے کیا کہا ہے۔ اگر تم خوش رہو گی تو آہستہ آہستہ تمہاری ریڑھ کی ہڈی مضبوط ہو جائے گی اور پھر یہ ٹانگیں خود بخود......

شازی: پہلے میں آپ سے لڑا کرتی تھی باجی۔ میں سمجھتی تھی کہ جو کچھ آپ کو ناپسند ہوتا ہے، آپ مجھے دے دیتی ہیں۔ آپ کا پہنا ہوا کپڑا آپ کی چھوڑی ہوئی ہڈی، آپ کی استعمال شدہ لپ سٹک ساری چیزیں...... جو آپ کو ناپسند ہوتی ہیں، آپ مجھے دے کر احسان مند کرتی ہیں۔ اب مجھے معلوم ہے جو کچھ آپ کو جی سے پسند ہوتا ہے، وہی آپ مجھے دیا کرتی تھیں اور دیتی ہیں۔

(اس وقت رکھی ہاتھ میں خط لیے آتی ہے)

رکھی: خط آیا ہے بھائی عبداللہ کا۔ لیبیا کی ٹکٹ میں نے پہچان لی ہے۔

شازی: بھیا اچھے رہے امی کے بعد انہیں اس گھر میں تو نہ رہنا پڑا۔ نئی زندگی، نئی جگہ، نئے لوگ۔ پرانی یادوں کے ساتھ اس جگہ میں نئی زندگی بنانا بہت مشکل ہے۔

(لبنا خط پڑھ رہی ہے۔)

رکھی: اونچا اونچا پڑھو بی بی۔ مجھے بھی کچھ پتہ چلے۔

لبنا: پیاری لبنا، شازی اور جمی۔ تم لوگ بہت یاد آتے ہو۔ بن غازی کے سارے ہسپتال والے تم لوگوں کی باتیں سن سن کر تمہارے خوب واقف ہو گئے ہیں۔ آں...... آں (جیسے کچھ چھپا رہی ہو)

شازی: What is it Baji?

لبنا: I will tell you later

رکھی: انگریزی میں کیا لکھا ہے بی بی؟

لبنا: یہ لکھا ہے رکھی کہ تم سب پیار سے رہنا۔

رکھی: اچھی نصیحت لکھی ہے۔ اس پر عمل کرو تو ناں۔

لبنا: جمی کہاں ہے رکھی؟

رکھی: پتہ نہیں جی، ابھی تو یہاں بیٹھا تھا۔

لبنا: چھوٹی امی کے پاس تو نہیں؟

رخمی: دیکھتی ہوں جی۔ آپ خط لکھیں تو میرا سلام لکھیں ڈاکٹر صاحب کو اور لکھیں کہ بھابی صاحب کو کم از کم بھیج دیں ہمارے پاس۔

(یہ کہہ کر رخمی چلی جاتی ہے)

رخمی: میں دیکھتی ہوں جمی کو۔

شازی: آپ کا کیسے جی کرتا ہے۔ خالہ کو چھوٹی امی کیسے کہہ سکتی ہیں آپ؟

لبنا: وہ ہیں جو چھوٹی امی۔

شازی: پتہ نہیں کیا بات ہے جب وہ خالہ تھیں، مجھے اچھی لگتی تھیں۔ جب...... جب وہ امی ہو گئیں، مجھے بری لگنے لگیں۔ حالانکہ ان میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ میرا حال بھی ایک وفادار وزیر کا سا ہے۔ پچھلا بادشاہ مر جاتا ہے اور نیا بادشاہ راس نہیں آتا۔

لبنا: خالہ ماہ گل سے ابا کی خوشیاں وابستہ ہیں۔ یہی تو لکھا ہے بھائی عبداللہ نے۔

شازی: کیا لکھا ہے انہوں نے؟

لبنا: تم خود پڑھ لو خط۔

شازی: بھیا جی کی لکھائی دیکھ کر آنسو آ جاتے ہیں آنکھوں میں۔ آپ سنا دیجیے۔

لبنا: پڑھتے ہوئے امی نے مرنے سے پہلے بہت تاکید کی تھی کہ ہم سب ماہ گل خالہ کی زندگی کو آسان بنائیں۔ میں تمہیں بار بار تاکید کرتا ہوں کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا جس سے تم پر سوتیلی اولاد ہونے کا شبہ ہو۔ ان کا ابا پر ان کے گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا امی کا تھا۔ شکیلہ پیار بھرا سلام لکھواتی ہیں۔ میرے خطوں کا جواب جلدی دیا کرو۔ عبداللہ۔

شازی: مجھ پر کوئی ظلم نہیں کرتیں خالہ ماہ گل بلکہ مجھ سے خوفزدہ رہتی ہیں اور پھر بھی میرا دل چاہتا رہتا ہے کہ کسی طرح میں ان کا دل دکھاؤں۔ کوئی ایسی بات کہوں، کوئی ایسی حرکت کروں کہ ان کے اندر کہیں اتنا ہی درد ہو جتنا مجھے انہیں دیکھ کر ہوتا ہے۔

لبنا: [illegible] وہ چھوٹی امی کے لیے۔

شازی: ہم سے لوگ کسی کی خاطر کچھ نہیں کیا کرتے لبنا باجی۔ ہمیں تو سارا وقت اپنی فکر پڑی رہتی ہے۔ جو جو چیز تکلیف پہنچاتی ہے، جی چاہتا ہے فوراً راہ سے ہٹ جائے۔ گرمیوں کا سورج، سردیوں کی ہوا، امتحان کے پرچے، اپنے سے خوبصورت لڑکی جانے کیا کیا چیز زندگی سے ہٹا دینے کی آرزو ہوتی ہے۔ میں امی کی خاطر کیا کر سکتی ہوں؟

(اس وقت فرید اور جمی آتے ہیں۔ جمی بہت ڈرا ہوا ہے۔)

لبنا: کہاں گئے تھے تم؟

فرید: جی یہ تو بہت دور دور چلا گیا تھا۔ ایوب پارک کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ بھاگا جا رہا تھا دیوانہ وار۔

جمی: وہ میں جی...... وہ گیا تھا باجی۔

شازی: پتہ چل گیا ہے ناں کہ شازی بھاگ نہیں سکتی، اس لیے ٹانگیں لگ گئی ہیں اسے۔

لبنا: مجھ سے پوچھے بغیر تم ایوب پارک کیسے پہنچ گئے؟ کیا لینے گئے تھے وہاں تم؟

جمی: پیغام دینے گیا تھا باجی طوطے کو۔

لبنا: طوطے کو پیغام دینے گئے تھے، جھوٹ مت بولو۔

جمی: سچ باجی۔ ایک پیغام رہ گیا تھا۔

لبنا: یہ کہانی کسی اور کو سنانا۔ طوطا تمہارے پنجرے سے نکل ہی نہیں سکتا۔ کتنا ستاتے ہو تم لوگ مجھے، کوئی اندازہ ہے تمہیں؟

جمی: میں نے طوطا اڑا دیا تھا باجی۔ پھر میں اسے پیغام دینے گیا تھا اس کے پیچھے۔

(باجی زور سے جمی کے منہ پر تھپڑ مارتی ہے۔ فرید کانپ کر جمی کی مدد کو پہنچتا ہے)

فرید: دیکھیے یہ گھر نہیں آ رہا تھا آپ لوگوں کے خوف سے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔

لبنا: چھوڑ دیجیے اسے۔ اس کا خیال ہے امی کے بعد یہ آوارہ ہو جائے گا۔ سڑکوں پر پھرے گا۔ میں امی کی ساری محنت خاک میں مل جانے دوں گی۔ (جھنجھوڑ کر جمی سے پوچھتی ہے) بول؟ کیا کرنے گیا تھا ایوب پارک کی طرف...... بول؟ کیا خیال تھا تیرے دل میں؟

شازی: اس طرح یہ ٹھیک نہیں ہوگا باجی، غسلخانے میں بند کر دیجیے اسے۔

(اس وقت اندر سے ماہ گل آتی ہے)

ماہ گل: (ہراساں گھبرائی ہوئی) کس نے مارا ہے خدا بخش کو؟...... کیا ہوا ہے خدا بخش کو
(پاس آ کر) اسے چھوڑ دو لبنا...... چھوڑ دو اسے...... یہ بے قصور ہے۔ سارا قصور میرا ہے میرا۔

شازی: خالہ ماہ گل دوسروں کی اولاد بگاڑنے کا لاڈ ہر ایک کو آتا ہے۔ آپ مہربانی سے اس معاملہ میں اپنے آپ کو زحمت نہ دیں۔

ماہ گل: یہ آپ ہی کا معاملہ ہے لیکن آپ...... آپ اسے کچھ نہ کہیں جی کو...... جو کچھ آپ کو کہنا ہے مجھے کہیں۔

لبنا: چلو اندر اور چل کر پڑھائی کرو۔

(ماہ گل چپ چاپ کھڑی ہے۔ جی آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے۔ شازی کہتی ہے)

شازی: پہلے منہ ہاتھ دھو کر انسان بنو۔ (ایک لمبا وقفہ خاموشی کا آتا ہے جس میں لبنا اس ہاتھ کو دیکھتی ہے جس سے اس نے جی کے تھپڑ مارا تھا۔ ماہ گل اندازہ لگانے والی نظروں سے سب کو دیکھتی ہے۔ فرید ہلکا ہلکا کھانستا ہے۔ جیسے کوئی بات شروع کرنے کے متعلق سوچ رہا ہو۔ شازی چہرے سے عینک اتار کر اسے دوپٹے سے صاف کرتی ہے)

لبنا: یہ ہاتھ کبھی اس سے پہلے جی پر اٹھا نہیں تھا۔

فرید: دیکھیے میں...... میں اسے اس یقین پر ساتھ لایا تھا کہ یہاں اسے گھر پر کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اسے کیا اعتماد رہے گا مجھ پر؟ آپ پہلے میری بات تو سن لیتیں۔

لبنا: (جاتے ہوئے) مجھے افسوس ہے فرید صاحب، پر خدا جانے کیا بات ہے لاکھ عقلمندی کی باتیں کرنا چاہو، کچھ بھی تو ٹھیک نہیں ہو پاتا مجھ سے۔ (چلی جاتی ہے) پتہ نہیں کیا بات ہے، کیا ہو گیا ہے؟

ماہ گل: [illegible] آپ کو [illegible] لے جاؤں شازی؟

شازی: جی نہیں شکریہ (کانپ سی جاتی ہے)

ماہ گل: لبنا تو اندر چلی گئی ہیں۔ آپ تو......

شازی: آ جائیں گی بار [illegible] مجھے لینے وہ تھوڑی دیر غسلخانے میں اپنے آپ کو بند کر کے

خوب روئیں گی اور پھر منہ ہاتھ دھو کر چہرے پر ایک بہادر عورت کا ماسک پہن کر باہر آ جائیں گی۔ ان کی اور امی کی ایک سی عادت ہے۔ ایک سا طریقہ ہے (ہنس کر) لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے۔ وہی باتیں امی کی بہت اچھی لگتی تھیں اور...... اگر آپ چاہیں تو میں رک جاؤں اور اگر......

ماہ گل: جیسی آپ کی مرضی، یہ آپ کا گھر ہے۔ آپ آ جائیں جیسا آپ کا جی چاہے۔

شازی: (پاس آ کر) شازی...... اچھا چلو رہنے دو...... (آہستہ آہستہ چلی جاتی ہے۔

ماہ گل: فرید اور شازی رہ جاتے ہیں)

فرید: آپ بہت ظالم ہیں۔

شازی: مجھے بھی لگتا ہے کبھی کبھی۔

فرید: اور...... اور...... آج تک میں، کبھی ظلم ہوتا دیکھ نہیں سکا۔ میں ظلم کرنے والے کا بہت سخت دشمن بن جایا کرتا ہوں لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے آپ ظلم کرتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔

شازی: کیتھرین ہپ برن کی طرح...... لانا ٹرنر کی طرح...... صوفیہ لورین کی طرح۔ میری سختی میرے کریکٹر سے نکلتی ہے اور میرا حسن ہے......

فرید: میں آپ کو اندر لے چلوں؟

شازی: آپ کب تک مجھے اندر باہر لے جائیں گے۔ آپ کی تو تبدیلی کے آرڈر آ چکے ہیں۔

فرید: جب تک چارج نہیں دیتا آپ کے ہاں آتا جاتا رہتا ہوں، یہ کام آسانی سے کر سکتا ہوں۔

شازی: شکریہ (فرید گاڑی کھینچ کر اندر لے جاتا ہے)

(کٹ)

سین 4 وہی وقت ان ڈور (بڑے ابا کا کمرہ)

(بڑے ابا کے کمرے میں صمد غصے میں پھر رہا ہے)

صمد: کچھ آپ کو معلوم ہے کہ شہر میں کتنی عزت ہے میری۔ کون ہیں جی یہ...... مولوی عبدالصمد ہیں۔ کس کی کوٹھی ہے، مولوی عبدالصمد کی...... کس کی کار ہے؟ مولوی عبدالصمد کی۔ اتنی عزت والا آدمی رشوت لینے والا کہلائے۔ منہ سیاہ کر کے اس شہر میں رہوں۔ اس شہر میں؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

ابا: کم از کم لڑکیوں کی شادی تک۔

صمد: شادیاں اللہ میاں کرتا ہے، ان کی بھی ہو جائیں گی۔ جب وقت مقرر ہو گا تو آپ ہی رشتے آجائیں گے۔ عبداللہ کی شادی کیسے ہوئی تھی (ہنس کر) اور پھر شادی میں ایسے کون سے لعل جڑے ہیں؟

ابا: پھر بھی صمد۔ ابھی تو کوٹھی بنی ہے۔ اس میں نہ رہیں گے جا کر؟

صمد: جی نہیں۔ میں نے کوٹھی آج کرائے پر چڑھا دی ہے۔ آپ فیصلہ کر لیں، آپ میرے ساتھ مانگلی چلیں گے کہ...... آپ کو یہاں رہنا ہے؟ میں نے اسی لیے انیکسی کرائے پر نہیں دی۔ جو فیصلہ آپ کریں گے، اس کے مطابق ہو جائے گا۔ ماں باپ کا احترام واجب نہ ہوتا تو میں آپ کو سختی کے ساتھ لے جاتا اپنے ساتھ۔

بڑے ابا: (ہچکچا کر) وہ بیٹا یہاں پرائز بونڈز کی لسٹ نکلتی رہتی ہے۔

صمد: پرائز بونڈز چور لے گئے۔ آپ کیا کریں گے ان کی لسٹیں دیکھ کر؟

ابا: (گھبرا کر) وہ کچھ نہیں۔ ایسے دلچسپی تھی، مجھے ایک دل لگا رہتا تھا۔

ابا: تو لگائیے یہاں بیٹھ کر دل۔ چوروں کا انعام نکل آیا تو اور بھی تسلی ہو جائے گی آپ کی۔

صمد: مہینہ کے بعد...... مجھے اپنی پنشن لینے آنا پڑے گا۔ یہ بڑی مصیبت ہو گی صمد۔

ابا: ٹھیک ہے جی۔ پھر آپ انیکسی میں رہیں اور اپنی پنشن میں گذر بسر کریں، میں جو کچھ ممکن ہو گا بھیج دیا کروں گا مانگلی سے۔

(اس وقت لبنا شازی کو وہیل چیئر پر لاتی ہے)

لبنا: آپ نے ہمیں بلایا تھا اباجی؟

صمد: ہاں...... میں نے تمہیں بلایا ہے یہ بات بتانے کو کہ جس ماں کے سوگ میں تم

دونوں کے منہ پھولے پھولے رہتے ہیں، وہ کس قماش کی عورت تھی۔

شازی: کیا اباجی؟

صمد: تمہاری ماں نے میری عزت، میرا نام خاک میں ملا دیا۔ اس نے رشوتیں لیں، روٹ پرمٹ بیچے، میرے ماتحتوں کو زمینیں بیچیں زیادہ داموں پر...... بینکوں سے Over-draft لیے دوسروں کے نام۔ سب کام بظاہر ٹھیک ٹھاک اور Legal قسم کا کیا۔ کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا، کوئی کیس نہیں بنا سکتا۔ کوئی مجھے سکرین آؤٹ نہیں کر سکتا...... پر کوئی ایک دھاندلی مچائی ہے تمہاری ماں نے۔

ابا: چھوڑ دو اس ذکر کو بیٹا۔

صمد: تم دونوں سن رہی ہو؟

شازی:
لبنا: جی۔

صمد: میں نے Leave before retirement لے لی ہے اور کوٹھی کرائے پر چڑھا دی ہے۔ میں مانگلی جا رہا ہوں تم سب کو لے کر۔ وہاں ہم بھینسیں پالیں گے، مرغیاں رکھیں گے، کاشتکاری کریں گے۔ نئی زندگی کا آغاز ہو گا۔

شازی: نئی زندگی کے آغاز کے لیے پرانی یادوں کی بنیاد اچھی نہیں ہوتی اباجی۔

صمد: (بغیر سنے) شہری زندگی کے نخرے ہیں یہ سب۔ معیارِ زندگی اونچا کرتا ہے آدمی یکدم گڑھے میں گر جاتا ہے۔ تم سب کو تازہ دودھ ملے گا۔ بغیر ملاوٹ کا آٹا ملے گا۔ چھپکلی جیسی رنگتیں نہیں رہیں گی تمہاری۔ اپنا اپنا سامان باندھو اور تیاری کر لو۔

شازی: ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے اباجی......

لبنا: شازی!

شازی: آپ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہیں باجی۔

صمد: دیکھ لیجیے اباجی...... یہ اولاد کا حال ہے۔ کیا کچھ نہیں کیا میں نے ان کے لیے۔ کیسے کیسے سکولوں میں پڑھایا۔ کیسے کیسے قیمتی کپڑے پہنائے۔ کیا کیا اعلیٰ خوراک کھلائی۔ کتنے کھلے اعلیٰ گھروں میں پرورش کی ان کی اور دیکھ لیجیے۔ جس

ہاتھ سے کھائے گی، آج کی اولاد اسی کو کاٹے گی۔

شازی: آپ نے یہ سب کچھ کیا کہ آپ کی رشوت خور بیوی نے؟

لبنا: چپ کرو شازی

صمد: مت سمجھاؤ اسے۔ آڑے وقت پر اصلی انسان کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ میری اولاد کا حال ہے، اپنی اولاد کا۔

شازی: کیا لطف کی بات ہے کہ ساری عمر عورت پالتی رہے بچوں کی خاطر چوری کرے۔ رشوت لے۔ قتل کرے، پر ہر وقت ساتھ دے بچوں کا۔ ان کو اس طرح پالے جیسے سانپ اپنے خزانے کی نگرانی کرتا ہے اور اولاد ہو جاتی ہے باپ کی۔

ابا: یہ تو خیر شازی بیٹے جائز بات کہہ رہا ہے تمہارا باپ۔ قانونی نقطہ نظر سے بھی دیکھو تو یہ تمہارا وارث ہے، جو چاہے منوا سکتا ہے۔

لبنا: چپ کرو، اب نہ بولنا۔

شازی: اگر یہ ہمارے وارث ہوتے تو ہماری خوشی کا خیال رکھتے۔ ہمیں بیربل کی بکری کی طرح کبھی نہ پالتے کہ کھلانا تو سونے کا نوالہ اور رکھنی شیر کی نگاہ۔ وارث وہ ہوتا ہے جو دل کا خیال رکھتا ہے۔ جسم کو تو یتیم خانے میں بھی زندہ رکھتے ہیں اباجی۔

صمد: سن لیا آپ نے اباجی۔ یہ جزا ہے ساری خدمت کی۔ ان کو اپنے بااصول باپ سے زیادہ اپنی رشوت خور ماں کا خیال ہے۔

شازی: ماں کچھ نیکی کا مجسمہ نہیں ہوتی۔ ماں کچھ فرشتہ نہیں ہوتی۔ پھر ماں کے گن سارا جگ کیوں گاتا ہے کیونکہ اس کے پاس وقت ہوتا ہے بچے کے لیے۔ ماڈرن ماں کے دنیا کیوں خلاف ہے؟ اس لیے کہ اس نے بھی باپ کی طرح اپنے بچوں پر کبھی وقت صرف نہیں کیا۔ میری ماں کالی، نیلی پیلی، گناہ گار بدکار جیسی بھی تھی، اس نے کئی بار میرا دل جوڑا۔ اس کے پاس میرے لیے وقت تھا۔

ابا: دیکھو بچی ہر بات کو ادا کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو شائستگی کی حدود میں رہ کر بات کی جا سکتی ہے اور ایک بدتمیزی سے گنوار لوگوں کی طرح۔ تم یہاں میرے پاس رہ سکتی ہو آسانی سے، اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے؟

صمد: تم چاہے بڑے ابا کے پاس رہو لیکن میں دو گھروں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔

شازی: اور اس کوٹھی کا کرایہ آپ لیں گے جو رشوت سے بنی ہے۔ اباجی بھی کہا کرتے تھے آپ کو جاننے کے لیے اپنے دوست سے زیادہ اپنے دشمن کو ملنا ضروری ہوتا ہے...... خدا حافظ!

لبنا: کیا بک رہی ہو؟

شازی: حسن ظن کے آئینے میں کبھی اپنی اصلی شکل نظر نہیں آتی۔

لبنا: معاف کیجیے اباجی، میں ابھی آتی ہوں۔

صمد: دیکھ لیا آپ نے یہ تربیت کی ہے آپ کی چہیتی بہو نے۔ یہ حشر کیا ہے اس نے میری سعادت مند اولاد کا۔ یوں بدلے لیے ہیں اس مرنے والی نے مجھ سے۔

(صمد جب آخری جملے بول رہا ہے۔ لبنا جلدی سے شازی کو لے جاتی ہے۔)

(کٹ)

سین 5 کچھ دیر بعد آؤٹ ڈور (پچھواڑے)

(اب ہم مکان کے پچھواڑے جاتے ہیں۔ جمی کے گھٹنوں پر ڈرائنگ کی کاپی ہے۔ کیمرہ جمی کی پشت سے ڈرائنگ کی کاپی دکھاتا ہے۔ اس پر ایک خالی پنجرے کی تصویر بنی ہے۔ جمی ساتھ ساتھ ڈرائنگ بناتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ Transitive verb کی گردان بھی کیے جاتا ہے۔

جمی: I love my mother

Transitive verb

I love

Intransitive verb

(یہ جملے وہ دو تین مرتبہ دہراتا ہے۔ ماہ گل آ کر نچلی سیڑھی پر بیٹھتی ہے)

ماہ گل: کیا پڑھ رہے ہو جمی؟

جمی: گرامر پڑھ رہا ہوں انگریزی کی۔

ماہ گل: ڈرائنگ کی کاپی ہے یہ......

جمی: جی......

ماہ گل: بڑا خوبصورت پنجرہ ہے، پر اسے خالی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ (ڈرتے ڈرتے جمی کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتی ہے) میں تمہارے یہاں ہاتھ رکھ لوں جمی؟

جمی: رکھ لیں جی۔

ماہ گل: اردو پڑھا دوں میں تمہیں۔ سکول میں میری اردو اچھی تھی۔ (کاپی کھول کر) بنگال ٹائیگرز کے متعلق قائداعظم نے کیا کہا تھا؟

جمی: انہوں نے کہا تھا کہ یہ پاکستان کی پہلی فوج ہے۔ جس نے کبھی کسی بیرونی پرچم تلے پریڈ نہیں کی۔

ماہ گل: (جمی کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر) شاباش! (نظریں چرا کر) میں انگریزی بھی پڑھ لیتی ہوں اچھی طرح۔ صرف میرا تلفظ اچھا نہیں......

جمی: ہماری زبان تھوڑی ہے۔ جی جیسا مرضی ہمارا تلفظ ہو۔

ماہ: جمی میں تمہیں۔ جب ہم علیحدہ ہوں، کوئی پاس نہ ہو تو میں تمہیں...... تمہیں میں خدا بخش بلا لیا کروں!

جمی: بلا لیا کریں جی......

(اس وقت ابا آتا ہے)

ابا: سارے فیصلے ہو گئے ہیں۔ ایک یہ آخری فیصلہ رہ گیا ہے۔ (ماہ گل مارے خوف کے بچے سے علیحدہ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جمی سر جھکا کر پڑھنے لگتا ہے)

ابا: شازی...... اور لبنا نے مانگلی جانے سے انکار کر دیا ہے۔ یہاں رہیں گی اکیلی تو آٹے دال کا بھاؤ پتہ چلے گا۔

ماہ گل: انہوں نے ٹھیک ہی سوچا ہے۔ جب دل کسی سے محبت کرے تو اس میں خوبیوں کی اتنی بڑی کان دریافت کر لیتا ہے اور جب اس سے نفرت کرے تو...... تو کیڑے نکالنے کی بہت سی وجوہات نکل جاتی ہیں۔ اگر دل اتنا اندھا اتنا

الزام تراش اور اتنا ڈول جانے والا نہ ہوتا تو طلاق کا لفظ، سوتیلی ماں کا لفظ، بے وفائی، یتیمی اتنے سارے بُرے لفظ کبھی ایجاد نہ ہوتے۔

صمد: اچھا اچھا اس فلسفے کی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت جو بات تم کو اپنے ذہن نشین کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ میرے بچے ہیں۔ مجھے جان سے عزیز ہیں۔ ان کے مفاد کے لیے تمہیں ہر قسم کی قربانی دینی ہوگی۔

ماہ گل: جی۔

صمد: تابش میں تمام برائیوں کے باوجود قربانی کا مادہ بہت تھا۔ چاہے اس نے کم عقلی کی باتیں سوچیں، لیکن اس کا جذبہ درست تھا۔ تمہیں قدم قدم پر تابش کی مثال سامنے رکھنا ہوگی۔ اس کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔

ماہ گل: میں کوشش کروں گی جی۔

صمد: دل سے یہ خیال نکال دینا کہ تم امیر آدمی کی بیوی ہو۔ ہمیں از سر نو زندگی شروع کرنی ہے اور اپنے ہاتھوں بنانی ہے مانگلی میں۔ الف سے......

ماہ گل: انشاءاللہ جی۔

صمد: اور دیکھو میاں صاحبزادے تم باقاعدگی سے سکول جانا اور بہنوں کی عزت کرنا۔

جمی: (گھبرا کر) آپ کہاں جا رہے ہیں؟

صمد: ہم مانگلی جا رہے ہیں۔ وہاں صرف میٹرک تک سکول ہے۔ تم یہاں رہو گے، بڑے ابا کے پاس۔

(جمی بھاگ کر ماہ گل سے لپٹ جاتا ہے)

جمی: میں آپ کے ساتھ جاؤں گا چھوٹی امی...... میں آپ کے ساتھ رہوں گا چھوٹی امی...... مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ جائیں۔

ماہ گل: (آنکھیں بند کر کے) خدا بخش...... خدا بخش۔

(کیمرہ ان سب کو چھوڑ کر سیڑھی پر جاتا ہے جہاں خالی پنجرہ پڑا ہے)

--------O--------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 12

کردار

لبنا:

شازی:

فرید:

اور

اللہ رکھی:

سین 1 | دن کا وقت | ان ڈور (تابش کا کمرہ)

(اس بار ہم تابش کا وہی کمرہ دکھاتے ہیں جس میں وہ پچھلے سے پچھلے سکرپٹ میں فوت ہوئی تھی۔ اس کے ڈبل بیڈ کے گرد اسی طرح کالی جالی گی ہوئی ہے۔ کمرے میں تپائی پر خوبصورت بڑا لیمپ پڑا ہے۔ اس کے پاس ہی ایک فریم پڑا ہے۔ یہ فریم دوہرا ہونا چاہیے اور اس میں ایک طرف تابش کی تصویر ہے اور دوسری طرف ابا کی تصویر فریم میں جڑی ہے۔

پلنگ کے پاس شازی کی وہیل چیئر پڑی ہے اور وہ گم صم اس تصویر کو تکے جا رہی ہے۔ تصویر کو .C.U میں رکھ کر شازی کو .C.U میں دکھاتے ہیں تاکہ اس کا ردعمل واضح ہو سکے۔ شازی کے چہرے پر حقارت کے آثار ہیں۔ وہ فریم پکڑتی ہے۔ باپ کی تصویر فریم سے نکال کر دراز میں دھر دیتی ہے۔ اس وقت اللہ رکھی فیڈان ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ریڈیو ہے۔)

رکھی: آج میں بہت خوش ہوں بی بی۔ آپ جیسا ریڈیو میں نے بھی خرید لیا ہے۔ اب بی بی میں اپنے گاؤں جاؤں گی اور غلام رسول کو یہ ریڈیو دوں گی۔

شازی: پوری ہوگئی تمہاری خواہش؟

رکھی: کوئی ایک دن کی خواہش تھی شازی بی بی۔ جب سے میرے دیور نے ریڈیو خریدا ہے، تب سے خواہش تھی میری تو۔

شازی: خدا سب کو ایسی خواہشات دے جو دولت سے پوری ہو سکیں۔ ایسی خواہش تک انسان کم از کم پہنچ تو سکتا ہے ناں۔

رنگی: میری دیورانی عجیب عورت ہے۔ ویسے اتنا اونچا ریڈیو لگاتی ہے کہ سویا ہوا آدمی جاگ جائے۔ پر جو غلام رسول جا کھڑا ہو تو فٹ بند کر دیتی ہے۔ فوراً کہہ دیتی ہے جا کا کا جا...... آج ہمارا ریڈیو خراب ہے۔ اب جب میں لے کر گئی ناں یہ ریڈیو تو جل ہی جائے گی میری دیورانی۔

شازی: رنگی...... تمہیں تاج دین سے کتنی محبت تھی؟

رنگی: یہ آپ اور لبنا بی بی مجھ سے بار بار کیوں پوچھتی ہیں، کتنی محبت تھی مجھے تاج دین سے؟

شازی: اس لیے کہ جب سے وہ حوالات میں ہے اور تم اس کا نام اتنے شوق سے کبھی نہیں لیتیں۔

رنگی: تاج دین ایسا آدمی نہیں تھا جس پر آنسو ضائع کیے جائیں۔ میں نے آنسو ضائع بہت کیے پر اس کے جیل جانے سے پہلے۔

شازی: تمہیں یاد نہیں آتا؟

رنگی: کتا بھی دو دن دہلیز کے سامنے بیٹھ کر اٹھ جائے تو یاد آتا ہے۔ وہ تو تاج دین ہے۔ کھیتوں میں چل کر گھر آیا کرتا تو اپنے صاحب جی کی گاڑی سے بھی خوبصورت لگتا تھا۔

شازی: لیکن رنگی وجہ کیا ہوئی؟ تاج دین گیا کیوں جیل خانے؟

رنگی: کچھ مرد بی بی مرد نہیں ہوتے، مرغے ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ارد گرد کی تمام عورتوں کے مالک وہ ہیں۔ پھر جب ان عورتوں کے مالک آگے بڑھتے ہیں تو لڑائی بھڑائی ہوتی ہے، سر پھٹتے ہیں ناں۔ کوئی نہ کوئی جیل جاتا ہی ہے۔

شازی: تم نے کبھی منع نہیں کیا تھا تاج دین کو ایسی حرکتوں سے؟

رنگی: کسی کو کسی کی حرکت سے روکنا نہیں چاہیے۔ ایک دو دفعہ نیک نیتی سے بتا دو بی بی کہ یہ اس طرح ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے۔ نہ سمجھے تو زمانہ سمجھا دیتا ہے۔ وقت بتا دیتا ہے۔

شازی: بڑا حوصلہ ہے تم میں۔

رنگی: ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ [illegible] صاحب نے ایک بات ضرور کہی، جھوٹ نہ بولو۔ کسی کا دل نہ توڑو۔ دولت اکٹھی نہ کرو۔ دوسرے کی مدد کرو۔

ساری باتیں کہی ہیں ہمارے سرتاج پیغمبرؐ نے۔ بولو کہی ہیں کہ نہیں کہیں؟

شازی: کہی ہیں۔

رنگی: پھر کوئی مانا ہے آج تک۔ میں کوئی ان سے بہتر طریقے سے کہہ سکوں گی یہ سارا کچھ۔ جو ان کی بات نہیں مانتا تھا، میری بات مان جاتا؟ ہے نا بھولی باتیں۔ (جاتی ہے پھر لوٹتی ہے) آپ اس کمرے میں کیوں آ جاتی ہیں؟

شازی: اس کمرے سے مجھے خوشبو آتی ہے امی کی۔ لبنا باجی نے اس بستر کی چادریں بدلنا چاہیں۔ تکیے کے غلاف تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ کتنا جھگڑا کیا ہے میں نے ان سے۔

رنگی: اب آ جاؤ بی بی۔ میں لے چلوں آپ کو۔

شازی: میں آ جاؤں گی تھوڑی دیر میں۔ مجھے بڑا سکون ملتا ہے یہاں۔

رنگی: اچھا پھر غلام رسول کا ریڈیو سنیں۔ آپ کا غصہ برا ہے شازی بی بی۔ پکڑ کے ریڈیو ہی توڑ دیا اپنا۔ تمہاری امی اللہ کا مال تھا۔ کوئی تمہارا مال تھوڑی تھا۔ خوامخواہ اللہ کا غصہ ریڈیو پر نکالا۔ سنو ریڈیو اور خوش رہو بی بی۔ آپ کی ماں جنت میں بڑی خوش ہوگی آپ کی خوشی دیکھ کر (ریڈیو لگاتی ہے۔ ریڈیو پر یہ غزل آتی ہے)

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے
جس گدا کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

یہی شعر دو مرتبہ گایا جاتا ہے۔ شازی اس دوران امی کے تکیے پر ہاتھ پھیرتی ہے۔ پھر دراز کھول کر اس میں سے پستول نکالتی ہے اور اسے چومتی ہے۔ اس سے ظاہر ہونا چاہیے کہ وہ مرجانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس وقت لبنا آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں آڑو یا بادام کی ڈالیاں ہیں۔ وہ اندر آتی ہے)

لبنا: کتنی دفعہ کہا ہے شازی (شازی جلدی سے پستول چھپا لیتی ہے) یہاں مت آیا کرو اکیلی۔ (ریڈیو بند کرتی ہے)

شازی: کہاں مت آیا کروں اکیلی؟

لبنا: یہاں اس کمرے میں۔

شازی: (ہنس کر) یہاں آ کر تو میں یہ بھول جاتی ہوں کہ امی فوت ہو چکی ہیں۔ مجھے

یہاں (لمبا سانس لے کر) عجیب قسم کی مہک آتی ہے۔ امی کی خوشبو سارے کمرے میں پھیلی ہے۔

لبنیٰ: (بڑے گلدان سے پھول نکال کر اس میں شگوفوں کی ڈالیاں لگاتی ہے) آڑو کے درخت کو کتنے خوبصورت شگوفے نکل آئے ہیں۔ باہر تم نے دیکھا شازی؟

شازی: کل دیکھا تھا کھڑکی میں سے۔

لبنیٰ: سردیوں میں یہ درخت کتنا اجاڑ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ پھر کبھی اس کا شمار زندہ درختوں میں نہ ہوگا...... ہے نا؟

شازی: (لب کاٹ کر) آپ بڑی خوش قسمت ہیں۔ آپ کو سمجھوتہ کرنا آتا ہے۔ آپ کی شرائط پر سمجھوتہ ہو جائے یا غیر مشروط سمجھوتہ ہو جائے، آپ قبول کر لیتی ہیں دل سے۔ میں تو جھکنے کے بجائے ٹوٹ جاتی ہوں باجی...... ٹوٹ جاتی ہوں۔ ساری کی ساری، کڑک دو ٹکڑے۔

لبنیٰ: آڑو کے ٹنڈ منڈ درخت کو دیکھ کر سردیوں میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اب اس پر کبھی رحمت کا نزول نہ ہوگا۔ اس کی بدصورتی کو ڈھانپنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور پھر...... اس کی سوکھی ڈالیوں میں کتنے خوش رنگ شگوفے نکل آتے ہیں۔ جہاں ہر سال فطرت امید کا سبق سکھاتی ہے، وہاں مایوس ہو جانا واقعی گناہ ہے شازی۔

شازی: کبھی آپ نے کوئی ٹوٹا ہوا رہٹ دیکھا ہے؟ پانی کنوئیں میں ہوتا ہے۔ پر باہر نکل نہیں سکتا۔ میرے اندر بھی ایک ایسے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے۔ پر اس کے نکاس کی ہر صورت ٹوٹ گئی ہے۔ امی کے ساتھ......

لبنیٰ: (شازی کے پاس آ کر) ایک بات بتاؤں تمہیں؟

شازی: بتایئے ضرور بتایئے...... کوئی ایسی بات بتایئے کہ مجھے احساس ہو، میں کسی کے لیے ضروری ہوں۔ مجھے زندہ رہنے کا جواز ملے۔ جس سے مجھے اپنی اہمیت کا احساس ہو۔ مجھے کسی جھوٹی محبت کا فریب دیجیے۔ مجھے اس مایوسی، اس قنوطیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکالیے...... میں اب اپنے آپ سے کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔

لبنیٰ: جب اندھیری [illegible] ہو جاتی ہے تو چاند ضرور نکلتا ہے۔ جب

آدمی کے اندر بے چینی بہت بڑھ جاتی ہے تو محبت کی خواب آور گولی کوئی نہ کوئی ضرور پیش کرتا ہے اور پھر آدمی اپنے آپ کو بالکل بھول جاتا ہے۔

شازی: آپ...... آپ مجھے کچھ بتانا چاہتی تھیں؟

لبنیٰ: مجھے یوں لگتا ہے (نیچے بیٹھ جاتی ہے) مجھے بہت پہلے تمہیں یہ بات بتانا چاہیے تھی۔ مجھے اپنی خوشی میں تمہیں اس سے پہلے شامل کرنا چاہیے تھا۔

شازی: اس گھر میں خوشی کا لفظ سن کر کچھ تعجب سا ہوتا ہے۔

لبنیٰ: میں نے امید وبیم کے درمیان اس طرح وقت کاٹا ہے کہ...... جیسے کوئی بجرا سمندر کی طوفانی لہروں میں گھرا ہو۔ ابھی ڈوب گیا اور اب پھر اُبھر آیا۔

شازی: آپ ایسی طوفانی کیفیتوں سے گذر رہی ہیں اور آپ نے کبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ کیا گلہ کریں آپ سے۔

لبنیٰ: کچھ بتانے کو ہوتا، کچھ کہنے کو ہوتا تو کہتی۔

شازی: آپ کو محبت ہوگئی ہے کسی سے؟

لبنیٰ: ایسی محبت جو...... جو اس کے سائے پر بھی رشک کرتی ہے جو اس کے ساتھ رہتا ہے۔ ایسی محبت جو اس کی پلکوں سے حسد کرتی ہے کہ اس کی آنکھوں پر چھاؤں کیے رہتی ہیں۔ ایسی محبت جو متعدی بیماری کی طرح لگتی ہے اور جس سے آدمی اسی وقت شفایاب ہوتا ہے جب وہ مرجاتا ہے۔

(دروازے پر دستک)

فرید: May I come in please

(دروازے کے پٹ کو ذرا سا کھول کر)

لبنیٰ: آیئے آیئے......

(فرید آتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں خاص نمبر کی شکل وصورت کا رسالہ ہے۔)

فرید: یہ آپ لوگ سارا گھر چھوڑ کر یہاں کیوں آ بیٹھی ہیں؟

لبنیٰ: مجھ سے پوچھا آپ نے؟

شازی: مجھ سے پوچھا آپ نے؟

فرید: دیکھیے مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ میں Outsider ہوں' لیکن یہ جس طرح آپ دونوں اس گھر کو Nunnery بنا رہی ہیں۔ یہ بڑی Unhealthy بات ہے۔

شازی: یہ کوئی اپنے اختیار کی بات نہیں ہوتی۔

فرید: میں جانتا ہوں آپ دونوں کو اچانک بہت کچھ Face کرنا پڑا۔ آپ بڑے مشکل حالات سے گذر رہی ہیں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بیٹھ جاؤں یہاں مجھے ذرا چکر سے آ رہے ہیں۔

لبنیٰ: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟
شازی: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

فرید: بس جی یہ تبدیلی نے بوکھلا رکھا ہے، وقت کم ہے اور چارج لینے والا آفیسر آیا نہیں ابھی۔ آفس میں بڑی گڑ بڑ ہے۔

لبنیٰ: آپ کب تک چلے جائیں گے فرید صاحب؟

فرید: اگلے منگل تک۔ ڈھاکے میں Join کرنا ہے مجھے بدھ کے روز۔ بڑا تھوڑا وقت رہ گیا ہے میرے پاس۔

لبنیٰ: تو پھر آپ بھی ساتھ چھوڑ رہے ہیں ہمارا؟
شازی: تو پھر آپ بھی ساتھ چھوڑ رہے ہیں ہمارا؟

(حیران ہو کر دونوں بہنیں ایک دوسری کو تکتی ہیں)

فرید: میرا خیال ہے آپ کو اختر کو بلا لینا چاہیے واپس۔

شازی: اسے تو بڑی اچھی نوکری مل گئی ہے کراچی میں، وہ کیوں آئے گا اب؟

لبنیٰ: چلو کوئی بات نہیں شازی۔ اس کی زندگی بن جائے یہی کافی ہے۔

فرید: (موضوع بدلنے کے انداز میں) یہ میں آپ کا ناول پڑھ رہا تھا بلکہ میں تو آپ سے ایک دو باتیں Discuss کرنے آیا تھا۔

شازی: کون سا ناول؟

فرید: یہی ان کا ناول "لگن اپنی اپنی"..... قسط وار چھپ رہا ہے۔ "Engrossing Wonderful."

شازی: آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں باجی۔

فرید: اگر آپ برا نہ مانیں تو میں..... میں اپنی صاف صاف رائے بیان کروں۔ مجھے دو ایک Objections ہیں۔

(اب شازی اس گفتگو سے جو ہونے والی ہے، بچھی جاتی ہے۔ وہ گلدانوں والی ڈالی سے آہستہ آہستہ کلیاں توڑتی اور انہیں پنکھڑی پنکھڑی کرتی رہتی ہے۔)

لبنیٰ: جی ضرور.....

فرید: آپ نے اس میں ماں کو رشوت لیتے ہوئے دکھایا ہے۔

لبنیٰ: جی ہاں۔

فرید: Well and Good آپ نے اس پر اچھی طرح توجہ نہیں دی۔ دیکھیے میرا مطلب ہے کہ جب وہ رشوت لیتی ہے تو رائٹر کو اس کیل کو اچھی طرح گاڑنا چاہیے تفصیل کے ساتھ۔

لبنیٰ: بدی کی طرف زیادہ اشارے کیے جائیں تو وہ اصلاح کی جگہ کئی بار ترغیب میں بدل جاتے ہیں۔ اگر یہ دکھاتی کہ وہ کیسے یہ رشوت لیتی تھی۔ پھر اس کا کیا استعمال کرتی تھی اور اس رشوت کی آمد و رفت کا سارا منظر کھینچتی تو بہت ممکن ہے کہ رشوت ایک خوبصورت فعل بن جاتا ہے بالآخر.....

فرید: خیر آپ کی اس منطق سے میں Agree نہیں کرتا۔ آپ نے معاشرے کی ایک خرابی کو پکڑ لیا تھا جال پھینک دیا تھا مچھلی کو پکڑنے کو پھر جانے کیوں دیا' تالاب گندہ کرنے کے لیے.....

شازی: باجی! بھیا جی کا خط نہیں آیا کئی دن۔

لبنیٰ: (Beida) بیڈا سے واپس نہیں آئے ہوں گے ابھی.....

فرید: معاف کیجیے..... اور یہ دوسری بات بہت کھلتی ہے آپ کے ناول میں.....

لبنیٰ: جی فرمائیے۔

فرید: اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ پیراگراف پڑھ دوں تاکہ اس پر بحث کی جا سکے؟

لبنیٰ: ضرور.....

فرید: خاندان کی بقاء اسی میں ہے کہ افراد اپنی اپنی راہ پر خاندان کو بھول کر نہ روانہ ہو جائیں۔ ملک اور معاشرے کی سالمیت اسی میں ہے کہ مختلف نظریوں کے حامی گروہ اپنی اپنی خود غرضی کی راہوں کو مدنظر رکھ کر اپنی اپنی راہ پر نہ چلے جائیں۔ (یہ پیرا پڑھنے کے انداز میں پھر) یہ بات تو ٹھیک ہے کہ خاندان اور معاشرہ ایک ہی چیز ہے۔ ایک بڑا یونٹ ہے اور ایک چھوٹا یونٹ ہے لیکن چیز ایک ہی ہے۔

شازی: امی کو مرے کتنا عرصہ ہو چلا ہے باجی؟

(اس بات کا وہ دونوں جواب نہیں دیتے)

لبنا: مشکل کیا ہے؟

فرید: مشکل یہ ہے کہ آپ نے سارے ناول میں خاندان کی بقاء پر زور دیا ہے۔ ایسے پہلو دکھائے ہیں جن سے انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ میں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا خاندان کی بقاء ایسی ہی ضروری ہے؟ کیا آپ فرد کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔

لبنا: معاشرہ فرد کی ہی تو حفاظت کرتا ہے۔

فرید: ٹھیک..... لیکن اگر معاشرہ کو ہمیشہ اپنی بقاء کی فکر پڑی رہے تو ایسے معاشرہ میں کبھی کسی فرد کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ Individual کے لیے معاشرہ پھندا ہے، پھانسی ہے اور تعجب یہ ہے کہ ہمیشہ ان ہی لوگوں نے معاشرہ کی بھلائی چاہی جنہیں اس معاشرے نے دار پر کھینچا۔

لبنا: آپ غلط بحث کر رہے ہیں فرید صاحب۔ میں ان افراد کی بات نہیں کرتی۔ اپنے ناول میں جو محسنِ انسانیت ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذکر ہے میرے ناول میں جنہوں نے اپنی رائے کو صائب سمجھا۔ اپنی خواہشات کا پرچم لہرایا۔ یوں سمجھ لیجیے جیسے ڈھاکہ، لاہور، کراچی اپنی اپنی مرضی چاہیں اور باقی ملک کو پسماندہ حالات میں چھوڑ کر اپنی اپنی چین کی بنسی بجانے لگیں۔

فرید: قد آور انسان کے لیے معاشرہ موت ہے۔ بڑے شہروں کے لیے مفلوک الحال گاؤں، پسماندہ علاقہ موت ہے۔

لبنا: معاشرہ ایسے اصول مرتب کرتا ہے کہ اس کے کمزور ترین فرد کے حقوق کا تحفظ ہو

سکے۔ معاشرے کا انصاف اس آدمی کو مدنظر رکھ کر مرتب نہیں کیا جاتا جو بہادر ہے، قد آور ہے بلکہ ایسے مفلوک الحال شہری کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے جس کے گھر کے آگے دروازے کی جگہ ٹاٹ کا پردہ لٹکا ہوتا ہے۔

فرید: یعنی معاشرہ شاہین بچوں کے پر اس لیے کتر دیتا ہے تاکہ وہ چڑیوں کے ساتھ دانہ دنکا کھا سکیں۔ ناانصافی، ناانصافی، توبہ۔

لبنا: اگر معاشرے میں شاہین کی قوتِ پرواز کو مدنظر رکھ کر اصول بنائے جائیں تو ایک چڑیا بھی باقی نہ رہے۔

فرید: پھر تو ہمارا بنیادی اختلاف نکل آیا..... آپ معاشرے کی سالمیت کی داعی ہیں اور میں فرد کی آزادی کا.....

لبنا: معاشرہ، ملک اور گھر..... ان کا تحفظ بڑا ضروری ہے..... فرد کی بقاء کے لیے فرد کی آزادی کے لیے۔

فرید: Completely disagree۔ فرد کی بقاء کا ضامن وہ خود ہے۔ ان چیزوں کے تحفظ میں اگر شخصی آزادی ختم ہو تو چھوڑیئے ان کا تحفظ۔

لبنا: آپ ایک دودھ پیتے بچے کو دودھ کے بغیر زندہ رکھنے کے خواب دیکھ رہے ہیں فرید صاحب، یہ خواب بڑا خطرناک ہے آپ کا..... انسان ضرورتوں کا پتلا ہے۔ (اس وقت رنگھی آتی ہے) لوگ مل جل کر رہیں اکٹھے رہیں تو یہ ضرورتیں آسانی سے پوری ہوتی ہیں۔

رنگھی: آپ کو بی بی جی بڑے میاں جی بلا رہے ہیں۔

لبنا:]
شازی:] مجھے؟

رنگھی: لبنا باجی کو۔

فرید: اچھا جی باقی بحث پھر ہوگی۔

لبنا: ضرور..... یہ یاد رکھیے فرید صاحب کہ مکمل آزادی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی دوسروں کی آزادی کو بھی اسی قدر ضروری سمجھتا ہے جس قدر وہ

محبت کرتا ہے۔ میں ابھی آئی...... صرف اپنی آزادی چاہنے والے عموماً دوسروں
کی آزادی سلب کرلیا کرتے ہیں۔
(لبنا یہ کہہ کر چلی جاتی ہیں)

فرید: لبنا بڑی ذہین ہیں۔

شازی: امی بھی یہی سمجھتی ہیں۔

فرید: ان سے گفتگو کرکے ایک لمحے کے لیے احساس نہیں ہوتا کہ آدمی کسی لڑکی سے
Oposite sex سے بات کر رہا ہے، میں آپ کو لے چلوں؟

شازی: فرید صاحب...... یہ پہلی بار ہے کہ میں نے امی کے پلنگ پر کسی کو بیٹھنے کی
اجازت دی ہے۔ (فرید یکدم اٹھ جاتا ہے)

فرید: I am sorry
(فرید شازی کی گاڑی چلاتا ہے۔ پستول گرتی ہے۔ چند ثانئے خاموش رہتی
ہے۔ پھر فرید پستول اٹھاتا ہے۔)

فرید: یہ...... یہ آپ کے پاس کیوں تھی؟

شازی: ایسے ہی...... بس امی کے دراز میں سے نکالی تھی۔ (پستول دیکھ کر)

فرید: یہ تو Loaded ہے......

شازی: ہوگی...... مجھے تو معلوم نہیں کہ......

فرید: آپ کیا سوچتی رہتی ہیں؟

شازی: باجی...... ہم دونوں میں سے بڑی خوش قسمت ہیں۔ امی ہمیشہ انہیں زیادہ ذہین سمجھتی
تھیں۔ بھیا جی باجی کو بہت Admire کرتے تھے۔ پہلے میں اس بات سے جلا
کرتی تھی۔ باجی کے Complexion سے باجی کی ذہانت سے باجی کی گفتگو سے
...... آج جب انہوں نے مجھ سے ذکر کیا اپنی محبت کا...... تو مجھے بڑا ترس آیا باجی پر۔

فرید: محبت کا؟ انہیں؟ کمال ہے۔ کبھی مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ یہ بھی محبت کرسکتی
ہیں کسی سے

شازی: کیوں؟

فرید: دراصل کبھی سوچا ہی نہیں میں نے ان کے متعلق اس طرح۔ شاید یہ میری
Callousness ہو۔ عموماً بہت رحم دل آدمی بہت ظالم بھی ہوا کرتا ہے۔

شازی: کیا مطلب؟

فرید: اب ایک اچھی بھلی خاتون کے متعلق یہ سن کر ہنسی سی آرہی ہے کہ انہیں کسی سے
محبت ہے؟

شازی: آپ کے منہ سے یہ بات سن کر مجھے عجیب سی خوشی ہوئی۔

فرید: خوشی؟

شازی: مجھے کچھ وہم سا ہو چلا تھا کہ آپ...... اور باجی......

فرید: میں اور باجی...... (ہنستا ہے) میں اور باجی...... (پھر اور زور سے ہنستا ہے) حد
ہوگئی میں اور باجی...... لوگ ادیبوں کے خیالات سے محبت کیا کرتے ہیں
ادیبوں سے نہیں۔ جو احمق ادیبوں کے خیالات کو ان کی شخصیت میں تلاش
کرتے ہیں۔ ان کا دھوبی پڑا ہو جاتا ہے یکدم Flat۔ کسی ادیب کی طرف دیکھ
لو...... کسی نے کبھی محبت کی ہے ان سے؟ یہ غریب تو کاغذوں پر ہی گل وگلزار
کھلانے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی زندگی تو شورزدہ زمین ہوتی ہے۔

شازی: ایک بُرا سا خیال ہے۔ کہہ دوں؟

فرید: ضرور کہیئے۔ برا خیال کابلی بھڑ کی طرح ہوتا ہے۔ اگر اسے کمرے سے باہر نہ
نکال دیں تو یہ آپ کو کاٹ لیتا ہے۔

شازی: اگر آپ...... جو کہیں آپ کہتے کہ آپ کو باجی میں دلچسپی ہے تو...... تو میری وہ
نفرت لوٹ آتی جو میں باجی سے کرتی تھی کبھی...... اندر ہی اندر......

فرید: آپ کو باجی اچھی نہیں لگتی اپنی۔

شازی: ایک وقت تھا ایسا مجھ پر جب امی زندہ تھیں...... جب کبھی امی باجی کی تعریف کرتی
تھیں تو پھر مجھے یونہی ہلکی سی...... بالکل لمحاتی سی نفرت ہو جاتی تھی باجی سے۔

فرید: بلاوجہ؟

شازی: بالکل بلاوجہ بلکہ بعد میں شرم آتی تھی اپنی اس نفرت سے۔

فرید: ایک بات کہوں آپ سے۔

شازی: ضرور۔

فرید: میرا دل کہتا ہے کہ آپ کہیں اندر بہت ظالم ہیں اور میرا دل یہ بھی چاہتا ہے کہ آپ کبھی تبدیل نہ ہوں۔

شازی: امی بھی یہی کہا کرتی تھیں (ماں کی طرح) شازی! تو بڑی ظالم ہے۔ کبھی معاف بھی کر دیا کر کسی کو۔ (سر جھکا کر) مجھے تو کہیں موت مل جائے تو میں اسے ایک لاکھ بار زندہ کروں اور دس لاکھ بار تڑ سا تڑ سا کر ماروں۔ تھوڑا تھوڑا پانی پلا کر کلی سونگھا کر ہوش میں لاؤں اور میخیں ٹھونک ٹھونک کر بلیڈ سے کتر کتر کر موت کے گھاٹ اتاروں۔ کچھ (منہ چھپا لیتی ہے) میری محبت کا فائدہ ہوا امی کو؟ (فرید شازی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) بتایئے۔

فرید: کسی کی محبت کا کسی کو اور فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ شازی محبت تو صرف اپنے وجود کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ یہ تو اپنے وجود کو بھول جانے کا دوسرا نام ہے۔ دنیا جہاں کی مشکلات پر دھنک کے نکل آنے کا نام ہے محبت۔

شازی: آپ، کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

فرید: میں آپ کو ڈھا کے لے جانا چاہتا ہوں اپنے ساتھ۔

شازی: (ٹانگوں کی طرف دیکھ کر) اس حالت میں؟ یوں؟

فرید: کیوں اس حالت کو کیا ہے؟

شازی: میں۔ میں آپ کو اپنی معذوری سے نہیں باندھ سکتی۔ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ کیا میں اتنا بھی Visualize نہیں کر سکتی کہ اگر دو چار سال اور میں اس کرسی پر بیٹھی رہی تو میرا کیا انجام ہوگا۔ کیا میں اتنا بھی نہیں دیکھ سکتی کہ جب دو آدمیوں کا بوجھ ایک آدمی اٹھاتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔

فرید: کیا ہوتا ہے؟

شازی: وہ اکیلا بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کی کمر بھی ٹوٹ جاتی ہے۔

فرید: آپ شاید خدا کی رحمت سے مکمل طور پر مایوس ہو چکی ہیں؟

شازی: نہیں فرید صاحب، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں باجی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ یہ ظلم ہے، جب تک ان کا کچھ فیصلہ نہ ہو جائے۔

فرید: وہ افسانہ نویس ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے کرداروں میں گھری رہتی ہیں۔ انہیں آپ کی کیا ضرورت ہے؟

شازی: آپ...... آپ...... دیکھیے...... فرید صاحب سوچ لیجیے آپ...... ہمارے خاندان میں ایسی بات کبھی ہوئی نہیں کہ......

فرید: میں نے تو اس وقت سے یہ سوچ رکھا ہے۔ جب عابدہ فوت ہوئی تھی۔ مجھے سیدھے اور اونچے درخت سے محبت ہے جو سربلندی سے دن گذارتا ہے اور درختوں کے باقی جھنڈ میں الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ میں فرد سے محبت کرتا ہوں، خاندان سے نہیں۔ آپ کے خاندان کی روایات جو بھی رہیں، ضروری نہیں کہ میں ان سے اتفاق بھی کروں۔

شازی: لیکن باجی...... ابا جی...... بڑے ابا...... سب لوگ یہ سب کیا کہیں گے؟

فرید: ابا مانگلی میں ہیں۔ بڑے ابا اپنے میں مگن رہتے ہیں۔ باجی کم گو، کاغذوں سے پیار کرنے والی ہیں۔

شازی: لیکن اتنی...... تھوڑی دیر میں...... کیا کہہ رہے ہیں آپ...... آپ مجھ پر ترس کھاتے ہیں۔ آپ کو مجھ سے ہمدردی ہوگئی ہے۔

فرید: ایسی کوئی بات نہیں شازی۔ بہت دیر میں نے اپنے جذبات کی تشریح میں صرف کر دیے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہمدردی اور محبت میں کیا فرق ہے؟ آپ ٹھیک ہو جائیں تو بہتر...... نہ ہوں اور ساری عمر یونہی رہیں تو بھی مجھے فکر نہیں۔ میرے لیے آپ کا زندہ ہونا ہی کافی بڑا معجزہ ہے۔ بہت بڑی (رکھی آتی ہے) نعمت ہے۔

رکھی: یہ ریڈیو میں لے جاؤں بی بی۔ یہ تو مجھے پتہ ہی ہے بڑے ابا جھگڑیں گے، پر میں ذرا انہیں دکھا دوں۔

شازی: لے جاؤ رکھی۔

رکھی: یہ آپ دونوں نے منہ کیوں بنا رکھا ہے۔ اس کمرے میں مت آیا کرو شازی

بی بی۔ اب یہاں کوئی تمہاری ماں تو بیٹھی نہیں کہ اس کو ساری باتیں سنانے آجاتی ہو۔ بھائی ہم تو سب کے بھلے کی سوچتے ہیں۔

(ریڈیو لے کر چلی جاتی ہے)

شازی: آپ غلطی کر رہے ہیں۔ آپ کو پچھتانا پڑے گا۔

فرید: فیصلہ اپنا ہونا چاہیے۔ پھر اگر پچھتانا بھی پڑے تو کوئی غم نہیں۔

(لبنا آتی ہے۔ اس نے بالوں میں ایک بڑا سا پھول لگا رکھا ہے۔ ہنستی آتی ہے)

لبنا: لیجیے۔ بڑے ابا سے بھی بحث ہو گئی۔ پوچھنے لگے بتا بیٹی ہمارے ملک کا کیا بنے گا؟ کیا سوچ رہے ہیں ہمارے لیڈر؟ میں نے جواب دیا، بڑے ابا جو ملک والے اس کا بنا دیں گے۔ کہنے لگے، کیا بات ہے شازی؟

فرید: مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

لبنا: جی فرمایئے......

(فرید اسے شازی سے دور لے جاتا ہے لیکن شازی عقب میں بیٹھی نظر آتی رہتی ہے)

فرید: ذرا ادھر آیئے۔

لبنا: فرمایئے۔ (دونوں پرے ہو جاتے ہیں)

فرید: آپ......یوں بات کرنے پر برا تو نہیں مانیں گی۔ میں بڑی Liberty لینے لگا ہوں۔

لبنا: کہیے (امید کے ساتھ)

فرید: بڑی دیرینہ آرزو کا اظہار ہے۔ عرصے سے کرنا چاہتا تھا، پر یہاں اس گھر کا ہی جیسے تختہ الٹ گیا، وہ بات ہی نہ رہی پہلی سی۔ دراصل جب وہ عابدہ فوت ہوئی ہے ناں تبھی میرا ارادہ تھا آپ سے کہنے کا۔

لبنا: جو کچھ فرید صاحب کہنا ہے جلدی کہیے اور تمہید کے بغیر کہیے خدا کے لیے۔

فرید: دراصل میں ڈرتا ہوں کہ آپ ٹھہریں بڑی ادیبہ، آپ کا کوئی خاص معیار، شرافت کا، حسن کا، انسانیت کا......آپ......کے معیار پر شاید میں پورا نہ اتروں

اور آپ انکار کر دیں۔

لبنا: فرید۔ پلیز میری طرف اس طرح نہ دیکھیے۔ میں اگر ایک بار ذمہ داری اٹھا لوں تو پھر عمر بھر......

فرید: آپ کچھ مجھے Encourage تو کیجیے۔

لبنا: (فرید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) کس طرح تمہیں یقین دلاؤں کہ مجھے تم پر کس قدر اعتماد ہے؟

فرید: بس اسی جملے کا انتظار تھا مجھے۔ شازی (آواز دے کر) شازی۔ اب باجی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ میدان مار لیا میں نے۔

لبنا: جی؟

(فرید بولتا بولتا شازی کی کرسی تک لوٹتا ہے اور شازی کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے)

فرید: میں شازی کو ڈھاکہ ساتھ لے جانا چاہتا ہوں اپنے ساتھ۔

لبنا: (پاس آ کر ڈگمگاتے ہوئے) اتنی جلدی؟

شازی: یہی میں بھی کہہ رہی ہوں باجی۔

لبنا: نہ ابا یہاں ہیں نہ بھیا جی......نہ

فرید: پلیز باجی آپ ہمارا ساتھ دیں تو میں یہ ساری مشکلات حل کر لوں گا۔ آپ فکر نہ کریں، یہ تو چھوٹی چھوٹی ایسے ہی فروعی باتیں ہیں۔

لبنا: (شازی کا ماتھا چوم کر) میں تو ہمیشہ شازی کے ساتھ ہوں۔

شازی: آپ چلیں فرید، میں ابھی آتی ہوں......

فرید: (شکریے کے انداز میں جھکتے ہوئے) آپ نہ صرف ایک عظیم ادیبہ ہیں بلکہ ایک Great عورت بھی ہیں۔ اگر آپ جیسے لوگ گھروں میں موجود ہوں تو گھر کبھی نہیں ٹوٹتے...... شکریہ (چلا جاتا ہے) باقی بحث شام کے کھانے پر۔

شازی: باجی......!

لبنا: کہو......؟

شازی: میں نے آپ کو اپنی خوشی میں شامل کرلیا ہے۔ اب آپ بھی پلیز مجھے بتا دیں وہ کون سا خوش نصیب ہے؟

لبنیٰ: ہے ایک ترک غمزہ زن۔

شازی: پھر بھی کون؟ آپ مجھے اپنا راز نہیں بتائیں گی؟

لبنیٰ: تمہیں بتاؤں شازی محبت کب کی جاتی ہے، کس سے کی جاتی ہے؟ سردیوں کی لمبی راتوں میں جب پیڑ ٹھٹھر ٹھٹھر کر دعائیں کرتے ہیں تو بہار آتی ہے۔ جب انسان انجانی کہر میں ادھ موا ہو جاتا ہے تو اسے محبت اپنے گرم وجود سے لپیٹ لیتی ہے۔ میرے لیے ابھی جاڑے کا موسم ختم نہیں ہوا۔

شازی: کیا کہہ رہی ہیں آپ؟

لبنیٰ: ہم لوگ۔ ہم لکھنے والے کبھی کسی انسان سے محبت نہیں کرتے۔ ہمارا Ego ہمیشہ ہمارے ذہن کی، ہمارے تخیل کی پیداوار ہوتا ہے۔ اگر ہم لوگ بھی Ideal گوشت پوست کے بنے ہوئے انسانوں کے پیچھے بھاگنے لگیں تو کاغذوں کے محبوب کہاں جائیں؟

(فرید جلدی سے اندر آتا ہے)

فرید: شازی تمہارا Favourite گانا چل رہا ہے ریڈیو پر۔

شازی: کونسا؟

فرید: ”لو ہو گئی پیار کی جیت“۔ میں لے چلوں تمہیں؟

لبنیٰ: لے جائیے اسے۔ آج یہ بڑے دنوں کے بعد مسکرائی ہے۔

(فرید شازی کی گاڑی لے جاتا ہے..... لبنیٰ..... اب ماں کے پلنگ کے تکیے غلاف تبدیل کرتی ہے۔ سیاہ جالی کے پردے پرے کرتی ہے۔ لبنیٰ کو یہ کام خاموشی سے کرنا چاہیے اس کی آواز over lap کرتی ہے۔)

لبنیٰ: تم سمجھتی نہیں ہو جو باتیں بتائی نہیں جاتیں، وہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیا مجھے معلوم نہیں کہ تم نے اتنا بڑا فیصلہ کیوں کیا تھا؟ اپنا گھر، اپنی دولت، اپنے بچے، اپنی محبت کسی کے ساتھ Share کرنا بہت مشکل ہے۔ جتنی زیادہ اپنی

آرزو وحشت جان ہو، اسی قدر اسے سینت کر چھپا کر رکھنا پڑتا ہے۔ پر امی ایک راستہ اور بھی تو تھا..... ایک راستہ اور بھی تو ہوا کرتا ہے ہمیشہ..... تم جی کو سرکس کی فلمیں دکھانے اکیلی جایا کرتی تھیں، ہم کس قدر رشک کیا کرتے تھے۔ یاد ہے تمہیں امی.....

(لبنیٰ کو اس طرح تکیوں سے مخاطب ہونا چاہیے جیسے ماں وہاں موجود ہو۔)

تم اور جی ہمیشہ اکیلے جاتے اور ہم میں سے کوئی بھی تمہارا ساتھ نہ دیتا۔ ایک روز یاد ہے امی میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اتنی بور فلمیں آپ کیسے دیکھتی ہیں تو آپ نے کہا تھا لبنیٰ جب میں ٹکٹ خریدتی ہوں تو بور ہوتی ہوں۔ جب فلم کی دو ریلیں نکل جاتی ہیں تو بھی میں بور رہتی ہوں۔ پھر آگے نہ جانے کیا ہوتا ہے جی کی خوشی مجھ میں خوشی کا دیا روشن کر دیتی ہے..... ایک اور راستہ بھی تو ہوا کرتا ہے ایسے مسائل کا امی.....؟ دوسرے کی خوشی میں اپنی خوشی کی تلاش بھی تو ایک راستہ ہے امی.....

(رُخمی آتی ہے اس کے ہاتھ میں ریڈیو ہے)

رُخمی: تم بھی سنو بی بی تم کو تو میں نے ریڈیو دکھایا ہی نہیں۔ اچھا ہی کیا غلاف بدل دیے بی بی۔ (ریڈیو رکھ کر چلی جاتی ہے۔ لبنیٰ دراز کھول کر باپ کی تصویر نکالتی ہے اور ماں کی تصویر کے ساتھ لگاتی ہے۔ ریڈیو پر یہ گیت آتا ہے۔

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے
جس گدا کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

لبنیٰ: تمہاری جگہ ہمیشہ یہاں رہے گی امی ہمیشہ..... ہمیشہ ہمیشہ۔

(لبنیٰ آہستہ آہستہ پلنگ پر لیٹتی ہے۔ آنسو اس کی آنکھوں میں آتے ہیں۔ ریڈیو کی آواز اونچی ہوتی ہے۔)

-------O-------

لگن اپنی اپنی

قسط نمبر 13

کردار

لبنا:

بڑے ابا:

اللہ رکھی:

بیگم جعفری:

سیٹھ صاحب:

پروڈکشن منیجر:

میوزک ڈائریکٹر:

طبلہ نواز:

ہیرو:

ان ڈور (لونگ روم) دن

سین 1

(سیٹھ صاحب مارواڑی لب ولہجہ میں بات کرتے ہیں۔ پروڈکشن منیجر زرا رک رک کر اور خوشامد کے رنگ میں بات کرنے کا عادی ہے۔ میوزک ڈائریکٹر کہانی وغیرہ کے معاملے میں کورا ہے اور وقت بے وقت تان لگا دینے کا عادی ہے۔ طبلہ نواز مکمل طور پر زوردار شخصیت سے عاری ہے، پان کھاتا ہے اور جب بات نہیں تو اپنے گھٹنے یا صوفے کے بازو پر طبلہ بجاتا رہتا ہے......

نوجوان ہیرو کی یہ پہلی فلم ہے۔ وہ اپنے فن میں مگن ہے۔ ایک بنی بنائی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ہے۔ بیٹھتا ہے تو پوز بنا کر، چلتا ہے تو بناوٹ کے ساتھ۔ کھڑا ہو کر سگریٹ پیتا ہے تو دھواں نکالنے میں ادا چھپی ہوتی ہے۔

ہم جب پہلے سیٹ پر آتے ہیں تو دکھایا جاتا ہے کہ لبنا سکول کی کاپیاں چیک کر رہی ہے۔ اس نے چہرے پر نظر کی عینک لگا رکھی ہے۔ بڑے ابا باہر سے آتے ہیں۔ لبنا مکمل طور پر تبدیل ہو چکی ہے۔ لباس سے بے پروا، سر پر چادر اوڑھے بیٹھی ہے۔)

بڑے ابا: آج تم سکول نہیں گئیں لبنا؟

لبنا: چھٹی ہو گئی تھی بڑے ابا۔ ہماری ہیڈ مسٹریس کے ابا فوت ہو گئے۔

بڑے ابا: میں ذرا بینک تک جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا تو نہیں تمہیں؟

لبنا: بینک کیوں جا رہے ہیں بڑے ابا؟

بڑے ابا: نئی لسٹ چھپی ہے پرائز بونڈوں کی۔

لبنا: بغیر Bonds کے لسٹ کیا کریں گے آپ؟

بڑے ابا: بس ہماری دلچسپی ہے انعام پانے والوں کی قسمت پر رشک کر لیتے ہیں گھڑی دو گھڑی اور کیا۔

لبنا: بڑے ابا...... بھیاجی کا خط آیا تھا۔ انہوں نے بڑی شکایت کی ہے کہ آپ انہیں خط نہیں لکھتے۔

بڑے ابا: کیا لکھیں لبنا اسے؟ بہو مر گئی۔ بیٹا بچھڑ گیا۔ پوتا کراچی چلا گیا۔ ایک بیٹی کی ٹانگیں خراب ہو گئیں، دوسری سکول ماسٹرنی بن گئی۔ ہم بیٹھے موت کا انتظار کرتے ہیں۔ پڑے جاتے ہیں۔ کھاتے ہیں، سوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے واقعوں کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے سے جھگڑتے ہیں۔

لبنا: بڑے ابا جلدی آ جائیے گا۔

بڑے ابا: ہر انجام میں اس کے آغاز کی جھلک ہوتی ہے۔ بڑھاپا جوانی کی نہیں، بچپن کی تصویر ہوتا ہے۔ محبت کے انجام میں محبت کے آغاز کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ اضطراب، بے کلی...... بے صبری۔ پر انجام میں وہ شگفتگی باقی نہیں رہتی جو آغاز میں ہوا کرتی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟

لبنا: ٹھیک کہتے ہیں آپ بڑے ابا۔

بڑے ابا: ہم کو صمد کی شادی پر اعتراض نہیں تھا۔ پھر اس نے پنڈی کیوں چھوڑا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ تم عبداللہ کو خط لکھو تو کہنا کہ دوسروں کے علاج کرنا چھوڑ بیٹا۔ کچھ حقوق العباد بھی مقرر ہے ہر بالغ فرد پر (یہ کہتے ہوئے بڑے ابا چلے جاتے ہیں۔ لبنا پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اب اللہ رکھی آتی ہے۔)

اللہ رکھی: بی بی لبنا آپ سے ملنے کچھ آدمی آئے ہیں۔

لبنا: آدمی؟ مجھ سے؟

اللہ رکھی: ہاں جی پانچ آدمی ہیں۔

لبنا: میرے پبلشر تو نہیں؟

اللہ رکھی: وہ جو آپ کی کتابیں چھاپتا ہے، نہیں جی۔ یہ تو بال بڑھائے ہوئے لوگ ہیں۔ آپ کے پبلشر کی تو آنکھیں اس طرح ہیں۔ (بھینگی بن کر دکھاتی ہے)

لبنا: کام پوچھنا تھا۔
(اللہ رکھی دروازے کی دہلیز تک جا کر کہتی ہے)

اللہ رکھی: اچھا جی۔

لبنا: اچھا انہیں بھیجو۔

رکھی: آ و جی بلا رہی ہیں بی بی۔
(اب فلمی دنیا کے آدمی باری باری Entry دیتے ہیں۔ سیٹھ پہلے آتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ پھر پروڈکشن منیجر اس کے بعد۔ اس کے بعد موسیقار پھر طبلہ نواز ہر آدمی آ کر سلام کرتا ہے۔)

لبنا: وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام۔

منیجر: ہم جی گریٹ فن پروڈکشن کی طرف سے آئے ہیں۔ یہ ہمارے سیٹھ صاحب......

سیٹھ: مطلب کا بات بولو ناں، بابا یہ تم کیا ادھر سے آیا، اُدھر سے آیا ہے۔

منیجر: میں سب کا تعارف کرا رہا ہوں ان سے۔ آپ غالباً لبنا صمد ہیں؟

ہیرو: آپ کا ناول "لگن اپنی اپنی" میں باقاعدگی سے پڑھتا رہا ہوں۔

موسیقار: میں نے تو دھن بھی بنالی ہے سیٹھ صاحب سنئے (گا کر)
لگن اپنی اپنی لگن راکھے سب کو
پیار اب تو آجا نہ چین آئے اب تو

ماسٹر: تین تال کا ٹھیکہ لگے گا۔ Pilco اور Viberophone bridge بجائیں ہٹ Song ہو گا سیٹھ صاحب۔ ہٹ Song

سیٹھ: اے تم سب کو لے کر آ گیا ادھر۔ ہم تم کو بولا نہیں ارشد صاحب کہ میلہ نہیں بناؤ۔ دو آدمی جائیں گا۔ ادھر بات پکی ہو جائیں۔ منہ میٹھا کرائیں، صورت نکل آئے۔ پھر ان کو ساتھ لے جانا۔ تم نہ مانا نہ جانا۔ اب کروان سے متھا پھوڑی۔

منیجر: دیکھئے ماسٹر جی، مجھے بات کرنے دیجیے ذرا۔

ماسٹر: ہیرو۔

موسیقار: ضرور ضرور۔ ضرور ضرور۔

منیجر: آپ کا ناول سیٹھ صاحب کو بہت پسند آیا۔ انہوں نے دوبارہ اسے پڑھا۔

سیٹھ: ناں بابا ناں۔ ہم نے کھدا کو جان دینا ہے۔ ہم نے ناول نہیں پڑھا۔ ہمارا بیٹی نے پڑھا۔ ہم کو کہانی سنا دیا دوبار۔ ہم کو کہانی اچھا لگا جگہ جگہ سے۔ اس میں کچھ نیا Ideal ہے۔ تم جو بولو ناں ارشاد صاحب چپ کیسا ہو گیا یکدم۔

منیجر: ہمارے سیٹھ صاحب کو بڑی Sense ہے جی سٹوری کی۔

ماسٹر: اصلی چیز ہی اسٹوری ہوتی ہے۔ ایک تھیم سونگ ہو۔ ایک Dream Sequnce ہو، دو Fights ہوں، فلم فیل ہی نہیں ہو سکتی۔

سیٹھ: تم اس کو کیوں ساتھ لے آیا ارشد صاحب۔ اسے ماسٹر جی جرا کار میں سے پیٹی اٹھا لاؤ ناں۔ (ماسٹر جاتا ہے)

ہیرو: آپ کے ناول کے لیے سیٹھ صاحب کا خیال ہے کہ میں ٹھیک رہوں گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

لینا: میرے ناول میں تو دراصل کوئی ہیرو نہیں، کوئی بھی ہیروئن نہیں۔ یہ تو ایک کنبے کی کہانی ہے۔ کیسے ان میں خمیر لگا تخریب کا اور کیسے وہ کٹ کر ایک دوسرے سے دور چلے گئے۔

سیٹھ: دیکھو بی بی ایسا مشکل بات تم کرے گا تو ہم اپنا گانے لکھنے والا کو بلائے گا، ہم تو سادہ آدمی ہے، سادہ زبان سمجھتا ہے۔

لینا: مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ آپ سب یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟

موسیقار: [illegible] کے لیے۔

ہیرو: آپ کے ناول کی سٹوری ہے......

منیجر: ہم کو فلم بنانا......

سیٹھ: تم سب چپ کرو۔ ہم سمجھائے گا بہن جی کو۔ دیکھو بی بی۔ تمہارا اسٹوری کیا نام بولا تھا اس کا؟

منیجر: لگن اپنی اپنی۔

سیٹھ: اس کو پڑھا۔ ہاں لگن اپنی اپنی...... اس کو پڑھا ہماری بیٹی نے۔ وہ بولا ہماری بیٹی کا نام آسیہ ہے۔ آسیہ بولا۔ ابا جی اس بار فلم بناؤ تو اس کا...... کیا نام بولا...... ناول کا؟

ہیرو: لگن اپنی اپنی۔

سیٹھ: ہاں تو اس کو پسند آ گیا۔ ہم نے کہانی سن لیا۔ بڑا اچھا Topic ہے۔ نیا آئیڈیا ہے۔ عورتوں کے Interest کا بات ہے اس میں۔ اصل میں عورتیں فلم پاس کرتا ہے۔

منیجر: یہ کہانی ہم آپ سے لینے آئے ہیں۔

سیٹھ: لینا کیا بابا لے لیا۔

موسیقار: میں تو دو گیتوں کی دھنیں بھی بنا چکا ہوں۔

سیٹھ: اب تم سے پھیسلہ کرے گا کہانی اچھا ہے، ایسا ہی ہم کو چاہیے۔ یہ اب کچھ Discuss کرے گا کہ ہم کو اس میں کیا کچھ چاہیے۔ بولو بابا تم کیسا ڈائریکٹر ہے، تم اپنا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔

منیجر: دیکھئے محترمہ! ہم اس کہانی میں پہلی بات تو یہ ہے کہ

ہیرو: اس کہانی میں بڑی ترمیم تو یہ ہوگی کہ کہانی میں شازی کو ہیروئن بنائیں گے وہ چھوٹی ہے Audience کی اس سے Sympathy ہو گی۔

سیٹھ: یہ ہمارا پروڈکشن منیجر ہے۔ چار فلموں میں اس نے کام کیا، ہمارے ساتھ ہم اس کو چانس دے گا اس دفعہ۔ ڈائریکٹر کر دیا اس کو ہم نے۔ یہ بھی کیا یاد رکھے گا۔ ایسا کہانی بناؤ عورتیں چار چار رومال بھگو لیں Interval سے پہلے۔

لینا: میری کہانی آپ کے سامنے ہے۔ اگر آپ اسے پسند کریں تو......

سیٹھ: پسند کیا نہیں بوبو ارشد۔ تم بتاتا کیوں نہیں۔ پسند کیا بابا بہت کیا پر سکرین کا کچھ Demand ہونے کا اس کو سامنے رکھ کر کچھ تبدیلی تو ہوئے گا۔ تم سمجھاؤ ناں کیا

تبدیلی ہم چاہتا ہے بھئی۔

ماسٹر: بیٹی آ گئی ہے جناب عالی۔

موسیقار: آپ کے پاس کچھ سگریٹیں ہوں گی گھر پہ۔ (لبنا اٹھ کر جاتی ہے)

لبنا: میں ابھی منگواتی ہوں۔

سیٹھ: پہلے پیسے کا کھول لو ارشد۔ تم بھولا آدمی ہے۔

ہیرو: میں تو کہتا تھا سیٹھ صاحب، ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ کہانی آپ کے سامنے ہے۔ آپ خلش صاحب سے کہہ کر سارا سکرین پلے لکھوا لیں کھٹا کھٹ۔

سیٹھ: دیکھو بابا کیسی بات بولتا ہے تم۔ ہم کو الٹا حکم پڑھاتا ہے...... شیطان کا بچہ۔ ہم نے کبھی ٹیکس نہیں نہیں کیا ہمیشہ Advance payment کیا۔ ہم کہانی خورد برد نہیں کرے گا۔ ہم کو کہانی نپٹ پسند آیا، تم صرف ارشد صاحب قیمت کم رکھے ان کے کام کی۔

ارشد: پانچ ہزار کافی ہوں گے سیٹھ صاحب۔

موسیقار: ناں جی پانچ ہزار تو بہت زیادہ ہے۔

سیٹھ: دیکھو بابا ادھر خلش کو بھی پیسہ دینا ہے کہ نہیں۔ یہ تو عورت ذات ہے۔ سکرین پلے غلط سلط لکھے گا۔ ادھر خلش اس میں کامیڈی بھرے گا۔ Situation ڈالے گا۔ Climax لائے گا۔ ڈرامہ تو خلش بنائے گا کیوں ماسٹر؟

ماسٹر: ٹھیک کہہ رہے ہیں پیر و مرشد۔

سیٹھ: ادھر اس سے تو صرف ششوری کا کام کرنا ہے۔ چھ سات سو بہت ہے۔ جیادہ مانگے تو ہزار پندرہ سو۔ اس سے اوپر دمڑی نہیں۔

موسیقار: ٹھیک کہتے ہیں سیٹھ صاحب۔

ہیرو: چھ سات سو؟

ماسٹر: بالکل ٹھیک کہتے ہیں سیٹھ صاحب۔

موسیقار: دیکھئے ناں سیٹھ صاحب فلم کو تو چلنا ہے کاسٹ کے نام پر۔ دوسری بات آتی ہے

موسیقی کی۔ دھنیں تو اس کرم نواز کی مہربانی سے ہماری ایسے ہٹ جائیں گی کہ ریڈیو پر روز فرمائش ہوگی ان کی۔ ذرا پیٹی پکڑانا ماسٹر جی۔

ماسٹر: میں اس ٹیبل پر ٹھیک بجاؤں ساتھ جی۔

موسیقار: سیٹھ صاحب جب ہیروئن کی ٹانگیں خراب ہو جاتی تھیں تو یکدم Bang ہوتا ہے۔ پھر مرلی Solo بجاتی ہے۔ ساتھ ہی وائلن بھر کے اٹھتے ہیں اور ہیروئن گاتی ہے۔

موسیقار: (گاتا ہے۔ پیٹی بجاتا ہے۔ ساتھ طبلہ نواز میز پر طبلہ بجاتا ہے)

ساتھ سہارا یہ بھی چھوٹا......
ٹوٹا یہ بھی بندھن ٹوٹا......
من نگیا کو کس نے لوٹا؟
پیتم یہ تو بتائے جا رے؟......
شام بھئی گھر آئے......

(کٹ)

سین 2   شام   ان ڈور (بڑے ابا کا کمرہ)

(لبنا کے ساتھ ہم بڑے ابا کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ رکھی گاؤں جانے کے لیے تیار بیٹھی ہے۔ اس کے پاس چھوٹی سی ٹرنکی اور ایک گٹھڑی موجود ہے۔)

اللہ رکھی: لو بی بی میرا تو دانہ پانی ختم ہو گیا اس گھر کا۔

لبنا: اللہ رکھی ایک ڈبیا سگرٹوں کی تو لا دو۔

اللہ رکھی: بسم اللہ میں لا دیتی ہوں پر آپ کی ماں کی روح خوش نہیں ہوگی۔ اگر آپ نے سگریٹ پیا تو......

لبنا: مجھے نہیں اندر مہمانوں کو ضرورت ہے۔

اللہ رکھی: یہ کیسے مرکھنے مہمان ہیں کہ سگریٹ بھی ساتھ نہیں لائے۔

لبنا: فلمی دنیا کے لوگ ہیں۔

اللہ رکھی: اب تم ایکٹرس بنو گی لبنا بی بی؟...... خدا قسم ادھر میری بیگم کی آنکھیں بند ہوئی ہیں۔ ادھر تم سب کو خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ چالیسواں نہیں ہوا اور عبداللہ بھائی چلے گئے۔ دو مہینے نہیں گذرے اور صاحب نے شادی اور کر لی۔ شازی بی بی ٹپ ٹپ کر رویا کرتی تھی، اتنی جلدی شادی کر لی۔ منٹوں میں یہ جا، وہ جا۔ وہی نیک بخت تھی اس گھر میں...... اب تم ایکٹرس بن جاؤ۔ ملا دو ساری عزت خاک میں۔

لبنا: ایکٹرس نہیں اللہ رکھی۔ وہ میرے ناول کی فلم بنائیں گے۔

اللہ رکھی: اچھا تو بی بی خوب سارا پیسہ لینا ان مرداروں سے۔ موئی ایکٹرسوں کی تو جھولیاں بھر دیتے ہیں۔

لبنا: تم یہ ٹرنکی بند کر کے کہاں جا رہی ہو؟

اللہ رکھی: میں تو بڑے میاں جی کا انتظار کر رہی تھی۔ میرے پیسے ہیں ان کے پاس۔

لبنا: میں کیا پوچھ رہی ہوں، کہاں جا رہی ہو؟

اللہ رکھی: گاؤں بی بی...... تاج دین حوالات سے آ گیا ہے۔ شبیرا مجھے اطلاع دینے آیا تھا۔

لبنا: کب آؤ گی؟

اللہ رکھی: اب کیا آؤں گی لبنا بی بی۔ پانچ سات سال کی قید کے بعد تو تاج دین گھر آیا ہے۔ کچھ اس کی ٹہل سیوا بھی تو کروں ناں اللہ کو جان دینی ہے۔

لبنا: اور وہ جو اس نے پھر تمہیں تنگ کیا تو......

اللہ رکھی: وہ تو تنگ کرے گا بی بی، اس کی عادت جو ہوئی۔ پر اب میری طبیعت ٹھہر گئی ہے۔ پانی کیسا ہی چھلانگیں مارنے والا ہو، ساحل کو جگہ نہیں چھوڑنی چاہیے۔

لبنا: اور وہ جو اس نے پھر گاؤں میں دنگا فساد کیے؟

اللہ رکھی: کرے گا لبنا بی بی ضرور کرے گا۔ پر میں کیا کر سکتی ہوں، دعا کروں گی۔

لبنا: اسے کچھ سمجھانا بھی عقل بھی سکھانا۔

اللہ رکھی: ناں بی بی۔ یہ کام مشکل ہے۔ اللہ میاں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ ان کی بات کسی نے مانی، کسی نے سنی؟ میری تو پھر تعلیم بھی نہیں۔

لبنا: دھمکی، سزا کوئی سختی کچھ تو کرو گی اس پر۔

اللہ رکھی: فائدہ کیا ہو گا لبنا بی بی...... جو اللہ میاں کی مرضی ہوئی تو اتنی سزا بہت ہے جو وہ پانچ سال بھگت آیا ہے اور جو اللہ نے اس کے مقدر میں خواری لکھی ہے تو رکھی کیا کر سکتی ہے۔ پھر برتن مانجھے گی، روٹیاں سینکے گی پھر...... نوکری کرے گی رکھی...... اچھا بی بی کتنی ڈبیاں؟

لبنا: ایک ڈبیا!

اللہ رکھی: کونسا برانڈ بی بی؟

لبنا: کوئی سا اچھا برانڈ اور چائے بھی رکھی پلیز۔

رکھی: اچھا جی۔ چائے دے کر میں چلی جاؤں گی لبنا بی بی۔
(رکھی یکدم لبنا سے بغلگیر ہو جاتی ہے۔)

لبنا: اچھا خدا حافظ رکھی۔ اللہ کرے تم خوش رہو۔

رکھی: اپنی شادی پر مجھے بلانا نہ بھولنا لبنا بی بی۔

لبنا: میری شادی؟...... میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں کہ میری بھی شادی ہو سکتی ہے؟

رکھی: اللہ نہ کرے بی بی کیسی ساندی کیسی باتیں نکالتی ہو منہ سے۔

لبنا: (جلدی سے جاتے ہوئے) اچھا رکھی جلدی آنا۔

رکھی: ابھی بی بی ابھی بڑا رزق کھایا ہے اس گھر کا۔ ساری دنیا کہتی تھی جیسی فیشنوں کی ماری تیری بیگم ہے، ایسی تو سارے پنڈی کے ہیڈ کوارٹر میں نہ ملے۔ پر کس کو پتہ وہ کتنی مدد کرتی تھی ہم غریبوں کی۔ (رکھی بولتی جاتی ہے۔)

(کٹ)

سین 3 کچھ دیر بعد ان ڈور (لونگ روم)

سیٹھ: اب ادھر آ کر بیٹھو ناں ہمارے پاس۔ دیکھو کہانی بنے گا تمہارا سکرین پلے لکھے گا
تم ڈائیلاگ تم ہی بنانے کا سارا Idea سارا بات تمہارا ہوئے گا۔ بس اتنا بات
ہمارا یاد رکھو کہ تھوڑا بہت Compromise کرنے کا عادت تم ڈال لو ناں۔
جھنگ لائلپور چھوٹا موٹا دور کا سٹیشن ان چھوٹا سرکٹ میں فلم کے لیے ڈسٹری بیوٹر
کا کچھ Demand ہوتا ناں، اس کا کھیال رکھنا ہوئے گا۔ تم کس لیے آیا ہے
ساتھ ارشد صاحب۔ بابو بولو ناں سمجھاؤ ان کو۔ کیا کیا فلم میں تبدیلی ہو گا۔

منیجر: دیکھیے جی تھیم تو آپ کی رہے گی۔ Idea اور سٹوری میں بھی کوئی بات تبدیل
نہیں کی جائے گی لیکن چھوٹے سٹیشنوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے کچھ ایسی باتیں
جو ہمارے قومی وقار کو ٹھیس لگاتی ہیں، وہ نکال دی جائیں تو بہتر ہے۔

لبنیٰ: مثلاً؟

سیٹھ: بولو بولو۔ ہمارا کیا سکل دیکھنے لگا بابا......؟

ہیرو: مثلاً...... میں بتاتا ہوں سیٹھ صاحب۔

سیٹھ: تم کیا بتائے گا۔ تم کو ہم نے بول دیا کہ فلم میں لے گا تم۔ اب تم چپ بیٹھا رہو
بابا۔ اچھا بی بی تمہارا جو کہانی ہے جو ہم کو آپ نے بتایا، اس میں تین باتیں
سمجھایا۔ کون کون سی بات بتایا تھا آپ نے ارشد صاحب؟

منیجر: دیکھیے ایک تو مسئلہ ماں کا ہے۔ اب فلم والوں کو معاف کیجیے۔ عوام کو ماں باپ
کے دکھوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اگر ہم ہیرو کی دوبارہ شادی کر دیں اور
شادی جو ہے، اس سے وہی لائنز کہلائیں جو ماں کہتی ہے یعنی جو دکھ ماں کو پہنچتا
[illegible] کو زیادہ Sympathy ہوگی۔

لبنیٰ: لیکن ٹریجڈی کم ہو جائے گی۔

سیٹھ: [illegible] عورت کے ساتھ ظلم ہوئے گا تو پبلک کو دکھ پہنچے گا اور پھر

ماں کا کیا ہے؟ تو جوان بچے ہیں اس کے ساتھ کس کو Sympathy ہوگی بولو
تم ہیرو صاحب؟ کیا Point ہے ہمارا؟

موسیقار: اور پھر ماں کا دل ٹوٹے گا تو وہ Sad song نہیں گا سکے گی فلم کی
Situation ایسی ہونی چاہیے محترمہ کے فرید صاحب شادی کے ساتھ شادی
کے بعد ایسے ہی کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہو جائیں، کسی نائٹ کلب کی
رقاصہ یا کوئی ماڈرن لڑکی۔ شادی وغیرہ نہ ہو اس سے بس پبلک کو لگے اور ہیروئن
کو بھی لگے کہ شادی ہو گئی ہے لیکن دراصل شادی نہ ہو۔ Suspense رہے گا
اس طرح سیٹھ صاحب۔

سیٹھ: کیسا؟...... اچھا ہے۔ اچھا پوائنٹ مارا تم نے میوزک ماسٹر۔

ماسٹر: بالکل نئی بات پیدا کر لی ہے سیٹھ صاحب۔

منیجر: بعد میں شادی کی محبت کا جب فرید صاحب کو اقبال آ جائے گا تو وہ اس دوسری
عورت کو نکال پھینکتے ہیں گھر سے باہر، پر بیوی خوش ہوگی۔ سنسر والوں کو بھی کوئی
اعتراض نہیں ہوگا۔

ہیرو: لیکن جب وہ سین جاتا رہے گا جہاں ماں مرتی ہے، وہ سین بڑا جاندار ہے۔

سیٹھ: کیا جاندر بول دیا تم نے منہ کھول کر؟

منیجر: بالکل Morbid بات ہے۔ اس کو ذہن سے نکال دیں۔ لوگ تفریح کے لیے فلم
دیکھنے آتے ہیں، کوئی ذہنی Torture برداشت کرنے نہیں آتے پکچر ہاؤس
میں۔

لبنیٰ: آپ ماں کی موت کو ارشد صاحب Depressing تو کہہ سکتے ہیں لیکن
Morbid نہیں کہہ سکتے۔

سیٹھ: جھگڑا کاہے کو کرنا شروع کر دیا بھائی۔ رولا نہیں مچاؤ۔ ہم تم کو بول دیا بی بی کہ ماں
Important نہیں ہے۔ اس کو تو اول رکھو نہیں بیچ میں اور جو رکھو تو دو چار سین
کے لیے۔ کبھی دودھ کا گلاس لے آیا، کبھی تولیہ لے کر گزر گیا۔

ماسٹر: ٹھیک سوچ رہے ہیں آپ سیٹھ صاحب۔ ماں کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا فلم کو۔

لبنٰی: لیکن یہ تو میرے ناول کا بڑا ضروری کردار ہے۔

سیٹھ: دیکھو بی بی تم سمجھنے کا کوشش کرو ناں۔ اگر جو ماں پر کوئی آفت ٹوٹے نا تو ہم کو قبول ہے۔ ماں سے پبلک کا دل ملا ہوتا ہے۔ ماں سے پرایسے جو وہ آتی جاتی رہے تو پھر لڑکا لڑکی کا آزادی خراب ہوتا ہے سکرین پر تم بھی تو بولو ارشد صاحب کچھ بابا؟

منیجر: دیکھیے محترمہ ہم نے آپ کی کہانی میں ذرا سی تبدیلی کر لی ہے۔ پبلک کی سہولت کے لیے ماں باپ آپ کے ناول کے ہیں۔ ان کی دو بیٹیاں وہی ہیں جو آپ نے رکھی ہیں۔ چھوٹا بھائی Comic ریلیف کے لیے رکھا ہے۔ ڈاکٹر بھائی جو بڑا ہے، اس کی ہمیں ضرورت نہیں۔

سیٹھ: بالکل بابا جو جھاڑ جھنکاڑ ہے نکال پھینکو باہر۔

لبنٰی: آپ بڑی زیادتی کر رہے ہیں ارشد صاحب۔

منیجر: آپ پہلے تسلی سے ہماری بات سن لیں۔

موسیقار: انشاءاللہ آپ کو اعتراض نہیں ہوگا کوئی بھی۔

ماسٹر: (خوشامد کے ساتھ) سیٹھ صاحب کی ہر فلم سلور جوبلی کرتی ہے میڈم، آپ فکر نہ کریں۔

منیجر: آپ تسلی رکھیں، ہم آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گے۔

سیٹھ: یہ بات کھول دیو پہلے ہم کوئی دوسرے فلم سازوں جیسا جبر دستی کرنے والا نہیں ہے۔

منیجر: ہاں جی...... اچھا تو بھائی رہ گیا ایک۔

ہیرو: دیکھیے سیٹھ صاحب اس کہانی کا بڑا اہم جز و یہ ہے کہ چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کی بیوی سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ شہر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بڑا بھائی سمجھتا ہے کہ [illegible] بے عزتی ہو گئی ہے، اس لیے چھوٹا بھائی گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ حالانکہ چھوٹے بھائی کو احساس گناہ گھر سے باہر جانے پر مجبور کرتا ہے۔ [illegible] ہے، اس کا حق ختم ہو جائے گا۔

سیٹھ: جب تم کو بول دیا کہ بڑا بھائی نہیں رکھنا ہے ہم کو تو پھر...... اب تم کیا بیچ میں یہ گڑبڑ لائے گا۔

منیجر: ویسے بھی خلیل صاحب چھوٹا بھائی بڑی بھابی سے محبت کرتا دکھایا جائے، بڑی معیوب سی بات ہے۔ بڑی تہمت سی لگتی ہے خاندان کو اس سے۔

لبنٰی: یہ معیوب بات غالباً ہابیل اور قابیل کے زمانے سے ہوتی چلی آئی ہے۔ کوئی نئی تہمت نہیں ہے یہ بنی نوع انسان کے لیے۔

سیٹھ: بابا تم گسہ نہیں کرنا۔ راجی رہنا، ہم تمہارا فلم کو ہٹ بنائے گا۔ صرف اس میں لیڈیز کو خوش کرنے کا مسالہ بھرے گا۔ تم فکر نہ کرو کسی بات کا۔

منیجر: تو کہانی کا ڈھانچہ اس طرح ہوا کہ دو بہنیں ہیں۔ چھوٹی بہن کی شادی ہو جاتی ہے۔ شوہر شادی کے کچھ عرصہ بعد ایک دوسری عورت کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سیٹھ: ہوتا ہے بابا ہر روج ایسا ہوتا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں یہ۔

منیجر: نئی ہے سیٹھ صاحب۔

سیٹھ: ہاں تو بولو...... کیا؟

منیجر: اب پبلک کو اور شازی کو یہ بتایا جاتا ہے کہ ہیرو کی شادی ہو گئی ہے دوسری عورت سے۔ ہاف ٹائم کے بعد یہ سسپنس رہتا ہے۔ پھر بعد میں یعنی آخری ریل میں گتھی سلجھ جاتی ہے۔ ہیروئن ہیرو کو معاف کر دیتی ہے۔ دونوں ہنسی خوشی سے رہنے لگتے ہیں۔

ماسٹر: میرے منہ میں خاک سیٹھ صاحب، ایک بات سمجھ نہیں آتی یہ۔ یہ بڑی بہن کیوں رکھی ہے فلم میں۔ دیکھیے ناں اگر بڑی بہن رکھیں تو پھر کوئی سائیڈ ہیرو بھی رکھنا پڑے گا۔

سیٹھ: بات تم کبھی کبھی پتے کی کہتا ہے۔ نکالو، اس کو نکالو۔ کیا بنائے گا بڑی بہن۔ خوامخواہ ایک ڈیڑھ لاکھ تو کاسٹ پر پہلے ہی لاگت آ رہا ہے۔ اوپر سے یہ بڑی بہن کا ٹنٹا بھی ہووے گا، نکالو دور کرو۔

ہیرو: اور چھوٹا بھائی۔

سیٹھ: کونسا چھوٹا بھائی؟ کیسا آدمی ہے۔ تم چلتی میں روڑا اٹکانے والا۔

منیجر: ہے سیٹھ صاحب ایک چھوٹا بھائی بھی جس کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دیتا گھر میں۔

سیٹھ: ہم تو فیچر فلم بنا رہا ہے بابا، محکمہ تعلیم کا Documentary نہیں بنا رہا۔ یہ چھوٹا لڑکا کدھر سے آ گیا، ہم کو تو یاد نہیں۔

موسیقار: اگر بچہ ہو سیٹھ صاحب تو ہیروئن اور بچے کا ایک ڈوئیٹ ہو سکتا ہے۔

سیٹھ: بچے کے ساتھ ڈوئیٹ کیا مطلب؟ تم نپٹ گدھا آدمی ہے۔ ہیروئن ہیرو کے ساتھ ڈوئٹ گائے گا ماسٹر جی۔ عقل ٹھکانے رکھو اپنا۔ Serious کام ہو رہا ہے ادھر۔

موسیقار: اچھا جی—

منیجر: تو طے یہ پایا کہ ہیروئن اور اس کا بھائی جو کامیڈین ہے، ماں باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ پھر ہیروئن ہیرو سے ملتی ہے۔

ہیرو: لیکن ہیروئن کی ٹانگیں کیسے ٹوٹیں گی؟

منیجر: ہاں یہ سوچنے والی بات ہے۔

سیٹھ: کاہے کو تڑوا رہا ہے ٹانگیں تم۔ اللہ نہ کرے کسی کی ٹانگیں ٹوٹیں۔

منیجر: سیٹھ صاحب یہ تو بڑا پوائنٹ ہے۔ پبلک پر اثر پڑے گا اس واقعے کا۔ عورتیں روئیں گی۔ لڑکیاں ایک دوسرے کو کہانی سناتے وقت یہ واقعہ دہرائیں گی۔ عورتیں ہٹ کراتی ہیں فلم کو سیٹھ صاحب۔

سیٹھ: تو ایسا کرو...... ہمارا بات مانو...... جب وہ دوسرا عورت بیوی بن کر آتا ہے ناں گھر پر تو ہیروئن اوپر والی منجول (منزل) سے دیکھے۔ بے ہوش ہو کر سیڑھیوں پر گرے، ٹانگ خراب ہو جائے۔ سیدھی بات ہے، کاہے کو پریشان ہوتا ہے تم لوگ۔

موسیقار: سبحان اللہ۔

ہیروئن: واہ واہ

ماسٹر: بس سیٹھ جی حد کر دی آپ نے۔

سیٹھ: پر ڈاکٹر بھی [illegible] ٹھیک کر دے ڈاکٹر صاحب۔

انشاء اللہ آپ فکر نہ کریں سیٹھ صاحب۔

منیجر: آپ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟

لبنا: آپ کی کہانی بالکل نئی ہے۔ بالکل Fresh idea۔ خدا جانتا ہے کہ جہاں تک

منیجر: ممکن ہوا، ہم کہانی کو اصلی روپ کے قریب رہنے دیں گے۔

ہیرو: معاف کیجیے، ایک ذاتی سا سوال کروں گا؟

لبنا: فرمایئے۔

ہیرو: یوں لگتا ہے جیسے پہلے آپ نے کہانی کو کسی اور خیال کے تحت لکھا، بعد میں اصل سے ہٹ کر کہیں اور نکل گئیں؟

لبنا: بیج کو دیکھ کر آپ یہ تو اندازہ لگا سکتے ہیں کہ درخت لوکاٹ کا ہوگا کہ بادام کا لیکن یہ تو آپ نہیں بتا سکتے کہ درخت میں کتنی شاخیں اور کتنی پتیاں لگیں گی۔ میرا خیال ہے کہ پہلے صفحے سے لے کر آخری ورق تک میں نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی جو ایک دوسرے کی نفی کرتی ہے......

سیٹھ: تم کو کون بول رہا ہے ایسی باتیں کرنے کو، معاف کرنا بی بی اس کو۔ چار کتابیں پڑھ کر دماغ الٹ گیا ہے اس کا۔

منیجر: اب یہ بتایئے کہ...... کہ کچھ کاروباری معاملہ بھی طے ہو جائے۔

سیٹھ: کیسا معاملہ بابا، اپنی بیٹی آپ جیسا ہے کچھ بولے گا ہمارے سامنے کیوں بیٹا بولے گا؟ تم پانچ سو تو پکڑاؤ بی بی کو کنٹریکٹ ہم بنوا کو بھجوا دے گا کل۔ پکڑو بابا شرم کیسا۔ تمہاری شٹوری ہے، تم کام کرے گا ہمارے یونٹ کے ساتھ۔ دیٹو بیٹی کو، کھڑا کیا ہے۔

لبنا: لیکن سیٹھ صاحب میں تو......

سیٹھ: پکڑو...... بھائی پکڑو۔ یہ ڈائریکٹر ارشد صاحب آئے گا تمہارے پاس کل۔ اچھا اٹھو اب کیا بیٹھ گیا تم کر۔

لبنا: سیٹھ صاحب میں کچھ کہنا چاہتی ہوں، مجھے یہ...... میں ہرگز......

سیٹھ: دیکھو بی بی ادھر ہمارا دوسرا فلم کا آج سنسر شو ہے۔ سارا کام ادھر پدھر پڑا ہے۔

ہم کو تو اجازت دو، چلو بابا، لے کر کیا بیٹھ گیا...... چلو ماسٹر جی چھٹی اٹھاؤ۔

میں کنٹریکٹ لے کر کل حاضر ہو جاؤں گا۔

منیجر: لیکن جی میں نے تو ابھی سوچا ہی نہیں۔

لبنا: دیکھو بیٹا۔ جب ہم کام شروع کرتا ہے تو انکار کا بات برا شگون بن جاوے۔ تم

سیٹھ: کام کرو، ہم تم کو خوش کر دے گا۔ مٹھائی بھی لا نا منہ میٹھا کرانے کو ارشد صاحب۔

اچھا بھائی چلو تم سب بیٹھ کا ہے رہا۔

(ہاتھ میں ہاتھ لیے لبنا کھڑی ہے۔ بڑے ابا آتے ہیں۔)

ماسٹر: السلام علیکم۔

منیجر: السلام علیکم۔

ہیرو: السلام علیکم۔

(سب چلے جاتے ہیں)

سیٹھ: خوش رہو، بڑا اچھا ناول لکھا تم نے۔ بڑا تعریف کر رہی تھی آسیہ۔ ہم کو بولے۔ بابا تم اب اسی کا فلم بنانا۔ ہم جواب دیا دیکھو کرے گا کچھ اچھا...... خدا حافظ۔

لبنا: بڑے ابا میں یہ آپ کے لیے۔

بڑے ابا: میرے لیے؟ کیا؟

لبنا: یہ پانچ سو روپے بڑے ابا۔ (آہستہ) کاش آج۔ بھیا جی یہاں ہوتے تو میں انہیں یہ جواب دیتی، وہ بہت خوش ہوتے۔ وہ کہا کرتے تھے لبنا تمہاری ایک فلم بن گئی تو......

بڑے ابا: فلم میں کام کرو گی لبنا؟ ہمارے خاندان کی لڑکی ہو کر؟

لبنا: میرے ناول کی فلم بن رہی ہے بڑے ابا۔ اس کے پیسے ملے ہیں کہانی کے۔

بڑے ابا: لبنا......

لبنا: جی بڑے ابا۔

بڑے ابا: میرا پرائز بونڈ نکل آیا ہے۔

لبنا: جی؟

بڑے ابا: بیس ہزار کا۔

لبنا: کیا فائدہ بڑے ابا اپنا دل جلانے کا۔ بھول جائیے بونڈ وغیرہ۔ اتنے سارے نقصان ہو چکے ہیں۔ یہ ایک اور سہی۔

بڑے ابا: کیا مطلب؟

لبنا: آپ یہ رنج دل کو نہ لگائیں بڑے ابا کہ...... کہ اگر چور آپ کے بانڈ نہ لے جاتے تو آج۔ آپ کو بیس ہزار روپیہ مل جاتا۔

بڑے ابا: (دکھ سے) مشکل تو یہی ہے کہ چور میرے بانڈ نہیں لے کر گئے تھے۔

لبنا: کیا بڑے ابا؟

بڑے ابا: کیا کیا جھوٹ بولتا ہے۔ آدمی اپنی لگن کی خاطر ہم نے بھی بونڈ بچا لیے اور بہو ہاتھ سے گنوا دی۔

لبنا: تو چوری نہ ہوئے تھے؟ اس رات آپ تو کہتے تھے......

بڑے ابا: لبنا اگر آج تمہاری ماں زندہ ہوتی تو واقعی میں اسے سارا انعام دے دیتا۔ کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گی؟

لبنا: (آہ بھر کر) اب کیا فائدہ بڑے ابا؟

بڑے ابا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی سے معافی مانگوں، پر کوئی نظر نہیں آتا۔ اللہ کا فرمان ہے بیٹی کہ جو گناہ تم نے لوگوں کے خلاف کیے، ان کو بخشنے والے وہی ہیں۔ جب تک مظلوم معاف نہ کرے، ہم ظالم کو نہیں بخشتے۔ تم اپنی ماں کی جگہ مجھے بخش دو بیٹی۔

لبنا: کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بڑے ابا۔ امی اگر آج زندہ ہوتیں تو انہیں بہت رنج ہوتا۔ آپ آئندہ مجھ سے اس بات کا ذکر نہ کریں کبھی۔

(اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ بڑے ابا جیب میں سینت کر پانچ سو کا نوٹ رکھتے ہیں۔ اس وقت بیگم جعفری آتی ہے۔)

بڑے ابا: تمہاری ماں نے کبھی پردہ نہیں کیا۔ رشوت لی، فیشن کیا۔ یہ اس کی برائیاں ہیں۔ ہمارے سامنے پر ان سب کے باوجود وہ اچھی عورت تھی، بڑی خدمت کی اس نے میری۔

بیگم: بڑے ابا ایک کام آپ سے۔

بڑے ابا: آؤ آؤ۔

بیگم: کیا آئیں بڑے ابا۔ سارے گھر کا نقشہ ہی بدل گیا بیگم صمد کے انتقال سے۔

بڑے ابا: کہو کیا کام ہے؟

بیگم: میں بہن کی قبر پر گئی تھی۔ بڑا افسوس ہوا مجھے قبر دیکھ کر۔

بڑے ابا: ہوتا ہے ہی افسوس بھلی روح تھی تابش کی۔

بیگم: بارش کی وجہ سے ایک طرف قبر بیٹھ گئی ہے۔ میں آپ سے کہنے آئی تھی کہ آپ مجھے پانچ سو روپیہ دے دیں، میں قبر پکی کراؤں گی فوراً۔

بڑے ابا: پانچ سو روپیہ؟ وہ کیوں؟

بیگم: قبر بیٹھ گئی ہے بڑے ابا۔ میں دیکھ سکتی ہوں ایسا ظلم۔

بڑے ابا: بی بی قبر کچی ہونی چاہیے۔ تم نہیں جانتیں تابش کس قدر مذہبی خیالات کی عورت تھی۔ آپ قبر پکی کر کے اس کی روح کو تکلیف دینا چاہتی ہیں، فرمائیے؟

بیگم: آپ چاہے اسے تکلیف دیں یا نہ دیں۔ میں تابش کی قبر پکی بنواؤں گی۔ میرے جیتے جی تو اس کا نشان نہ مٹ جائے جہاں سے۔

بڑے ابا: تمہاری مرضی ہے لیکن میں اسے کار خیر نہیں سمجھتا کہ اس میں شمولیت کروں۔

بیگم: نہ سہی بڑے ابا نہ سہی۔ آپ کو کیا معلوم، میں اسے کتنا Admire کرتی ہوں۔

(بیگم بخاری اٹھتی ہے۔ ہم واپس پہلے سیٹ پر جاتے ہیں۔ لبنا چپ چاپ صوفے پر بیٹھی سامنے والے گھر کو دوربین سے دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے ایک آنسو گرتا ہے۔)

منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔

تمت بالخیر

--------O--------

بانو قدسیہ

راجہ گدھ، شہرِ بے مثال، توجہ کی طالب، چہار چمن، سدھراں، آسے پاسے، فُٹ پاتھ کی گھاس، دوسرا قدم، آدھی بات، دست بستہ، حوا کے نام، سورج مکھی، پیا نام کا دیا، دوسرا دروازہ، ناقابل ذکر، آتش زیرپا، امربیل، بازگشت، مردابریشم، سامان وجود، ایک دن، پروا، موم کی گلیاں، کچھ اور نہیں، حاصل گھاٹ، لگن اپنی اپنی، تماثیل

اشفاق احمد

گڈریا، ایک محبت سو افسانے، وداع جنگ، ایک ہی بولی، صُبحانے فسانے، ایک محبت سو ڈرامے، توتا کہانی، بند گلی، طلسم ہوش افزا، اور ڈرامے، ننگے پاؤں، مہمان سرائے، حیرت کدہ، شالہ کوٹ، من چلے کا سودا، بابا صاحبا، سفر در سفر، اُچے بُرج لاہور دے، ٹاہلی تھلے، کھیل تماشا، گلدان، حسرت تعمیر، جنگ بجنگ، زاویہ، سفرِ مینا

Rs. 225.00

www.sang-e-meel.com